بحکم خدا و خرد

Ex Libris

Asaf Ali-Asghar Fyzee

Presented to the Library of
The University of Jammu & Kashmir
June 1, 1957

RESERVED

NOT TO BE TAKEN OUT OF THE
LIBRARY.

Tabarsi's opinion (Shia) that text of Q. is correct 13

Ali's Qur'an – chronological arrangement, 10

Ali's knowledge of tafsir – 27

Classification of Tafsir – 28

Jizya – 239

صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

سلسلۂ دارالمصنفین

(۳۰)

مقالاتِ شبلی

(مذہبی)

جلد اوّل

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

کے

تمام مذہبی مضامین کا مجموعہ جس کو مختلف رسالوں اور اخباروں سے یکجا کیا گیا ہے

باہتمام محمد اویس وارثی

در مطبع معارف اعظم گڈھ طبع شد

سنہ ۱۳۴۹ھ
۱۹۳۰ء

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIB. No. 19075
D. 28-11-70
SRINAGAR

ST/82

ST 01
Ro

فہرست مضامین

مقالات شبلی جلد اوّل (مذہبی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین و الصلوٰۃ و السلام علی سید المرسلین و علی آلہ الطاہرین

مولٰنا شبلی مرحوم نے مستقل تصنیفات کے علاوہ مختلف عنوانات پر سینکڑون علمی و تاریخی و ادبی و سیاسی مضامین لکھے تھے، جو ہنوز اخبارات و رسائل کے صفحات مین منتشر تھے، علم دوست اصحاب کا تقاضا تھا کہ ان پراگندہ موتیون کو ایک سلک مین منسلک کر دیا جائے کہ وہ ہر شخص کو یکجا میسر آسکین، اور اہل علم اُن سے پوری طرح فائدہ اُٹھا سکین، اگرچہ مولٰنا مرحوم کے چند مضامین "رسائلِ شبلی" اور "مقالاتِ شبلی" کے نام سے اُن کی زندگی ہی مین شائع ہو چکے تھے، لیکن یہ دونون مجموعے ناتمام ہین، اور صرف چند تاریخی و علمی مضامین پر مشتمل ہین، اس بنا پر یہ ارادہ کیا گیا کہ مختلف عنوانات کے تحت اُس عنوان پر اُن کے تمام مضامین ایک ایک مستقل جلد مین جمع کر دیے جائین، تا کہ اُن کے مضامین جن جن موضوع پر ہون وہ الگ الگ مرقع مین نظر آئین، اس خیال کو پیشِ نظر رکھکر ملک کے مختلف رسائل و اخبارات مثلاً معارف علی گڈہ، دکن ریویو، انسٹیٹیوٹ گزٹ، تہذیب الاخلاق، الندوہ، مسلم گزٹ، وغیرہ وغیرہ سے اُن کے تمام مضامین استقصار کے ساتھ نہایت تلاش و محنت سے جمع کئے گئے، اور مختلف موضوع کے لحاظ سے الگ الگ اُنکی تقسیم کیگئی، اور اُن کی اشاعت کا انتظام کیا گیا،

یہ تمام مضامین غالباً ۹ جلدون مین سما سکین، جنکے علحدہ علحدہ عنوانات حسب ذیل ہونگے،

مذہبی[۱]، تاریخی[۲]، علمی[۳]، ادبی[۴]، تنقیدی[۵]، تعلیمی[۶]، قومی[۷]، سیاسی[۸] اور آخری جلد اون کے خطبات اور تقریرون کے مجموعہ پر مشتمل ہوگی،

پیش نظر جلد اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے، بقیہ جلدین آیندہ بہ ترتیب شایع ہوتی رہینگی،

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ،

۲۷ شعبان سنہ ۱۳۴۵ھ

سید سلیمان ندوی، ناظم دار المصنفین
اعظم گڈہ،

تاریخِ ترتیبِ قرآن

قرآن مجید کا نزول اور جمع و ترتیب

رسول اللہ صلعم کی عمر جس قدر زیادہ ہوتی جاتی تھی، اُسی قدر دنیوی تعلقات سے آپ کا جی ہٹتا جاتا تھا اور جستجوے حق آپ کو بے تاب کئے دیتے تھی، یہان تک کہ آپ آبادی چھوڑ کر پہاڑ اور صحرا مین پھرنے لگے، مکہ سے منا کو جاتے ہوئے بائین ہاتھ تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے جس کو حرا کہتے ہین، اس مین ایک غار تھا رسول اللہ صلعم نے معمول کر لیا کہ کئی کئی دن تک متصل اس مین رہتے، اور مراقبہ و مجاہدہ کرتے کھانا گھر سے پکوا کر ساتھ لاتے، جب ہو چکتا تو گھر کو واپس جاتے، دو تین دن وہان ٹھہرتے اور پھر واپس آجاتے، اس طرح پورا ایک مہینہ گذر گیا اور اتفاق یہ کہ یہ رمضان کا مہینہ اور آپ کی عمر کا چالیسوان سال تھا، اخیر دفعہ آپ اسی غار مین تشریف رکھتے تھے کہ آپ کو فرشتۂ یزدانی نظر آیا، اس نے آپ سے کہا کہ "پڑھ" آپ نے فرمایا کہ مین پڑھا ہوا نہین ہون، فرشتہ نے آپ کو زور سے بغل مین بھینچا، پھر چھوڑ کر کہا کہ پڑھ آپ نے پھر وہی جواب دیا، اس طرح تین بار اتفاق ہوا، تیسری دفعہ کے بعد فرشتہ نے یہ آیتین خود پڑھین اور آپ سے پڑھنے کی فرمایش کی :-

اقرء باسم ربك الذی خلق خلق	خدا کے نام سے پڑھ جس نے خلقت پیدا کی، جس نے انسان
الانسان من علق، اقرء وربك الاکرم	کو لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا خدا، بڑا کریم ہے،

سلہ عینی جلد اول (صفحہ ۶۰) بہ حوالہ سیرۃ ابن اسحاق،

ابن[1] اسحٰق کی روایت مین ہے کہ یہ واقعہ خواب مین واقع ہوا یعنی فرشتہ کا آنا اور آپ کو دبانا آنحضرت صلعم نے خواب مین دیکھا،

آپ اس واقعہ کے بعد گھر مین آئے، آپ کا دل دھڑک رہا تھا حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ مجھکو کچھ اڑھا دو، دیر کے بعد جب سکون ہوا تو آپ نے تمام واقعات حضرت خدیجہؓ سے بیان فرمائے، اور کہا کہ مجھ کو ڈر ہے (دیکھئے کیا ہوتا ہے) خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا آپ مطمئن رہئے، خدا ہرگز آپ کو خوار نہ کریگا، آپ صلہ رحم کرتے ہین، نادارون کی خبر لیتے ہین، مہمانون کی مہمان نوازی کرتے ہین، یہ کہکر خدیجہؓ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لوا گیئن، ورقہ حضرت خدیجہؓ کے چچیرے بھائی تھے، جاہلیت مین عیسائی ہو گئے تھے اور چونکہ عبرانی زبان جانتے تھے، عبری زبان مین انجیل کا ترجمہ کیا کرتے تھے، آپ نے ورقہ کے سامنے سب ماجرا بیان کیا، ورقہ نے کہا یہ وہی ناموس (رازدار) ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا، کاش مین جوان ہوتا کہ جب قوم آپ کو نکالنا چاہتی تو مین آپ کے کام آسکتا، آپ نے پوچھا کہ کیا یہ بھی ہوگا، ورقہ نے کہا ہمیشہ ایسی حالتون مین لوگ دشمن بنجاتے ہین[2]،

اس کے بعد تین برس تک آپ پر کوئی وحی نہین آئی[3]، ایک دن آپ نے آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی آنکھ اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو حرا مین نظر آیا تھا، آسمان اور زمین کے بیچ مین ایک کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا، آپ پر رعب طاری ہوا، اسی حالت مین گھر واپس آئے، اور فرمایا کہ مجھ کو کچھ اڑھا دو اس وقت یہ آیتین آپ پر نازل ہوئین ؀

یا ایھا المدثر قم فانذر و ربک ۔۔۔ اے کپڑون مین لپٹے ہوئے اٹھ لوگون کو ڈرا، خدا کی بڑائی کر

---

[1] عینی شرح بخاری مطبوعہ قسطنطنیہ جلد اول ص ۴۶ سطر ۳، [2] یہ پوری تفصیل قریباً حرف بہ حرف بخاری کے پہلے ہی صفحہ مین ہے، محدثانہ طریقہ سے اس حدیث مین لحاظ کے قابل یہ بات ہے کہ حضرت عائشہؓ اس وقت تک آنحضرت صلعم کے عقد نکاح مین نہین آئی تھین بلکہ پیدا ہی نہین ہوئی تھین اس لئے یہ حدیث کسی اور سے سنی ہوگی، لیکن انھون نے راوی کا نام نہین بتایا اس قسم کی حدیث کو محدثین کی اصطلاح مین مرسل کہتے ہین، لیکن محدثین کا یہ مذہب ہے کہ صحابی جب کوئی حدیث بے سند بیان کرتا ہے تو وہ معتبر ہوتی ہے کیونکہ اس نے آخر کسی صحابی سے سنا ہوگا، اور صحابہ سب ثقہ ہین،

[3] عینی جلد اول صفحہ ۴۷، بہ حوالہ ابن اسحاق و تاریخ احمد بن حنبل،

وثیابک فطھر والرجز فاھجر — کپڑے پاک کر ڈال اور ناپاکی سے الگ ہو جا،

اس کے بعد وحی کا سلسلہ برابر جاری رہا، وحی کا نزول اکثر تو کسی خاص واقعہ اور ضرورت کے پیش آنے پر ہوتا تھا، اور کبھی یون بھی ہوتا تھا اکثر تین تین چار چار آیتین ایک ساتھ اترتی تھین کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ دس دس آیتین ایک ساتھ اترین[1] جب کوئی آیت اترتی تھی تو آپ کسی پڑھے لکھے صحابی کو بلوا کر وہ آیت لکھوا دیتے تھے[2]، اس زمانہ مین جن چیزون سے کاغذ کا کام لیا جاتا تھا حسب ذیل تھین:۔

عسیب، کھجور کی شاخ جس سے پتے کو الگ کر لیتے تھے،

لخف، پتھر کی پتلی تختیان،

کتف، اونٹ یا بکری کی چوڑی ہڈیان،

ادیم، چمڑا،

قتب، پالان کی لکڑی،

چنانچہ کاغذ کے علاوہ ان تمام چیزون پر قرآن مجید لکھا جاتا تھا،

قرآن مجید کی جمع و ترتیب کے متعلق جو روایتین منقول ہین، ان سے یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ تک قرآن مجید کی سورتون اور آیتون مین کوئی ترتیب نہ تھی، وجوہ ذیل سے اس شبہہ کی تائید ہوتی ہے،

۱۔ عموماً روایتون مین ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین جب قرآن جمع کیا جانے لگا تو کھجور کے تختون، ٹھیکرون، اور ہڈیون، پر قرآن کی جو آیتین لکھی ہوئی ملتی تھین، ان کو جمع کرتے تھے اور ان سے نقل لیتے تھے، اگر سورتین مرتب ہو چکی ہوتین تو اس ریزہ چینی کی کیا ضرورت تھی،

[1] اتقان نوع سادس عشر، [2] اتقان نوع ۱۰ بحوالہ ترمذی ونسائی وغیرہ،

ترمذی اور نسائی وغیرہ مین روایت ہو کہ عبد اللہ بن عباس رضؓ نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ آپ نے سورۂ براۃ کو انفال کے بعد کیون رکھا اور دونون مین بسم اللہ کے ذریعہ سے حد فاصل کیون نہین قایم کی؟ حضرت عثمانؓ نے کہا "سورۂ انفال مدینہ مین سب سے پہلے اتری تھی، اور سورۂ براۃ سب سے اخیر سورہ ہے. لیکن دونون کے واقعات ملتے جلتے ہین، اس لئے مین سمجھا کہ دونون ایک ہی سورہ ہین، لیکن چونکہ آنحضرت صلعم نے اس کے متعلق کوئی تصریح نہین فرمائی تھی، اس لئے مین نے دونون کو پاس پاس لکھا، اور بیچ مین بسم اللہ نہین لکھی"

اس روایت سے اس قدر قطعی ثابت ہے کہ سورۂ براۃ اور سورۂ انفال کا الگ الگ مستقل سورۂ ہونا مشتبہ اور مشکوک ہے،

ابو داؤد نے روایت کی ہے، کہ حارث بن خزیمہ نے دو آئتین پیش کین کہ مین نے اُن کو آنحضرت صلعم کی زبان سے سنا تھا حضرت عمرؓ نے تصدیق کی اور کہا کہ اگر تین آیتین ہوتین تو ایک مستقل سورہ ہو جاتی، اس لئے اب یہ کرنا چاہئے، کہ جو سورہ سب سے اخیر مین اتری ہو، اس کے آخر مین یہ آیتین شامل کر دی جائین[1]، اس روایت سے صاف ظاہر ہے، کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ تک سورتین مرتب نہین ہو چکی تھین،

چونکہ یہ ایک مہتم بالشان بحث ہے اس لئے ہم کسی قدر تفصیل سے اس کو لکھنا چاہتے ہین، واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی سورہ نازل ہونی شروع ہوتی تھی تو دو دو چار چار آیتین موقع بہ موقع اترتی تھین، آنحضرت صلعم ان آیتون کو اسی سورہ مین داخل کراتے جاتے تھے، جب ایک سورۂ ختم ہو جاتی، تو علیحدہ نام سے موسوم ہو جاتی تھی، اور دوسری سورہ شروع ہوتی تھی، کبھی ایک ساتھ دو سورتین نازل ہونی شروع ہوتین، اور آنحضرت صلعم دونون سورتون

[1] اتقان ذکر جمع و ترتیب قرآن،

کو الگ الگ لکھواتے جاتے، اس طرح سے آپ کے زمانہ ہی مین سورتین مدون ہو چکی تھین، لیکن باہم سورتون مین کوئی ترتیب نہ تھی، یہی کام تھا جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین انجام پایا، یہ امر کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ مین سورتین مرتب ہو چکی تھین اور ان کے نام قرار پا چکے تھے عموماً حدیثون سے ثابت ہے، حذیفہ کی حدیث مین ہے کہ آنحضرت صلعم نے نماز مین، البقرہ، آل عمران اور نساء پڑھی، صحیح بخاری مین ہے کہ آنحضرت صلعم نے مغرب کی نماز مین سورہ اعراف پڑھی اسی طرح اور حدیثون مین بہ تصریح آیا ہے، کہ فلان فلان سورتین آنحضرت صلعم نماز مین پڑھتے تھے،

یہ امر بھی قطعی ہے کہ قرآن مجید کا بڑا حصہ ایک مجموعہ کی شکل مین مدون ہو چکا تھا، حاکم نے مستدرک مین لکھا ہے، کہ قرآن مجید تین مرتبہ مدون کیا گیا، اور سب سے پہلی تدوین خود آنحضرت صلعم کے زمانہ مین ہوئی، حاکم نے زید بن ثابت سے ایک حدیث نقل کی ہے جسکی سند بخاری، اور مسلم کی شرط کے موافق ہے، اور جس کے الفاظ یہ ہین،

کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع، — یعنی ہم لوگ آنحضرت صلعم کے پاس قرآن مجید کو پرزون اور ٹکڑون سے لیکر جمع کرتے تھے[1]

یہی مجموعہ ہے جس کی نسبت قرآن مجید مین جا بجا صحیفہ، کتاب اور لوح کا لفظ آتا ہے،

رسول من اللہ یتلوا صحفا مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ — خدا کا پیغمبر جو پاک صحیفے پڑھتا ہے، جنمین معقول احکام ہین

وکتاب مسطور فی رق منشور[2] — اور قسم ہو اس کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ پر لکھی ہوئی ہو،

---

[1] اتقان، [2] رق چمڑے کو کہتے ہین، جس کو قدیم زمانہ مین کاغذ کے طور پر استعمال کرتے تھے، منشور کے معنی پھیلے ہوئے کے ہین، جس سے یہ مراد ہے کہ کتاب ملاطفہ کی صورت مین نہین لکھی گئی ہو، جو لپیٹ کر رکھی جاتی ہے، بلکہ کتاب کی صورت مین ہے، حیرت ہے کہ ان تصریحات کے ساتھ بھی اکثر مفسرون نے یہان کتاب سے لوح محفوظ یا نامہ اعمال مراد لیا ہے، لیکن کیا لوح محفوظ اور نامہ اعمال مین چمڑے کا کاغذ استعمال کیا گیا ہے، تاہم غنیمت ہو کہ بعض مفسرین نے صحیح معنی یہی لکھے ہین، تفسیر ابو السعود مین ہے، المراد بہ القرآن امام رازی نے بھی یہی معنی نقل کئے ہین،

انها تذکرۃ فمن شاء ذکرہ فی صحف مکرمۃ مرفوعۃ مطہرۃ بایدی سفرۃ کرام بررۃ ،

(سورہ عبس)

قرآن مجید نصیحت نامہ ہے، سو جس کا جی چاہے، اس کو پڑھے، وہ ایسے صحیفون مین لکھا ہوا ہے، جو محترم ہین، بلند پایہ ہین، پاک ہین اور ایسے کاتبون کے ہاتھ مین ہین جو بزرگ اور نیک کردار ہین.

خوش اعتقادون کا خیال ہے کہ صحیفہ سے لوح محفوظ اور سفرہ سے فرشتے مراد ہین یعنی قرآن مجید لوح محفوظ مین ہے، اور لوح محفوظ فرشتون کے ہاتھ مین ہے، لیکن یہ صحیح نہین، اس قدر تمام مفسرون کے نزدیک مسلم ہے، کہ سفرہ کے معنی کاتب یا سفیر کے ہین، یہ ظاہر ہے کہ لوح محفوظ فرشتون کا لکھا ہوا نہین ہے، بلکہ اس پر جو لکھا ہے خود دست قدرت نے لکھا ہے، اس لئے یہ تو مراد نہین ہو سکتا کہ لوح محفوظ ان فرشتون کے ہاتھ مین ہے جنھون نے اس کو لکھا ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ لوح محفوظ کے حامل جو فرشتے ہین ان کو لکھنا آتا ہے، لیکن کسی روایت مین کہین آسمانی فرشتون کے لکھنے کا ذکر نہین آیا ہے، نہ کسی چیز کے حامل ہونے کے لئے فن کتابت کی ضرورت ہے،

سفرۃ کے معنی اگر سفیر کے لئے جائین تو یہ ظاہر ہے کہ جو ملائکہ سفرائے وحی ہین (حضرت جبرئیل وغیرہ) لوح محفوظ ان کے ہاتھ مین نہین، نہ وہ لوح محفوظ کے حامل ہین، وہ انبیا کو زبانی وحی پہونچاتے ہین، لوح محفوظ کے اوراق لیکر نہین آتے،

غرض یہ ہے، اور صاف معنی یہی ہین، کہ قرآن مجید صحیفون مین لکھا ہوا ہے اور یہ صحیفے برگزیدہ اور پاک لوگون یعنی صحابہ کے ہاتھ مین ہین، تفسیر کبیر مین ہے :-

والسفرۃ الکرام البررۃ ہم اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، وقیل ہم القراء

سفرائے کرام آنحضرت صلعم کے صحابہ ہین، اور بعض لوگون نے کہا ہے، کہ حفاظ قرآن مراد ہین،

خوش اعتقادی کی وجہ سے اگرچہ عام لوگون کا ذہن، لوح محفوظ کی طرف جاتا ہے،
لیکن حقیقت یہ ہے کہ آیتون کے سباق وسیاق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحیفہ سے یہی قرآن مجید مراد ہے،
حافظ ابن حجر صحیح بخاری کی شرح مین لکھتے ہین (جلد ۹ صفحہ ۱۰)

وقد اعلم اللہ تعالیٰ فی القرآن بانہ مجموع فی الصحف فی قولہ یتلو صحفا مطہرۃ الآیۃ وکان القرآن مکتوبا فی الصحف لکن کانت مفرقۃ فجمعہا ابوبکر خدانے قرآن مجید مین بتادیا کہ قرآن صحیفون مین مجتمع ہے (یعنی اس آیت مین یتلو صحفا الخ) اور قرآن صحیفون مین لکھا ہوا موجود تھا لیکن یکجا نہ تھا حضرت ابوبکرؓ نے یکجا کر دیا)

خدانے جابجا قرآن مجید کے مدون اور محفوظ رہنے کو اہتمام کے ساتھ بیان کیا ہے،

انا انزلناہ بالحق وانا لہ لحافظون ،،	ہم نے قرآن کو برحق اتارا ہے، اور ہم اس کی حفاظت کرین گے
ان علینا جمعہ وقرآنہ"	ہم پر ہے قرآن کا جمع کرنا، اور اس کا پڑھکر سنانا،

یہ ظاہر ہے کہ جس چیز کی حفاظت اور تدوین کا ذکر ہے، وہ لوح محفوظ نہین بلکہ وہ قرآن ہے، جو آنحضرت صلعم کے حکم سے قید کتابت مین آیا تھا، اور کاغذ وغیرہ پر لکھا گیا تھا،

خدانے جب قرآن مجید کی حفاظت اور تدوین کا اہتمام سے ذکر کیا، تو حفاظت اور تدوین کے اسباب ظاہری بھی ذکر کئے، یعنی یہ کہ وہ محفوظ اوراق مین ہے، ہر کس وناکس اس کو چھونے نہین پاتا، جن لوگون کے ہاتھ مین ہے وہ معزز اور مقدس لوگ ہین،

انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون[1] لا یمسہ الا المطہرون (واقعہ)	وہ بزرگ قرآن ہے، محفوظ کتاب مین ہے، اس کو صرف پاک لوگ چھونے پاتے ہین،
فی صحف مکرمۃ مرفوعۃ مطہرۃ بایدی	وہ ایسے اوراق مین لکھا ہوا ہے جو بلند پایہ ہین، پاک ہین

[1] مکنون کے معنی تمام مفسرین نے محفوظ کے لکھے ہین،

مسفرۃ کرام بررۃ، نیکوکار بزرگ لوگون کے ہاتھ مین ہین،

آیاتِ مذکورۂ بالا سے ثابت ہوتا ہے، کہ

۱۔ قرآن مجید کے اجزا آنحضرت صلعم کے زمانہ مین قلم بند کئے گئے تھے،

۲۔ یہ اجزا چمڑے یا اور کسی قسم کے کاغذ پر لکھے گئے تھے،

۳۔ ان کی حفاظت کا خاص اہتمام تھا، اور بغیر طہارت کے لوگ ان کو ہاتھ نہین لگانے پاتے تھے،

باانہمہ یہ نہین ہوا کہ یہ اجزا اس طرح مرتب ہوگئے تھے کہ ایک آیت بھی چھوٹنے نہ پائی ہو، چونکہ وحی کا سلسلہ وفات تک جاری رہا، اور یہ اجزا ہر وقت ساتھ نہین رہتے تھے، اس لئے یہ بھی ہوا کہ بعض آیتین جو اترین وہ کسی پرچہ یا ہڈی وغیرہ پر لکھ لی گئین، اور اس مجموعہ مین نہ شامل ہوسکین، الگ کسی پرچہ یا ہڈی وغیرہ پر لکھی رہ گئین،

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانہ مین ایک ایک پرزہ اور ہڈی وغیرہ جو جمع کین استقصا اور احتیاط کی غرض سے کین، اس کا یہ مطلب نہین کہ قرآن مجید اس وقت تک صرف انھین پرزون پر تحریر تھا، حارث محاسبی لکھتے ہین:۔

کتابۃ القرآن لیست بمحدثۃ فانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامر بکتابتہ ولکنہ کان مفرقا فی الرقاع والاکتاف والعسب فانما امر الصدیق بنسخھا من مکان الی مکان مجتمعًا (اتقان)

قرآن مجید کی کتابت کچھ نئی بات نہ تھی خود آنحضرت صلعم نے قرآن کے قلم بند کرنے کا حکم دیا تھا، لیکن آنحضرت صلعم کے زمانہ مین مختلف چیزون یعنی کاغذ، شانہ کی ہڈی کھجور کے تختہ پر لکھا ہوا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے حکم دیا کہ سب ایک جا جمع کردیا جائے،

غرض آنحضرت صلعم کے زمانہ مین جس حد تک تدوین ہوچکی تھی اسیقدر تھی، حضرت ابوبکرؓ نے

اپنے زمانہ خلافت مین حضرت عمرؓ کی تحریک سے قرآن کے تمام اجزا اکیجا لکھوائے، جس کی تفصیلی کیفیت حسب ذیل ہے:۔

سلہ نبوت مین جو حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کا پہلا سال تھا حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ یمامہ کی لڑائی مین اکثر حفاظ قرآن شہید ہوئے، اگر اور لڑائیون مین اسی طرح حفاظ شہید ہوئے تو قرآن کا بہت سا[1] حصہ جاتا رہے گا حضرت ابو بکرؓ نے کہا مین وہ کام کیونکر کرون جو رسول اللہ صلعم نے نہین کیا، حضرت عمرؓ نے کہا لیکن یہ اچھا کام ہے، غرض حضرت عمرؓ کے بار بار کہنے سے حضرت ابو بکرؓ کے ذہن مین بھی اس کی مصلحت آگئی، انھون نے زید بن ثابتؓ کو جو کاتب وحی تھے، بلاکر اس کام پر مامور کیا، انھون نے بھی پہلے عذر کیا، لیکن بالآخر وہ بھی متفق ہوئے اور جہان جہان قرآن مجید کسی چیز پر لکھا ملتا تھا، سب کو یکجا کرنا شروع کیا،

اختلافِ مصاحف اور قرأت

حضرت عثمانؓ نے جس طرح قرآن مجید کو ترتیب دیا بعض صحابہ نے اس کے خلاف ترتیب دی تھی، اور وہ اپنی اسی ترتیب پر قایم رہے، یہان تک کہ جب حضرت عثمانؓ کا حکم پہونچا کہ ان کی ترتیب کے خلاف جو نسخے پائے جائین ضایع کردیئے جائین، تو ان لوگون نے اس حکم کی اطاعت نہین کی، اور بڑے استقلال سے ان کے حکم کو رد کیا، ان مصاحف کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

مصحف عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اُن چار صحابہ مین ہین جن کی نسبت

[1] بخاری کی روایت مین یہی لفظ ہے، لیکن یہ امر تمام محدثین اور مورخین کے نزدیک مسلم ہے، کہ قرآن مجید کل کا کل قلم بند ہو چکا تھا بعض روایتین اس کے خلاف ہین، تو ان مین صرف دو آیتون کا ذکر ہے، کہ وہ لکھنے سے رہ گئی تھین، اور بعض صحابہ کو زبانی یاد تھین، اس لئے اگر تمام حفاظ قرآن شہید ہوجاتے تب بھی اس کی کوئی وجہ نہ تھی، کہ قرآن مجید کا بڑا حصہ ضایع ہوجاتا۔

آنحضرت صلعم نے حکم دیا تھا کہ لوگ ان سے قرآن مجید سیکھین، انھون نے اپنے اجتہاد کے موافق سورتون کی ترتیب کی تھی، جو حضرت عثمان رض کی ترتیب کے مخالف تھی، فتح الباری شرح بخاری مین ہے:-

وان فیه دلالة علی ان تالیف مصحف ابن مسعود علی غیر تالیف العثمانی (جلد ۹ صفحہ ۳۰)

نسائی اور ابوداؤد مین روایت ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رض نے منبر پر چڑھ کر کہا "تم لوگ مجھکو یہ کیونکر حکم دیتے ہو کہ مین زید بن ثابت رض کی قرأت کے موافق قرآن پڑھون، مین نے تو خود آنحضرت صلعم کی زبان سے سیکھا ہے،

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے، کہ اس کی ترتیب بھی ترتیب نزول کے موافق نہ تھی[1]، ابن الندیم نے اس کی ترتیب حسب ذیل بیان کی ہے:-

بقرہ، نساء، آل عمران، المص، انعام، مائدہ، یونس، براۃ، نحل، ہود، یوسف، بنی اسرائیل انبیاء، مومنون، شعراء، صافات، احزاب، قصص، نور، انفال، مریم، عنکبوت، روم، الخ، (کتاب الفہرست مین اخیر تک کی تمام سورتین لکھدی ہین)

ابن الندیم نے لکھا ہے کہ مین نے ابن مسعود کے متعدد قرآن دیکھے لیکن ان مین دو بھی باہم متفق نہ تھے[2]،

مصحف علی، یہ مصحف حضرت علی نے ترتیب دیا تھا اور اسمین نزول کی ترتیب ملحوظ رکھی تھی یعنی جو آیتین اور سورتین جس ترتیب سے اتری تھین وہی ترتیب قائم رکھی تھی، حافظ ابن حجر فتح الباری مین لکھتے ہین،

ویقال ان مصحف علی کان علی ترتیب النزول اوله اقرء ثم المدثر ثم ن والقلم ثم المزمل ثم تبت ثم التکویر ثم سبح وهکذا الی آخر المکی ثم المدنی (جلد ۹ صفحہ ۳۰)

ابن الندیم کتاب الفہرست مین لکھتے ہین کہ مین نے ابو یعلی حمزۃ الحسنی کے پاس ایک

---

[1] فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۳۰، [2] کتاب الفہرست صفحہ ۲۶،

قرآن دیکھا تھا، جو ان کے خاندان مین متوارث چلا آتا تھا، اور حضرت علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا،[1]

ابن الندیم کا زمانہ چوتھی صدی ہے، اس لئے اس زمانہ تک اس نسخہ کا موجود ہونا ثابت ہے،

مصحف ابی بن کعب، اس مصحف کا ذکر بھی حافظ ابن حجر اور سیوطی نے جا بجا کیا ہے،

ابن الندیم نے کتاب الفہرست مین لکھا ہے کہ "بصرہ سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر ایک گاؤن تھا جس کو قریۃ الانصار کہتے تھے ابی بن کعب نے یہین بیٹھکر قرآن کی ترتیب کی تھی،" اس کے بعد ابن الندیم نے تمام سورتون کا نام ان کی ترتیب کے موافق لکھا ہے، اور لکھا ہے کہ ان کے قرآن مین کل آیتین ۶۲۱۰ ہین،

مصحف عایشہ صحیح بخاری باب تالیف القرآن مین ہے کہ عراق سے ایک شخص حضرت عایشہؓ کے پاس آیا، اور کہا کہ ام المومنین! آپ اپنا قرآن لائیے تو مین اپنا نسخہ درست کر لون، کیونکہ لوگ قرآن کو بے ترتیب پڑھتے ہین، حضرت عایشہؓ نے کہا کسی سورۃ کے پہلے پیچھے پڑھنے مین کیا حرج ہے، (یعنی سورتون مین کوئی خاص ترتیب ضروری نہین،)

اس کے بعد حضرت عایشہؓ نے اپنا نسخہ نکالا اور عراقی نے اس کے موافق آیتین درست کولین (صحیح بخاری) ممکن ہے یہ وہی قرآن ہو جو حضرت ابوبکرؓ نے مرتب کرایا تھا،

مصاحف کے اس اختلاف اور بعض غیر مستند روایتون سے جو بڑی بڑی کتابون مین مذکور ہین، لوگون کو یہ شبہہ ہوا ہے کہ قرآن مجید بھی توریت اور انجیل کی طرح بہت کچھ ادل بدل گیا ہے، ان شبہہ کرنے والون کے دلائل یہ ہین،۔

۱۔ حضرت ابوبکرؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، ابیؓ وغیرہ کے مصاحف مین جو اختلاف تھا وہ صرف ترتیب سور کی بنا پر نہین ہو سکتا تھا، سورتون کی ترتیب کوئی امر اہم نہ تھا، جس کی بنا پر عبد اللہ بن مسعودؓ

[1] کتاب الفہرست ص ۲۸،

اس قدر جان بازی پر آمادہ ہو جاتے، ۔

۲۔ تمام اہلِ روایت متفقاً لکھتے ہین کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے قرآن مین دو سورتین (معوذتین) نہ تھین،

حافظ ابن حجر شرح بخاری مین لکھتے ہین،

قد صحّ عن ابن مسعود انکار ذلك فاخرج احمد و ابن حبّان عنه انه کان لا یکتب المعوذتین فی مصحفه،

(احمد بزار، طبرانی وغیرہ محدثین نے بسند صحیح روایت کی ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ جس قرآن مین یہ دونون سورتین پاتے تھے مٹا دیتے تھے[1])

۳۔ طبری اور بیہقی نے بعض ایسی سورتین روایت کی ہین جو موجودہ قرآن مین مطلق نہین ہین، مثلاً:۔ اللھم انا نستعینك و نستغفرك و نثنی علیك ولا نکفرك ونخلع و نترك من یفجرك اللھم ایاك نعبد ولك نصلی و نسجد والیك نسعی و نحفد نرجو رحمتك و نخشی نقمتك ان عذابك بالکافرین ملحق[2]

۴۔ شیعہ جو مسلمانون مین ایک گروہ اعظم ہے، اس بات کا قائل ہے کہ قرآن مین بہت کچھ حذف و اسقاط ہوا ہے،

۵۔ قرأتون کے اختلافات جو منقول ہین، ان مین ایسے اختلافات ہین جو معمولی اختلاف نہین بلکہ لفظ کے لفظ اور بعض جگہ جملے کے جملے بدل گئے ہین،

ان واقعات نے عیسائیون کو موقع دیا ہے، کہ وہ تحریف انجیل کی ندامت اس الزامی

[1] اتقان معرفۃ متواتر و مشہور الخ،

[2] اتقان معرفۃ متواتر و مشہور صفحہ ۶ مطبوعہ مصر مطبع میمینہ ۱۳۱۷ھ،

جواب ۔ سٹائین،

سب سے پہلے ہم کو شیعون کے الزام کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، حقیقت یہ ہے کہ شیعون کی حالت اور ان کی روایت قرآن مجید کے محفوظ رہنے کی سب سے بڑی دلیل ہے، شیعہ وہ فرقہ ہے جو خلفائے ثلثہ کو سرے سے (نعوذ باللہ) کافر سمجھتا ہے، اور ان لوگون کے ہاتھ سے جو کام انجام پایا ہو، اس پر کبھی اعتبار نہین کر سکتا، یہ مسلم ہے کہ جامع قرآن حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ اور اس کو بزور حکومت شایع کرنے والے حضرت عثمانؓ تھے، یہ بھی مسلم ہے کہ حضرت علیؓ نے قرآن مجید مرتب کیا تھا، جس کی ترتیب بالکل مختلف تھی، خود سنیون مین سے طبرانی اور بیہقی وغیرہ محدثین نے یہ روایتین نقل کین (جیسا کہ ابھی اوپر نقل ہو چکین) کہ بعض سورتین قرآن مجید سے نکل گیئن اور بعض سورتون کی بہت سی آیتین جاتی رہین، باینہمہ شیعون نے کیا کہا؟ علامہ طبرسی جو مشہور اور مستند شیعی مفسر ہین، تفسیر مجمع البیان مین لکھتے ہین :-

ومن ذلك الكلام في زيادة القرآن ونقصانه فانه لا يليق بالتفسير فاما الزيادة فمجمع على بطلانه واما النقصان منه فقد روى جماعة من اصحابنا وقوم من حشوية العامة ان في القرآن تغيرا ونقصانا والصحيح من مذهب اصحابنا خلافه وهو الذي نصره المرتضى قدس الله روحه و استوفى الكلام فيه غاية الاستيفاء في جواب المسائل الطبرسيات وذكر في مواضع

انھین مین سے ایک بحث یہ ہے کہ قرآن مجید مین حذف یا اضافہ ہوا ہے، یا نہین؟ یہ بحث فن تفسیر سے متعلق نہین یہ امر کہ قرآن مین کچھ اضافہ ہو گیا ہے، سب کے نزدیک باطل ہے، باقی نقصان تو ہمارے فرقہ مین سے ایک گروہ نے اور سنیون مین حشویہ[1] نے روایت کی ہے کہ قرآن مین تغیر اور نقصان ہو گیا ہے، لیکن ہمارے فرقہ کا صحیح مذہب اس کے خلاف ہے، اور سید مرتضی نے اسی کی تائید کی ہے، اور مسائل طبرسیات کے جواب مین اس پر

[1] حشویہ سے یہ لوگ کم درجہ کے محدثین کو مراد لیتے ہین،

ان العلم بصحة نقل القرآن كالعلم بالبلدان
والحوادث الكبار والوقائع العظام و
الكتب المشهورة واشعار العرب المسطورة
فان العناية اشتدت والدواعي
توفرت على نقله وحراسته وبلغت الى حد
لم يبلغه فيما ذكرناه لان القرآن معجزة النبوة
وماخذ العلوم الشرعية والاحكام الدينية
وعلماء المسلمين قد بلغوا في حفظه وحمايته
الغاية حتى عرفوا كل شئ اختلف فيه من اعرابه
وقراءته وحروفه واياته فكيف يجوز ان
يكون مغيراً او منقوصاً مع العناية الصادقة
والضبط الشديد × × × وقال ايضاً
ان القرآن كان على عهد رسول الله مجموعاً
مؤلفاً على ما هو عليه الآن واستدل على
ذلك بان القرآن كان يدرس ويحفظ جميعه
في ذلك الزمان حتى عين على جماعة من
الصحابة في حفظهم له وانه كان يعرض
على النبي ويتلى عليه وان جماعة من الصحابة
مثل عبد الله بن مسعود وابي بن كعب وغيرهما

نہایت مفصل بحث کی ہے، سید مرتضی نے متعدد موقعون
پر لکھا ہے، کہ قرآن کے صحت کا علم ایسا ہی ہے جیسا شہرون
کا علم اور بڑے بڑے واقعات اور مشہور کتابون اور
عرب کے مدون اشعار کا علم، کیونکہ قرآن کی نقل
اور حفاظت کے اسباب نہایت کثرت سے تھے اور
اس حد تک پہونچے تھے کہ اور کسی چیز کے لئے نہین گئے
اس لئے کہ قرآن نبوت کا معجزہ اور علوم شرعیہ اور احکام دینیہ
کا ماخذ ہے، اور علمائے اسلام نے اس کی حفاظت اور
حمایت مین انتہا درجہ کی کوشش کی یہان تک کہ قرآن
کے اعراب، قرأت، حروف آیات کے اختلافات تک
انھون نے محفوظ رکھے، اس لئے کیونکر قیاس ہوسکتا
ہے کہ اس احتیاط شدید کے ہوتے اسمین نقصان یا تغیر آگیا ہے
سید مرتضی نے یہ بھی کہا ہے کہ قرآن مجید آنحضرت صلعم
کے زمانہ مین ایسا ہی مکتوب اور مرتب تھا جیسا اب ہے اور اسکی
دلیل یہ ہے کہ قرآن اس زمانہ مین پڑھا جاتا تھا اور لوگ
اس کو حفظ کرتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو سناتے تھے، اور متعدد صحابہ مثلاً عبد اللہ ابن
مسعودؓ، اور ابی بن کعبؓ، وغیرہ نے قرآن کو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چند بار ختم کیا تھا

سید مرتضی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو امامیہ یا حشویہ اس کے مخالف ہین انکی مخالفت قابلِ اعتبار نہین کیونکہ اس مین جن لوگون نے خلاف کیا ہے وہ اہل حدیث مین سے ایک گروہ ہے، اور انھون نے ضعیف روائتین نقل کی ہین،

ختم القرآن علی النبی عدة ختمات وکل ذلک یدل بادنی تامل علی انه کان مجموعاً [illegible] مرتباً غیر مبتور، ولا مبثوث وذکران من خالف فی ذلک من الامامیة والحشویة لا یعتد بخلافهم فان الخلاف فی ذلک مضاف الی قوم من [1]

طبرانی اور بیہقی وغیرہ نے جو روایتین نقل کی ہین، جنمین دعاے قنوت کو قرآن کی سورتون مین داخل کیا ہے سرتاپا خرافات اور لغو ہین، حیرت ہے کہ ایسے معزز محدثین، اس قسم کی جھوٹی حدیثین کیونکر اپنی کتابون مین نقل کرتے تھے، اور جلال الدین سیوطی تو حاطب اللیل ہین ہی، ان کو کسی قسم کی روایت سے کیا دریغ ہے،

طبرانی کی روایت مین ۵ راوی ہین، عباد بن یعقوب الاسدی، یحیی ابن یعلی اسلمی، ابن لھیعہ، ابو ہبیرہ، عبد اللہ بن زریر الغافقی، ان کی کیفیت یہ ہے کہ عباد بن یعقوب گو رواة بخاری مین ہین لیکن جیساکہ میزان الاعتدال ذہبی مین ہے "غالی شیعہ، اور رؤس بدعت" سے ہین، اور یہ اصول حدیث مین طے ہو چکا ہے، کہ بدمذہب شخص جب کوئی ایسی روایت کرے جس سے اس کے مذہب کو تقویت پہونچتی ہو، تو نامعتبر ہوگی، یہ ظاہر ہے کہ اس روایت سے ان غالی شیعون کے دعوی کی تائید ہوتی ہے، جو قرآن مین حذف و اضافہ کے قائل ہین، یحیی بن اسلمی مضطرب الحدیث ہین، اور حاتم نے ان کو ضعیف کہا ہے[2]، ابن لھیعہ بھی ضعیف الحدیث ہین،

بیہقی کی روایت مین عبد الملک بن جریح ہین، ان کو ذہبی نے اگرچہ نامور ثقات مین لکھا ہے، لیکن ساتھ ہی لکھا ہے کہ مدلس تھے، اور مدلس کی روایت عنعنہ کے ذریعہ سے ناقابل اعتبار

[1] تفسیر مجمع البیان طبع ایران جلد اول صفحہ ۵ [2] میزان الاعتدال،

ہوتی ہے، ذہبی کی تصریح سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ یہ حضرت بھی شیعہ تھے، کیونکہ آپ نے ۹۰ عورتون سے متعہ کیا تھا، امام احمد حنبل کہتے ہین، کہ ابن جریح نے جو مرسل روایتین کی ہین ان مین بعض محض جعلی ہین، بیہقی کے دوسرے راوی عبید بن عمیر ہین، اور ان کو میزان الاعتدال مین مجہول لکھا ہے، اسی طرح مستدرک وغیرہ کی یہ روایتین کہ سورہ براءہ پہلے سورہ بقر کی برابر تھی، سب جھوٹ اور افترا ہین، مستدرک کے مصنف نیم شیعہ تھے، اس لئے اس قسم کی روایتون مین ان کو مزہ آتا ہوگا، علامہ ذہبی ان کی نسبت میزان الاعتدال مین لکھتے ہین، "یصحح فی مستدرکہ احادیث ساقطۃ ویکثر من ذلک ثم ھو شیعی مشھور" یعنی وہ اکثر ساقط الاعتبار حدیثین نقل کرتے ہین، اور مشہور شیعی ہین،

عبداللہ بن مسعودؓ کا معوذتین سے انکار کرنا، اگرچہ شہرت پکڑ گیا ہے، اور حافظ ابن حجر کو روایت پرستی کی بنا پر اس کی صحت پر اصرار ہے، لیکن اور تمام محققین اس کو افترائے محض سمجھتے ہین، امام نووی نے شرح مہذب مین لکھا ہے کہ "عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف، اس قول کی نسبت صحیح نہین، علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت یہ اتہام ہے، چنانچہ یہ تمام اقوال سیوطی نے اتقان بحث متواتر و مشہور مین نقل کئے ہین، لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ سورتین انکے نزدیک داخل قرآن نہ تھین تو اس سے قرآن مجید کے تواتر اور قطعیت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ اس سے صرف اس قدر نتیجہ نکل سکتا ہے، کہ انھون نے یہ سورتین آنحضرت صلعم سے نہین سنی تھین، اور اپنے سماع کے سوا وہ اورون کے سماع کو قطعی نہین سمجھتے تھے، ان کو تو بڑی شکایت یہ بھی تھی، کہ ان کے ہوتے قرآن مجید زید بن ثابتؓ سے کیون لکھوایا گیا، چنانچہ صحیح ترمذی مین روایت ہے کہ مسلمانو! مین تو قرآن کی کتابت سے معزول کیا گیا، اور وہ شخص (زید بن ثابتؓ) مقرر کیا گیا، کہ جب مین اسلام لایا تو وہ ایک کافر کے صلب مین تھا، ابن ابی داؤد مین ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ

کہتے تھے کہ "مین نے آنحضرت صلعم کی زبان سے ستر سورتین سیکھین، اور زید بن ثابت بچے تھے" لیکن جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابتؓ کو کاتبِ وحی مقرر فرمایا تھا تو کسی کو ان کی قابلیت کے انکار کا کیا حق ہے،

اس تمام بحث مین یہ مسئلہ البتہ مہتم بالشان ہے کہ اختلافِ قرأۃ کیا چیز ہے،؟ اور ان مین جو اختلافات ہین وہ کس حد تک ہین، اور ان کا اثر کہان تک پہونچتا ہے،

عرب کے مختلف قبائل مین الفاظ مخارجِ حروف، اعراب، اوزان مین اختلاف تھا، مثلاً ایک قبیلہ حتّی کو عتّی کہتا تھا کوئی علامت مضارع کو فتحہ کی بجائے کسرہ سے پڑھتا تھا، کسی قبیلہ مین مالک کو ملک کہتے تھے، اس طرح کے کثرت سے اختلافات تھے، اور چونکہ ہر قبیلہ اپنے لب ولہجہ پر مجبور تھا اس لئے وہ اپنی ہی زبان کے موافق الفاظ ادا کر سکتے تھے، اسی بنا پر آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ نزل القران علی سبعۃ احرف یعنی قرآن سات حرفون پر اترا ہے، محدثین نے تصریح کی ہے کہ سات سے عدد مخصوص مراد نہین، بلکہ کثرت مراد ہے، یہ اختلافات قرأت جس نوع کے تھے ان کا اندازہ تفصیل ذیل سے ہو گا،

چند اختلافات متعلق سورۂ فرقان

قرأت مشہور	قرأت غیر مشہور
نزّل الفرقان	انزل الفرقان
علی عبدہٖ	علی عبیدہٖ
تکون لہ جنۃ	یکون لہ جنۃ
ضَیِّقاً	ضَیْقاً
مقرّنین	مقرنون

قرأت مشہور	قرأت غیر مشہور
ما یعبدون من دون اللہ	ما یعبدون من دوننا
سراجا	سرجا
قرۃ اعین	قرات اعین
سُجّدا	سجودا
لما تامرنا	لما تامرنا بہ
یجزون الغرفۃ	یجزون الجنۃ
فقد کذبتم	فقد کذب الکافرون

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (جلد ۹ صفحہ ۳۰) مین اس قسم کے تمام اختلافات کا استقصا کیا ہے، ان مین سے زیادہ تر بلکہ قریب کل صرف اعراب یا اختلاف لغۃ کا فرق ہے، شاذونادر مترادف الفاظ کا اختلاف ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ ان اختلافات سے اصل معنی پر کیا اثر پڑ سکتا ہے، عرب مین سینکڑون قبیلے تھے، اور ان کا لب ولہجہ مختلف تھا، صحابہ نے قرآن زبانی سیکھا تھا، لکھے ہوئے اجزا بہت کم تھے، عجم کے اختلاط سے لب ولہجہ مین اور تغیر ہوا، ان سب حالات کے ساتھ اس قدر اختلاف کا ہونا ضروری تھا، اور شارع نے خود اس مین مسامحت کی، لیکن اس سے اس دعوی کا زور مطلق نہین گھٹ سکتا، کہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف محفوظ ہے، اور آج تک دنیا مین کوئی کتاب اس طرح محفوظ اور غیر محرف نہین رہی، اعلان عام کیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآن مجید کا کوئی ٹکڑا ہو، لیکر آئے، اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا، اس پر اورون کی بھی شہادت لیجاتی کہ انھون نے آنحضرت صلعم کے زمانہ مین ان کو قلمبند دیکھا تھا[1] ایسے صحابہ

[1] ابوداؤد،

جن کو قرآن مجید کے اکثر حصے زبانی یاد تھے، نہایت کثرت سے تھے، وہ زبانی قرآن مجید کی آیتین سنائے تھے، لیکن وہ اسی وقت قلمبند کی جاتی تھین جب وہ ان کے پاس یا کسی اور صحابی کے پاس قلم بند بھی ملتی تھین، اتقان مین حافظ ابو شامہ کا قول نقل کیا ہے، کہ

وکان غرضھم ان لا یکتب الا من عین ما کتب بین یدی النبی لا من مجرد الحفظ

ان کا مقصد یہ تھا کہ قرآن صرف حفظ کی بنا پر نہ لکھا جائے، بلکہ اس کی نقل کی جائے، جو آنحضرت صلعم کے سامنے قلم بند ہوا تھا،

غرض ایک ایک پرزہ ایک ایک ٹھیکری تک جس پر قرآن کی ایک آیت بھی لکھی گئی تھی جمع کئے گئے اور سب کو سامنے رکھکر حافظون کی مدد سے حضرت عمرؓ اور زید بن ثابتؓ نے قرآن مجید کا ایک مکمل نسخہ طیار کیا، زید بن ثابتؓ کہتے ہین کہ صرف سورۂ توبہ کی دو آیتین ایسی ملین جو خزیمہ بن ثابت کے سوا اور کسی کے پاس نہ تھین،

یہ بیان کسی قدر تشریح طلب ہے کہ "زید بن ثابت کہتے ہین کہ صرف سورہ توبہ کی دو آیتین ایسی ملین جو خزیمہ بن ثابت کے سوا اور کسی کے پاس نہ تھین"، واقعہ یہ ہے کہ ان دونون آیتون کے جزوِ قرآن ہونے مین کسی کو کلام نہ تھا، بات صرف اتنی تھی کہ اس وقت کی تفتیش مین یہ آیتین ابوخزیمہ کے علاوہ اور کسی کے قرآن مین لکھی ہوئی نہین ملین، ورنہ خود زید بن ثابت و ابوخزیمہ و حضرت عمر (رضی اللہ عنہم) کو یہ آیتین یاد تھین، اور ان کے آیت قرآنی ہونے پر سب کو اتفاق تھا،[1]

یہ نسخہ جو تیار ہوا حضرت ابوبکرؓ کے خزانہ مین رہا، ان کے بعد حضرت عمرؓ کے قبضہ مین آیا، حضرت عمرؓ کے بعد ان کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے پاس آیا، مروان بن حکم جب مدینہ منورہ کا حاکم مقرر ہو کر

[1] فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۳،

آیا، تو اُس نے حضرت حفصہ رض سے یہ نسخہ مانگ بھیجا، انھون نے انکار کیا، ان کے مرنے کے بعد مروان نے عبد اللہ بن عمر رض سے بہ جبر منگوا کر اسکو چاک کرڈالا، چنانچہ فتح الباری (جلد ۹ صفحہ ۱۱) مین بہ سند صحیح یہ واقعہ نقل کیا ہے، بنو امیہ کے جو احسانات اسلام پر ہین، ان مین ایک یہ بھی احسان عظیم ہے،

حضرت عمر رض نے اپنے زمانۂ خلافت مین قرآن مجید کے حفظ و اشاعت کا نہایت اہتمام کیا، تمام ممالک مفتوحہ مین قرآن مجید کا درس جاری کیا، اور معلمون اور قاریون کی تنخواہین مقرر کین[1]، خانہ بدوش بدویون مین قرآن کی جبری تعلیم جاری کی، پھر ایک شخص کو جس کا نام ابو سفیان تھا چند آدمیون کے ساتھ مامور کیا، کہ قبائل مین پھر کر ایک ایک شخص کا امتحان لے، اور جس کو قرآن مجید کی کوئی آیت یاد نہ ہو، اس کو سزا دے[2]، صحابہ مین سے پانچ بزرگ تھے جو مشہور حفاظ قرآن تھے، معاذ بن جبل رض، عبادہ بن صامت رض، ابی بن کعب رض، ابو ایوب رض، ابو الدرداء رض، حضرت عمر رض نے ان سب کو بلا کر کہا کہ شام کے مسلمانون کو جا کر قرآن کی تعلیم دیجئے، ابو ایوب رض اور ابی بن کعب رض نے بیماری اور ضعف کی وجہ سے معذوری ظاہر کی، باقی تین صاحبون نے خوشی سے منظور کیا، یہ لوگ پہلے حمص گئے، وہان تعلیم جاری ہوگئی تو عبادہ نے وہین قیام کیا، اور ابو درداء دمشق کو اور معاذ بن جبل رض بیت المقدس کو روانہ ہوئے[3]، علامہ ذہبی نے طبقات القراء مین لکھا ہے کہ ابو درداء رض کی تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ نماز صبح کے بعد جامع مسجد مین بیٹھ جاتے تھے، قرآن پڑھنے والے کثرت سے جمع ہوتے تھے، دس دس آدمیون کی ٹکڑیان کردی جاتی تھین، اور ہر ٹکڑی پر ایک قاری مقرر کیا جاتا تھا، جو شخص پورے قرآن کا حافظ ہو جاتا تھا ابو درداء رض اس کو اپنا شاگرد خاص بناتے تھے، ایک دن شمار کرایا تو معلوم ہوا کہ سولہ سو طالب العلم اس وقت حلقۂ درس مین حاضر ہین،

حضرت عمر رض نے اشاعت قرآن کے لئے اور بہت سی تدبیرین اختیار کین عمال کو لکھ بھیجا

---

[1] سیرۃ العمرین لابن جوزی [2] آغانی جزو ۱۶ صفحہ ۵۸، اصابہ مین بھی یہ واقعہ منقول ہے [3] یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد مین ہے، کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۸۱ مین ابن سعد کی یہ روایت مذکور ہے،

The J & K University Library
Acc. No. 19075

کہ جو لوگ قرآن سیکھین، ان کی تنخواہین مقرر کردی جائین[1]، ناظرہ خوانون کا تو شمار نہ تھا حفاظ کی تعداد بھی ہزارون سے متجاوز ہو گئی، حضرت عمرؓ نے جب فوجی افسرون کو خط لکھا کہ حفاظِ قرآن کو میرے پاس بھیجدو کہ مین اُن کو تعلیم قرآن کے لئے جا بجا بھیجون تو سعد وقاصؓ نے جواب مین لکھا کہ صرف میری فوج مین تین سو حافظ موجود ہین[2]،

بااینہمہ چونکہ قرآن کے نسخے بہت نہین شایع کئے گئے تھے، ادھر اسلام روز بروز دور دراز ممالک مین پھیلتا جاتا تھا، اور نئی نئی قومین اسلام مین داخل ہوتی جاتی تھین، اس لئے الفاظ کے اعراب تلفظ، وجوہ قرات مین اختلاف ہوتا گیا، اور یہ اختلاف برابر بڑھتا گیا، یہان تک کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین لوگون نے ان سے آکر شکایت کی، کہ قرآن کی خبر لیجئے، ورنہ اس کی حالت بھی توریت اور انجیل کی حالت ہو جائے گی حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ کا مرتب شدہ قرآن حضرت حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی صاحبزادی) کے پاس تھا، حضرت عثمانؓ نے ان کے ہان سے منگوا بھیجا، اور زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن العاصؓ، عبدالرحمن بن حارثؓ سے چار نسخے نقل کرائے، اور مختلف صوبون مین بھیجے[3]، یہ کام ۳۰ھ مین انجام پذیر ہوا، ابن ابی داؤد کی روایت ہے کہ ۱۲ شخص کتابت کے کام پر مقرر کئے گئے تھے،

یہ عجیب بات ہے، کہ حضرت عثمانؓ کا نام جامع القرآن مشہور ہو گیا ہے، حالانکہ ان کو قرآن مجید کے جمع و ترتیب مین کوئی دخل نہین، انھون نے جو کچھ کیا وہ صرف یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کے نسخہ کی چند نقلین کرائین اور مختلف صوبون مین بھیجدین، کہ ان کے موافق قرآن پڑھا جائے، اتنا البتہ کیا کہ اس وقت تک قرآن مجید مختلف قراتون مین پڑھا جاتا تھا، (اس کی تفصیل آگے آئے گی) حضرت عثمانؓ نے قراۃ مشہورہ کے موافق قرآن لکھوا کر باقی قراتون کے موافق

[1] کنز العمال [2] ایضاً جلد اول صفحہ ۱۱، [3] بعض حدیث کی کتابون مین ہو کہ سات نسخے نقل کرائے تھے،

جہان کہین جو اجزا ملے وہ چاک کر دیئے، یا جلا ڈالے،

حضرت عثمانؓ کے نسبت یہ روایت مشہور تو ہے کہ قرآن کے متفرق و مختلف اجزا ان کے حکم سے جلا دیئے گئے، روایت کے الفاظ مین "یحرق" (حائے حطی) سے بیان کیا جاتا ہے مگر حافظ ابن حجر عسقلانی بڑے وثوق اور تصریح کے ساتھ لکھتے ہین، کہ "فی روایۃ الاکثر" "ان یخرق" بالخاء المعجمۃ وھو اثبت (یعنی اکثر روایتون مین "یحرق" کی جگہ جس سے جلانے کا ثبوت دیا جاتا ہے "یخرق" خائے نخذسے وارد ہے، جس کے معنی یہ ہین کہ حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ قرآن کے غیر مرتب نسخے خرقہ کی طرح لپیٹ کر رکھدیئے جائین، یعنی اب ان سے کام نہ لیا جائے (ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۶)

اسکے ساتھ یہ بھی کیا کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین سورتون مین باہم کوئی ترتیب نہ تھی، بلکہ بلا خیال تقدیم و تاخیر تمام سورتین الگ الگ لکھوا کر یکجا رکھوا دی گئی تھین حضرت عثمانؓ نے سورتون کے مطول و مختصر ہونے کی بنا پر ترتیب دیدی کہ وہی آج موجود ہے، اتقان مین ہے،

قال الحارث المحاسبی المشہور عند الناس ان جامع القرآن عثمان ولیس کذلک، انما حمل عثمان الناس علی القرأۃ بوجہ واحد	حارث محاسبی کہتے ہین کہ لوگون مین مشہور ہے کہ حضرت عثمانؓ جامع قرآن ہین لیکن ایسا نہین ہے، حضرت عثمانؓ نے صرف یہ کیا کہ لوگون کو ایک خاص قرأۃ پر مجبور کیا،

عینی شرح بخاری مین ہے، (جلد ۹ ص ۳۰۶)

ان الصحف ھی الاوراق المحررۃ التی جمع فیہا القرآن فی عہد ابی بکرؓ وکانت سورا مفرقۃ کل سورۃ مرتبۃ بآیاتہا علی حدۃ لکن لم یرتب بعضہا اثر بعض فلما نسخت ورتب بعضہا	صحیفہ ان اوراق کا نام ہے، جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین لکھے گئے تھے، یہ متفرق سورتین تھین جن کی آیتین مرتب تھین لیکن خود سورتون مین باہم کوئی ترتیب نہ تھی، پھر جب ان کی نقل لی گئی، اور سورتین آگے پیچھے رکھی گئین تو اس کا نام مصحف

اثر بعض صحابت مصحفا ولم یکن مصحفا الا فی عہد عثمانؓ ہو ا اور یہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین ہوا،

حضرت عثمانؓ نے جو مصاحف نقل کرا کے، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بصرۃ کوفہ، دمشق مین بھجوائے تھے، مدت تک موجود تھے، چنانچہ ان کی تفصیل جیسا کہ مقری نے نفح الطیب مین لکھی ہے (جلد اول صفحہ ۲۸۳ مطبوعۂ مصر) حسب ذیل ہے:۔

دمشق، اس مصحف کو ابو القاسم سبتی نے ۶۵۷ھ مین جامع دمشق کی مقصورہ مین دیکھا، عبد الملک کا بیان ہے کہ مین نے اس کو ۷۳۵ھ مین دیکھا، یہ مصحف میرے سفر قسطنطنیہ کے زمانہ تک دمشق مین موجود تھا، کئی برس ہوئے جب سلطان عبد الحمید خان کے زمانہ مین جامع مسجد جل گئی، تو یہ مصحف بھی جل گیا،

مدینہ منورہ، اس مصحف کا بھی ۷۳۵ھ تک پتہ چلتا ہے، اس نسخہ کی پشت پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی،

ھذا ما اجمع علیہ جماعۃ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منھم زید بن ثابت و عبد اللہ ابن الزبیر و سعید بن العاص (اس کے بعد اور صحابہ کا نام تھا)

مکہ معظمہ، یہ بھی ۷۳۵ھ تک موجود تھا،

بصرہ یا کوفہ، یہ قرآن معلوم نہین کس زمانہ مین قرطبہ پہونچا، پھر عبد المومن اس کو قرطبہ سے اپنے دار السلطنت مین بڑے تزک و احتشام سے لایا، ۷۴۶ھ مین وہ معتضد کے قبضہ مین آیا اس کے بعد ابو الحسن نے جب تلمسان فتح کیا تو یہ نسخہ اس کے قبضہ مین آیا، اس کے مرنے پر پرتگیز مین پہونچا، وہان سے ایک تاجر نے کسی طرح اسکو حاصل کیا، اور ۷۴۵ھ مین شہر فاس مین لایا چنانچہ مدت تک خزانہ شاہی مین موجود تھا،

علامہ مقریزی نے کتاب الخطط مین جہان قاضی فاضل (سلطان صلاح الدین کا وزیر

تھا)، کے مدرسہ کا ذکر کیا ہے، لکھا ہے کہ اس کے کتب خانہ مین مصحف عثمانی کا نسخہ موجود تھا جس کو قاضی فاضل نے بتیس ہزار اشرفی مین خریدا تھا،

حضرت عثمانؓ نے اگرچہ قرآن مجید کی متعدد نقلین شایع کین، لیکن اس وقت تک قرآن مین اعراب (زیر وزبر) اور نقطہ نہین ہوتے تھے، اور قریبًا ۴۰ برس تک یہی حال رہا، اہلِ عرب کو تو اس کی کچھ ضرورت نہ تھی، ان کی زبان تھی، وہ ہر حالت مین صحیح پڑھ سکتے تھے، اور پڑھتے تھے، لیکن عجم کے لئے بڑی دقت تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا اعراب کچھ سے کچھ ہو چلا، یہ دیکھکر حجاج بن یوسف نے اپنے کاتبون کو حکم دیا کہ اعراب اور نقطے لگائین، چنانچہ نصر بن عامر یا یحییٰ بن یعمر نے یہ خدمت انجام دی[1]،

---

[1] ابن خلکان، تذکرۂ حجاج بن یوسف، کتاب الاوایل مین یہ ہے کہ نقطے ابو الاسود دؤلی نے لگائے تھے جو حضرت علیؓ کے شاگرد رشید تھے،

علوم القرآن

اس امر سے زیادہ کیا چیز حیرت انگیز ہو سکتی ہے، کہ مذہب اسلام کی روح وروان جو کچھ کہو، قرآن ہے، تاہم آج کل مسلمانون کو جس قدر قرآن کے ساتھ بے اعتنائی ہے، کسی چیز سے نہین، عربی کے موجودہ درس مین ہر علم وفن کی کتابین کثرت سے داخل ہین، لیکن فن تفسیر کی صرف دو کتابین پڑھائی جاتی ہین، جلالین اور بیضاوی، جن مین سے پہلی اس قدر مختصر ہے کہ اس کے الفاظ وحروف قرآن مجید کے الفاظ وحروف کے برابر برابر ہین، اور دوسری گو چندان مختصر نہین، لیکن اس کے صرف ڈھائی پارے درس مین داخل ہین، جو کتاب کا پانچوان حصہ بھی نہین،

منطق وفلسفہ کی مدت تحصیل پانچ برس ہے، اور اور علوم پر بھی ایک معتد بہ زمانہ صرف ہوتا ہے، لیکن قرآن مجید اور تفسیر کی تحصیل کے لئے پورا سال بھر گوارا نہین کیا جاتا، عربی علوم وفنون کی کتابین کثرت سے چھپ چھپ کر شایع ہو رہی ہین، اور خصوصاً فن حدیث کا سرمایہ تو اس قدر وجود مین آگیا ہے، کہ اگلون کے وہم وخیال مین بھی نہ تھا، لیکن قرآن مجید کے متعلق دو ایک معمولی درسی تفسیرون کے سوا، آج تک کوئی کتاب شایع نہین ہوئی، یہ تو ظاہری بے پروائی کی کیفیت ہے، معنوی حیثیت سے دیکھو تو اس سے بھی زیادہ افسوس ناک حالت ہے، تمام مسلمانون کے نزدیک قرآن مجید کا معجزہ ہونا اس کی فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے ہے، لیکن کیا ہمارے علماء اس دعویٰ کو ثابت کر سکتے ہین، اگر ان سے پوچھا جائے کہ قرآن مجید کی انشاپردازی کی کیا خصوصیات ہین، قرآن مجید نے بلاغت کے کیا کیا نئے اسلوب پیدا کئے،

شعراے جاہلیت نے مدح و ذم، فخر و ثنا، شادی و غم، عزم و استقلال، نیکی و رحمدلی، جوش و اثر کے مضامین کو جس پایہ تک پہونچایا تھا، قرآن مجید نے انھین مضامین کو کس رتبہ تک پہونچادیا؟ تو کیا ہزارون علما مین سے ایک بھی ان سوالون کا معقول جواب دے سکے گا؟ ادب و بلاغت پر موقوف نہین، فقہ، اصول، علم کلام، سب کا ماخذ قرآن مجید ہے، لیکن ہمارے علما خود فیصلہ کرسکتے ہین کہ علوم مذکورہ کے مسائل کو انھون نے قرآن مجید سے سیکھا ہے، یا ہدایہ، و تلویح و عقائد نفسی سے

یہ شکایت نئی نہین، تقریباً چھ سو برس سے یہی حالت ہے، اس سے صرف یہی نہین ہوا کہ قرآن مجید کے متعلق نئی تالیفات کا سلسلہ بند ہو گیا، بلکہ افسوس اور سخت افسوس یہ ہے، کہ قدما کی نادر اور بیش بہا تصنیفات ناپید ہو گئین، خاص قرآن مجید کے اعجاز پر قدما نے بہت سی کتابین لکھی تھین، جن مین سے آٹھ یا نو کتابون کا تذکرہ جلال الدین سیوطی نے اتقان مین کیا ہے، لیکن لوگون کی بد مذاقی سے، ان مین سے صرف باقلانی کی ایک کتاب رہ گئی ہے، جو اس باب مین معمولی درجہ کی تصنیف ہے، اگرچہ ابو بکر عربی اسی کو احسن الکتب کا خطاب دیتے ہین،

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ شروع اسلام سے آج تک قرآن مجید کے متعلق جو کچھ علمی سرمایہ مہیا کیا گیا، ان پر ایک مختصر ریویو کیا جائے، جس سے ایک طرف تو یہ ثابت ہوگا، کہ ہمارے اسلاف نے اور علوم کی طرح اس فن کو کس قدر وسیع کیا تھا، اور کیا کیا نکتہ آفرینیان کی تھین، دوسری طرف یہ ظاہر ہوگا کہ قدما نے گو اپنے زمانہ کے موافق تحقیقات و تدقیقات کا حق ادا کردیا تھا، تاہم آج اور بہت سے نئے پہلوون سے ان مسائل پر بحث کی ضرورت ہے،

قرآن مجید جس وقت نازل ہو رہا تھا، اُس وقت جو لوگ موجود تھے، وہ اگرچہ اس کے مطالب و معانی کے سمجھنے مین کسی معلم یا استاد کے محتاج نہ تھے، تاہم بعض بعض مقامات مین جہان زیادہ اجمال ہوتا تھا، یا کوئی قصہ طلب بات ہوتی تھی، لوگ خود آنحضرت صلعم سے دریافت کرلیا

کرتے تھے، آنحضرت صلعم کے بعد فتوحات کی ترقی اور تمدن کی وسعت کی وجہ سے احکام مین نئی نئی صورتین پیش آنے لگین، اور اس ضرورت سے قرآن مجید کی آیات احکامیہ پر غور و فکر کرنے کی ضرورت پڑی، صحابہ مین سے جو لوگ علم و فضل مین زیادہ ممتاز تھے، انھون نے اس طرف زیادہ توجہ کی، ان بزرگون مین سے حضرت علیؓ سب کے پیشرو تھے، ان کے بعد حضرت عبد اللہ بن عباسؓ عبد اللہ بن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ کا درجہ ہے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے حلقۂ درس نے نہایت وسعت حاصل کی اور سیکڑون، ہزارون شاگرد پیدا ہو گئے، ان مین سے مجاہد، عطاء بن رباح، عکرمہ، سعید بن جبیر، سب سے ممتاز تھے، ان بزرگون کے سوا جن لوگون نے فن تفسیر پر توجہ کی، وہ حسن بصری، عطاء بن سلمہ خراسانی، محمدؒ بن کعب القرظی، ابو العالیہ، ضحاک بن مزاحم، قتادہ، زید بن اسلم، ابو مالک وغیرہ ہین، غالباً سب سے پہلے اس فن کی جس نے ابتدا کی، وہ سعید بن جبیر تھے، عبد الملک بن مروان نے ان سے تفسیر لکھنے کی درخواست کی چنانچہ انھون نے اس کی فرمایش کے موافق تفسیر لکھکر دربار خلافت مین بھیجی اور اس کا نسخہ دفتر شاہی مین داخل کیا گیا، عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے، وہ درحقیقت یہی تفسیر ہے[1]،

اس طبقہ کے بعد ائمہ مجتہدین اور ان کے ہمعصرون مثلاً سفیان بن عیینہ، شعبہ، یزید بن ہارون، عبد الرزاق، ابو بکر بن ابی شیبہ وغیرہ نے تفسیرین لکھین، اس کے بعد عام رواج ہو گیا، اور سینکڑون، ہزارون تفسیرین تصنیف ہو گئین، اور ہوتی رہین،

تفسیر کے علاوہ قرآن مجید کے خاص خاص مباحث پر جداگانہ اور مستقل تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوا، اور یہ سلسلہ تفسیر سے بھی زیادہ مفید تھا، کسی نے صرف مسائل فقہیہ پر بحث کی کسی نے اسباب نزول پر کتاب لکھی، کسی نے صرف ان الفاظ کو جمع کیا، جو غیر زبان کے الفاظ ہین،

---

[1] یہ تفصیل میزان الاعتدال ذہبی تذکرہ عطاء بن دینار سے ماخوذ ہے،

کسی نے امثال قرانی کو یکجا کیا، کسی نے آیات مکررہ کے نکات بیان کیے، اس قسم کے مضامین کی تعداد ۸۰ کے قریب پہونچی، اور قریبًا ہر ایک پر الگ الگ مستقل تصنیفین لکھی گئین [۱]، ان مضامین مین سے بعض بعض پر تمام بڑے بڑے ائمۂ فن نے طبع آزمایٔان کین، اور ہزارون کتابین تیار ہوگئین، یہ تصنیفات اگرچہ بے شمار ہین، لیکن ان سب کو چھ قسمون پر تقسیم کیا جاسکتا ہے،

(۱) **فقہی**، جس مین صرف ان آیتون کو یکجا کیا ہے، جن سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے مثلًا احکام القرآن اسمٰعیل بن اسحٰق، احکام القرآن ابوبکر رازی، احکام القرآن قاضی یحییٰ بن اکثم،

(۲) **ادبی**، ان تصنیفات مین قرآن مجید کا فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے معجز اور بے نظیر ہونا ثابت کیا ہے، اسی سلسلہ مین وہ تصنیفات بھی داخل ہین، جو قرآن مجید کی حقیقۃ و مجاز، تشبیہات و استعارات، مکررات، وجوہِ ترتیب، صنائع و بدائع وغیرہ وغیرہ پر لکھی گئین،

(۳) **تاریخی**، قرآن مجید مین انبیاے سابقین اور بزرگون کے جو قصے مذکور ہین انکی تفصیل اور مزید حالات،

(۴) **نحوی**، جس مین قرآن مجید کے نحوی مسائل سے بحث کی ہے، مثلًا اعراب القرآن رازی وغیرہ،

(۵) **لغوی**، یعنی قرآن مجید کے الفاظ مفردہ کے معانی اور ان کی تحقیق مثلًا لغات القرآن ابوعبیدہ وغیرہ،

(۶) **کلامی**، جن آیتون سے عقاید کے مسائل مستنبط ہوتے ہین، ان پر بحث،

ان مضامین مین سے فقہی مباحث پر جو کچھ لکھا گیا، اس پر اضافہ کی بہت کم گنجایش ہے جسکی وجہ یہ ہے، کہ اس بحث پر بڑے بڑے ائمۂ فن نے طبع آزمایان کین، اور چونکہ شروع ہی سے

---

[۱] دیکھو اتقان فی علوم القرآن کا دیباچہ،

ان مسائل کے متعلق الگ الگ فرقے بن گئے تھے، کسی فریق نے تدقیق و تحقیق کا دقیقہ اٹھا نہین رکھا، امام شافعی، قاضی یحییٰ بن اکثم، (استاد ترمذی) ابوبکر رازی، جس پایہ کے لوگ تھے، سب کو معلوم ہے، ابوبکر رازی کی تصنیف آج بھی موجود ہے، اور ہماری نظر سے گذر چکی ہے، اسی طرح لغات قرآن اور مسائل نحویہ پر جو کچھ لکھا گیا، اس سے بڑھکر نہین لکھا جا سکتا،

فصاحت و بلاغت کے متعلق نہایت کثرت سے کتابین لکھی گیئن، جو اعجاز القرآن کے نام سے مشہور ہین، ان مین فصاحت و بلاغت کے تمام اقسام سے بحث کی ہے، سب سے پہلے غالباً جاحظ المتوفی ۲۵۵ھ نے اس موضوع پر لکھا، پھر محمد بن یزید واسطی، عبد القادر جرجانی، رمانی، خطابی زملکانی، امام رازی، ابن سراقہ، قاضی ابوبکر باقلانی نے بسیط اور مفصل کتابین لکھین، یہ کتابین آج بالکل ناپید ہین،

مین نے قسطنطنیہ اور مصر کے تمام کتب خانے دیکھے، لیکن ایک کتاب کا بھی پتہ نہ لگا، البتہ قاضی باقلانی کی تصنیف موجود ہے، اس کا نسخہ مین نے خدیو کے کتبخانہ سے لکھوا کر منگوایا تھا، اور اب وہ چھپ بھی گئی ہے، اس کتاب کی نسبت ابن العربی[1] کا قول ہے، کہ اس بحث پر کوئی کتاب اس درجہ کی تصنیف نہین ہوئی، ابن العربی کی رائے پر اگر اعتماد کیا جائے تو اسلاف کی علمی حالت پر سخت افسوس ہوگا، کیونکہ باقلانی کی کتاب گو انشا پردازی کے لحاظ سے بلند رتبہ ہے، لیکن اصل مضمون کی حیثیت سے محض ایک ملایانہ تصنیف ہے،

عبد القاہر جرجانی جو فن بلاغت کا موجد ہے، اس کی اعجاز القرآن ہم نے نہین دیکھی، لیکن اس کی دو کتابین دلائل الاعجاز اور اسرار البلاغہ جو خاص فن بلاغت مین ہین ہمارے پیش نظر ہین، ان کتابون مین اس نے جو نکتہ آفرینیان کی ہین، وہ حیرت انگیز ہین، اور اس لئے

[1] اتقان بحث اعجاز القرآن،

قیاس ہو سکتا ہے، کہ قرآن مجید پر اس نے جو کچھ لکھا ہوگا، بے مثل ہوگا، اسی طرح جاحظ کی تصنیف بھی بے نظیر ہوگی، لیکن چونکہ پانچ چھ سو برس سے قوم کا علمی مذاق بالکل پست ہوگیا ہے، اس لئے لوگ ابن العربی، یا فلانی ہی کی تصنیف کو بہترین تصانیف قرار دیتے ہین،

اعجاز القرآن کے سلسلہ کے علاوہ اور بہت سی تصنیفات ہین، جن مین انشاپردازی کی خاص خاص قسمون سے بحث کی ہے، مثلاً ابن ابی الاصبع نے قرآن مجید کے صنائع و بدایع پر مستقل کتاب لکھی، عزالدین بن عبد السلام نے قرآن کے مجازات کو یکجا کیا، ابو الحسن ماوردی نے قرآن کی ضرب المثلین جمع کین، اور ان کی خوبیان دکھائین، علامہ سیوطی نے سورتون کے طریق ابتدا پر ایک رسالہ لکھا جس کا نام الخواطر السوانح فی اسرار الفواتح ہے، ابن القیم نے کتاب التبیان اس بحث پر لکھی، کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید مین کثرت سے قسمین کیون کھائین ہین،

قصص اور حقایق اشیار کے متعلق تصنیفات کا جو سرمایہ ہے، وہ درحقیقت شرم کا باعث ہے، اور افسوس اور سخت افسوس ہی کہ تفسیر کے اجزا مین سے جو حصہ سب سے زیادہ عوام مین مقبول اور متداول ہے، اور سلسلہ بہ سلسلہ تمام اسلامی لٹریچر مین سرایت کرگیا ہے، وہ یہی حصہ ہے، انبیا اور صلحاے سابقین کے افسانے جو یہودیون مین پھیلے ہوئے تھے، وہ نہایت مبالغہ آمیز اور دور از کار تھے، قرآن مجید مین نہایت اجمال کے ساتھ صرف ان واقعات کو بیان کیا گیا، جو فی نفسہ صحیح تھے، اور جن سے طبائع پر کوئی اخلاقی عمدہ اثر پڑتا تھا، ہمارے مفسرون نے قرآن مجید کو ایک متن قرار دیا، اور اس کی شرح مین وہ تمام بیہودہ افسانے شامل کردیئے، جن کے سامنے بوستان خیال، کی بھی کچھ حقیقت نہین، حقایق اشیا کے متعلق جو کچھ قرآن مجید مین مذکور تھا، اسکے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا، چاہ بابل، کوہ قاف، سکندر ذوالقرنین، یاجوج ماجوج وغیرہ وغیرہ کی نسبت جو، روائتین مسلمانون مین پھیلی ہین، وہ انھین تفسیرون کی بدولت ہین، علامہ

ابن خلدون نے اس کے متعلق مقدمہ تاریخ مین نہایت محققانہ مضمون لکھا ہے، ہم اس کی عبارت اس موقع پر بقدر ضرورت نقل کرتے ہین :۔

وقد جمع المتقدمون فی ذلک واوعوا الا ان کتبہم ومنقولاتہم تشتمل علی الغث والسمین والمقبول والمردود، والسبب فی ذلک ان العرب لم یکونوا اہل کتاب ولا علم، وانما غلبت علیہم البداوۃ والامیۃ، واذا تشوقوا الی معرفۃ شئ مما تتشوق الیہ النفوس البشریۃ فی اسباب المکونات وبدء الخلیقۃ واسرار الوجود فانما یسألون عنہ اہل الکتاب قبلہم ویستفیدونہ منہم وہم اہل التوراۃ من الیہود ومن تبع دینہم من النصاری واہل التوراۃ الذین بین العرب یومئذ بادیۃ مثلہم ولا یعرفون من ذلک الا ما تعرفہ العامۃ من اہل الکتاب ۔۔ فلما اسلموا بقوا علی ما کان عندہم مما لا تعلق لہ بالاحکام التی یحتاطون لہا مثل اخبار بدء الخلیقۃ وما یرجع الی الحدثان والملاحم وامثال ذلک وہؤلاء مثل کعب الاحبار ووہب بن منبہ وعبد اللہ بن سلام وامثالہم فامتلأت

اور اس باب مین متقدمین نے بڑا ذخیرہ جمع کیا، لیکن انکی تصنیفات اور روایتون مین نیک و بد مقبول و مردود، سب کچھ شامل ہے، اس کی وجہ یہ ہے، کہ اہل عرب لکھے پڑھے نہ تھے، اور ان پر بالکل بدویت اور جہالت غالب تھی اور جب انکو ان اشیاء کی دریافت کا شوق ہوتا تھا، جو طبایع بشری کا اقتضاء ہے، مثلاً آفرینش عالم کے اسباب، دنیا کی ابتدا، وجود کے اسرار، تو ان باتون کو وہ لوگ یہودیون سے دریافت کرتے تھے یا ان عیسائیون سے جو یہودیون کے مقلد تھے، اور اس زمانہ کے یہود ایسے ہی جاہل تھے جیسے بادیہ نشین عرب، ان کو صرف وہی معلومات تھین جو عوام اہل کتاب کو ہوتی ہین، پھر جب یہ لوگ اسلام لائے تو ان امور کے متعلق جو احکام شرعی سے تعلق نہین رکھتے تھے، مثلاً دنیا کا آغاز، واقعات قدیمہ، اور قصص انبیا، ان کے خیالات وہی رہے، جو پہلے سے تھے، ان اسلام لانے والون مین کعب احبار وہب بن منبہ، عبد اللہ بن سلام وغیرہ تھے، اس لئے تمام تفسیرین ان کی روایتون سے بھر گئین، اور اس قسم کے امور مین مفسرین سہل انکاری کرتے ہین، اس لئے ان

التفاسیر من المنقولات عندهم ۔۔ وتساهل المفسرون فی مثل ذلک وملؤا کتب التفسیر من هذه المنقولات فاصلها کما قلنا عن اهل التوراة الذین یسکنون البادیة ولا تحقیق عندهم بمعرفة ما ینقلونه من ذلک الا انهم بعد صیتهم وعظمت اقدارهم لما کانوا علیه من المقامات فی الدین والملة فتلقیت بالقبول

لوگون نے تفسیر کی کتابون کو انھین روایتون سے بھر دیا اور جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہین ان روایتون کا ماخذ وہی توراۃ والے تھے، جو صحرا نشین تھے، اور ان کو ان روایتون کے متعلق کچھ تحقیق حاصل نہ تھی، لیکن چونکہ مذہبًا ان لوگون کا پایہ بلند تھا، اور قوم مین ان کو شہرت اور عظمت حاصل تھی، اس لئے وہ روایتین قبول عام پا گئین،

علامہ ابن خلدون نے جو کچھ لکھا[1] محدثانہ تحقیق بھی تمام تر اسی کی تائید کرتی ہے، انبیاء سابقین اور زمین و آسمان وغیرہ کی آفرینش کے متعلق جو کچھ تفسیرون مین مذکور ہے، وہ عمومًا قدماء مفسرین سے ماخوذ ہے، یعنی مجاہد، سدی، ضحاک، مقاتل بن سلیمان کلبی، ان مین سے تین مقدم الذکر نے صحابہ کا زمانہ پایا تھا، اور ان سے روایتین حاصل کی تھین، مقاتل نے ۱۵۰ھ مین وفات پائی، کلبی بھی اسی دور کے مفسر ہین، نقلی مضامین کے متعلق آج جس قدر تفسیرین ہین سب انھین بزرگون سے ماخوذ ہین، امام شافعیؒ کا قول ہے کہ فن تفسیر مین تمام لوگ مقاتل کے وظیفہ خوار ہین[2]، سدی کی نسبت جلال الدین سیوطی نے کتاب الارشاد سے نقل کیا ہے کہ امثل التفاسیر تفسیر السدی یعنی تمام تفسیرون مین سدی کی تفسیر سب سے اچھی ہے، امام طبری کی تفسیر کے متعلق تمام علماء کا اتفاق ہے، کہ صحت و تنقید مین لاجواب ہے، لیکن یہ تفسیر بھی زیادہ تر سدی اور ضحاک سے ماخوذ ہے، چنانچہ جلال الدین سیوطی نے اتقان باب ہشتاد و دہم مین تصریح کی ہے،

ان بزرگون کا یہ حال ہے کہ مجاہد کی تفسیر کی نسبت جب لوگون نے امام اعمش سے دریافت کیا کہ اس مین غلطیان کیون پائی جاتی ہین، تو انھون نے جواب دیا کہ وہ اہل کتاب سے

[1] مقدمہ ابن خلدون باب علوم القرآن، [2] میزان الاعتدال ذہبی،

ماخوذ ہے، ضحاک کی نسبت محدثین نے تصریح کی ہے، کہ ابن عباسؓ اور ابوہریرہؓ وغیرہ سے انھون نے جو روایتین کی ہین، سب مخدوش ہین یعنی ان کی صحت مین کلام ہے، اس کے ساتھ یحیی بن سعید قطان نے جو اسمار الرجال کے امام ہین تصریح کی ہے کہ ضحاک میرے نزدیک ضعیف الروایۃ ہین، سدی کا یہ حال ہے کہ امام شعبی سے کسی نے کہا کہ سدی کو قرآن کے علم کا حصہ ملا ہے، تو انھون نے کہا کہ قرآن کے جہل کا حصہ ملا ہے، مقاتل کی نسبت وکیع کا قول ہے کہ کذاب تھا، محدث نسائی فرماتے ہین کہ مقاتل جھوٹ بولا کرتا تھا، عبد اللہ بن المبارک فرماتے ہین کہ مقاتل کی تفسیر بہت اچھی تھی کاش وہ ثقہ بھی ہوتا، جوزجانی نے لکھا ہے کہ مقاتل نہایت دلیر دجال تھا، محدث ابن حبان نے لکھا ہے کہ مقاتل قرآن مجید کے متعلق یہود و نصاریٰ سے وہ باتین سیکھا کرتا تھا جو ان کی روایتون کے مطابق ہوتی تھین، کلبی کی نسبت تو عام اتفاق ہے، کہ ان کی تفسیر دیکھنے کے قابل نہین، امام احمد بن حنبل، دارقطنی، امام بخاری، جوزجانی ابن معین سب نے تصریح کی ہے، کہ وہ ناقابل اعتبار تھا، ابن حبان کا قول ہے کہ کلبی کا کذب و دروغ اس قدر ظاہر ہے، کہ اس مین کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہین[1]، ایک ضمنی تذکرہ مین ان بزرگون کی اس قدر پردہ دری شاید موزون نہ تھی لیکن ان لوگون نے اسلام کو جس قدر نقصان پہونچایا ہے، اس کا کم سے کم یہی صلہ تھا انھین حضرات کی روایتین ہین، جن سے تفسیر کبیر، کشاف، بیضاوی، اور اور سیکڑون ہزارون کتابین مالا مال ہین، مسلمانون مین آج جو عجائب پرستی، زود اعتقادی، اور غلط خیالی ایک خاصہ بن گئی ہے، انھین کی روایات اور منقولات کی بدولت ہے،

---

[1] ان لوگون کے یہ اقوال میزان الاعتدال ذہبی سے ماخوذ ہین،

اعجازِ قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، سُنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین لیکن جب یہ سوال ہوتا ہی کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعتہً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہو سکتا ہے لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس راز کشائی پر تمام عالم کا اتفاق ہو گیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، اس لئے وہ کلام الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشا پردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا کارنامہ قرار پائے، بلکہ جسپر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعویٰ خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے، خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

سے مختلف اوصاف بیان کئے ہین، مثلاً:-

والقرآن الحکیم،	قسم ہے قرآن کی جو کہ حکیم ہے،
والقرآن ذی الذکر،	اور قرآن کی جو ناصح ہے،
کتاب احکمت آیاتہ،	ایسی کتاب ہے، جس کی آیتین مضبوط ہین،
کتاب ینطق بالحق،	ایسی کتاب ہے جو سچ بولتی ہے،
کتاب مبین،	روشن کتاب ہے،
بینات من الھدی،	رہنمائی کے لئے دلائل ہین،
ھدی للمتقین،	پرہیز گارون کی رہنما ہے،
جعلناہ نورا نھدی بہ من نشاء	ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ جسکو چاہتے ہین اسکے ذریعہ سے راستہ دکھاتے ہین،
ھدی و رحمۃ للمحسنین،	وہ نیک آدمیون کے لئے ہدایت اور رحمت ہے،
تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم	اس سے اُن لوگون کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہین جو اپنے خدا سے ڈرتے ہین،
کتاب فصلت آیاتہ قرآنا عربیا لقوم یعلمون۔	ایسی کتاب ہے جسکی آیتین کھول کر بیان کی گئی ہین، عربی کا قرآن ہے جاننے والون کیلئے،
بشیراً و نذیراً۔	خوشخبری دینے والا ہے، اور ڈرانے والا ہے،
یھدی الی الحق و الی صراط مستقیم،	حق کی طرف اور سیدھے راستہ کی طرف راہ دکھاتا ہے،
تذکرۃ لمن یخشیٰ،	ڈرنے والے کے لئے نصیحت ہے،

غور کرو، قرآن مجید کی فضیلت کے بیان مین اس کو ناصح، رہنما، بشیر، نذیر، نور، حکیم، واضح سب کہا، لیکن فصاحت و بلاغت کا کہین نام تک نہین آیا، اور وہی چیز چھوڑ دی گئی جو (لوگون کے نزدیک) مدارِ اعجاز ہے، کیا ہدایت اور حکمت کے لحاظ سے کوئی کتاب قرآن کا جواب ہو سکتی ہے، اگر نہین ہو سکتی تو یہ اوصاف کیون معجزہ نہ ہون، اور وہ وصف معجزہ ہو جسکا ذکر تک قرآن مین نہین،

اس کے یہ معنی نہین کہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب ہو سکتا ہے، بے شبہہ نہین ہو سکتا، اور قیامت تک نہین ہو سکتا، لیکن کتاب آسمانی کا رہنماے عالم ہونا معجزہ ہو سکتا ہے نہ کہ نثاری اور انشا پردازی، حضرت یوسفؑ بے شبہہ جمال ظاہری مین اپنا جواب نہین رکھتے تھے لیکن پیغمبری کی حیثیت سے ان کے اوصاف کمال مین ان کی نفس قدسی کا ذکر آئے گا نہ ان کے خط وخال کا، لیکن ہم کو ان دلائل اور قیاسات کی بھی ضرورت نہین، قرآن مجید مین صاف مذکور ہے کہ وہ **ہدایت** کے لحاظ سے معجزہ ہے، یعنی اس وصف مین (بجز کتاب آسمانی کے) کوئی کتاب اس کی نظیر نہین بن سکتی،

قل فاتوا بکتاب من عند اللہ ھو اھدیٰ منھما اتبعہ ان کنتم صادقین، (قصص)	کہدو اے محمدؐ! کہ خدا کے یہان سے کوئی کتاب ان دونون کتابون (قرآن توریت) سے بڑھکر ہدایت کرنے والی لادو تو مین اس کا پیرو بنتا ہون، اگر تم سچے ہو،

ایک نکتہ یہان قابل لحاظ کے ہے اور وہ اس بحث کا فیصلہ قطعی ہے، معجزہ دو قسم کا ہو سکتا ہے، ایک جس سے براہ راست منصبِ نبوت کو تعلق ہو، ایک وہ جو بالذات نہین، بلکہ بواسطہ دلیل نبوت قرار پائے، مثلاً ایک پیغمبر دعویٰ کرتا ہے کہ مین پیغمبر ہون، یعنی مجھکو خدا نے دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے، لوگ پوچھتے ہین کہ پیغمبری کا ثبوت کیا ہے، وہ فرماتے ہین کہ مین لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہون، اور میری ہتھیلی چاند کی طرح چمکتی ہے، لوگ کہتے ہین کہ اس معجزہ کو ہدایت اور پیغمبری سے کیا تعلق؟ وہ جواب دیتے ہین کہ مین جو معجزہ دکھاتا ہون خدا کے سوا کوئی شخص اس پر قادر نہین، اس لئے مین جو یہ معجزہ پیش کرتا ہون، تو خدا ہی کی طرف سے کرتا ہون اس بنا پر مین خدا کی طرف سے آیا ہون، اور جو شخص خدا کی طرف سے آتا ہے، وہ پیغمبر ہوتا ہے، اس استدلال مین معجزہ براہ راست، نبوت سے تعلق نہین رکھتا،

ایک دوسرا شخص کہتا ہے، کہ مین پیغمبر ہون، لوگ پوچھتے ہین کہ کیون؟ وہ فرماتے ہین کہ مین جس قسم کی ہدایت اور لوگون کا تزکیۂ نفس کر سکتا ہون، کوئی بشر نہین کر سکتا، اب اگر یہ دعوی صحیح ہے تو یہی دعوی براہ راست معجزہ بھی ہے، اور خاصۂ نبوت بھی، معجزہ اس لئے ہے کہ جو چیز کوئی اور بشر نہ پیش کر سکے، وہ معجزہ ہوگی، اور خاصہ نبوت اس لئے کہ تزکیۂ نفس ہی کا نام پیغمبری ہے اس کو ایک اور صاف مثال مین سمجھو، ایک شخص کہتا ہے کہ مین فارسی زبان جانتا ہون اور دلیل یہ پیش کرتا ہون، کہ مین ایرانی ہون، اور ایرانی ضرور فارسی جانتا ہوگا، اس کے مقابلہ مین ایک دوسرا شخص یہی دعوی کرتا ہے، لیکن دعوی کو فارسی ہی زبان مین ادا کرتا ہی کہ من فارسی را خیلے خوب می دانم، یہ دعوی، دعوی بھی ہے، اور دلیل بھی،

قرآن مجید اگر فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ قرار دیا جائے تو ایسا معجزہ ہوگا جو نبوت کا خاصہ نہین کیونکہ انشاپردازی لازمہ نبوت نہین، لیکن اگر قرآن مجید کو تزکیۂ نفس اور موعظت و حکمت کے لحاظ سے معجزہ کہا جائے تو یہ معجزہ بھی ہوگا اور خاصہ نبوت بھی، ھذا ھو الحق فماذا بعد الحق الا الضلال،

قرآن مجید مین خدا نے قسمین کیون کھائین؟

مخالفون نے قرآن مجید پر جو نکتہ چینیان کی ہین، ان مین ایک یہ بھی ہے، اس اعتراض کے متعدد پہلو ہین،

(۱) سب سے پہلا یہ کہ خود قرآن مین قسم کھانے کی برائیان ہین، ولا تجعلوا اللّٰہ عرضۃ لایمانکم خدا کو اپنی قسمون کا ہدف نہ بناؤ، ولا تطع کل حلاف زیادہ قسم کھانے والون کا کہا نہ مان،

(۲) آدمی جن چیزون کی قسم کھاتا ہے یا اس کی عظمت وتعظیم کے لحاظ سے کھاتا ہے یا محبت اور شیفتگی کی وجہ سے،

قرآن مجید مین خدا نے جو قسمین کھائی ہین، تعظیم اور عظمت کے لحاظ سے تو نہین ہوسکتین کیونکہ خدا سے بڑھکر کون ہے،

دوسرا احتمال ممکن تھا، لیکن قرآن مین جن معمولی اور ادنی چیزون کی قسمین کھائی ہین، ان کے لحاظ سے یہ احتمال بھی نہین ہوسکتا،

قرآن مین انجیر اور زیتون تک کی قسم موجود ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ خدا کو یہ میوے نہایت عزیز اور محبوب ہین، اس لئے ان کی قسم کھائی،

اس بحث سے قطع نظر کرکے قسم کھانا فی نفسہ ایک سبکی کی بات ہے، قسم وہی کھاتا ہے جس کو اپنی نسبت یہ اطمینان نہین ہوتا کہ لوگ اس کی بات کو بے تکلف یقین کرلین گے، یہی وجہ ہے کہ بازاری آدمی بات بات پر قسم کھاتے ہین، خواص ان سے کم اور ثقاۃ تو مطلق

قسم نہین کھاتے، ایران مین مثل ہے کہ "گفتی باور نمودم، مکرر گفتی در شک افتادم، قسم خوردی دروغ دانستم"

مفسرین نے اس شبہہ کے عجیب عجیب جواب دیئے ہین،

(۱) قسم کھانا، عرب کا عام طریقہ تھا اور حجز و زبان بن گیا تھا، اس لئے جو کلام عرب کی زبان مین نازل ہوگا، وہ اس سے بری نہین ہو سکتا،

(۲) آنحضرت صلعم جب عقائدِ اسلام کی صحت پر قرآن مجید کی آیتین پیش کرتے تھے، تو کفار کہتے تھے کہ یہ باتین درحقیقت غلط ہین، لیکن یہ قرآن کا عام فریب استدلال اور زورِ عبارت ہے کہ غلط کو صحیح ثابت کر دیتا ہے، اس شبہہ کے رفع کرنے کا اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہ تھا، کہ قسم کھا کر ان کو یقین دلایا جائے،

(۳) جن چیزون، مثلاً انجیر اور زیتون وغیرہ کو تم بے حقیقت سمجھتے ہو، درحقیقت عظیم الشان چیزین ہین، چنانچہ امام رازی وغیرہ نے فلسفیانہ دلائل سے زیتون اور انجیر کی خوبیان ثابت کی ہین،

یہ اور اسی قسم کے جوابات مخالف کو تو بالکل مطمئن نہین کر سکتے، اور موافق کے لئے اعتراض وجواب کی سرے سے ضرورت ہی نہین، اس کو کلام الٰہی کے آگے چون وچرا سے کیا غرض

مصرع مجھے تو خوب ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہئے،

مولوی حمید الدین صاحب جنکا ذکر الندوہ کے ایک پرچہ مین ایک خاص تقریب سے آچکا ہے، قرآن مجید کے حقایق و اسرار پر جو کتاب عربی زبان مین لکھ رہے ہین، اس کے بعض اجزا آج کل ہم کو ہاتھ آئے، ان مین اس مسئلہ پر بھی بحث تھی انھون نے جو کچھ لکھا ہے، نہایت محققانہ اور ادیبانہ لکھا ہے، اس لئے ہم اس کا خلاصہ اس موقع

پر درج کرتے ہین،

اس عقدہ کے حل کرنے کے لئے پہلے قسم کی حقیقت اور اس لفظ کی تاریخ پر غور کرنا چاہئے قسم کا استعمال اصل مین اس طرح شروع ہوا کہ جب کسی واقعہ کو بیان کرتے تھے تو اس کی تصدیق و صحت کے لئے کسی شخص کی شہادت اور گواہی پیش کرتے تھے، اس طریقہ کو جب زیادہ وسعت ہوئی تو انسان کے علاوہ حیوانات اور جمادات کی شہادت بھی استعمال مین آنے لگی، مثلاً ہم اپنی زبان مین کہتے ہین ،، در و دیوار،، اس بات کے شاہد ہین، فلان شخص نے جس بہادری سے جنگ کی، میدان جنگ اس کی شہادت دلیسکتا ہے، عربی زبان مین اس کی سیکڑون مثالین ہین،

الخیل تشھد یوم داحس والقنا	داحس کی لڑائی کے دن گھوڑے اور نیزے گواہ تھے
ان السماء وان الریح شاھدۃ	والارض تشھد والایام والبلد
آسمان ہوا زمین	زمانہ، اور شہر، گواہ ہین
لقد جزیت بنی بدر ببغیھم	یوم الھباءۃ یوماً مالہ قود
کہ مینے قبیلہ بنی بدر کو انکی بغاوت کی پاداش مین	وہ سزا دی جس کا بدلہ نہین ہو سکتا،

نابغہ کہتا ہے،

والخیل تعلم انا فی تجادلنا	عند الطعان اولو بوس وانعام
گھوڑے جانتے ہین کہ ہم لڑائی مین	سزا بھی دیتے ہین اور انعام بھی

عنترہ کا شعر ہے،

والخیل تعلم والفوارس اننی	فرقت جمعھم بطعنۃ فیصل،
گھوڑے اور سوار دونون جانتے ہین	کہ مینے انکے جتھے کو ایک فیصلہ کرنیوالے وار سے توڑدیا

اس طرح کی ہزارون مثالین ہین،

ان چیزون کی شہادت پیش کرنے کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ یہ چیزین زبان حال سے شہادت دے رہی ہین یعنی اگر ان کو بولنے کی قوت ہوتی تو بول اُٹھتین، کہ ہان یہ واقعہ سچ ہے،

چونکہ اس طریقہ ادا سے واقعہ کا یقین دلانا مقصود ہوتا ہے، اس لئے یہ طریقہ، رفتہ رفتہ قسم کے معنی مین مستعمل ہونے لگا، یعنی کسی کی گواہی پیش کرنی، اور قسم کھانا ایک چیز ہوگئی،

عمرو معدیکرب کا شعر ہے،

اللہ یعلم ما ترکت قتالھم   خدا جانتا ہے کہ مین نے لڑنا نہین چھوڑا،

یہان "خدا جانتا ہے" کا لفظ قسم کے معنون مین آیا ہے، یعنی خدا کی قسم مین نے لڑنا نہین چھوڑا، ہماری زبان مین عام طور پر قسم کے موقع پر کہتے ہین "اللہ جانتا ہے، خدا شاہد ہے، خدا گواہ ہے" خود قرآن مجید مین گواہی کا لفظ قسم کے معنی مین مستعمل ہوا ہے، مثلاً ویدرء عنھا العذاب ان تشھد اربع شھادات باللہ انہ من الکاذبین،

قالو انشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون۔ اتخذوا ایمانھم جنۃ، پچھلی آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے،

"منافقین کہتے ہین کہ ہم گواہی دیتے ہین کہ بیشک تو خدا کا رسول ہے، اور خدا جانتا ہے کہ بیشک تو خدا کا رسول ہے، لیکن خدا گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہین، منافقون نے اپنی قسم کو سپر بنا لیا ہے، دیکھو اس آیت مین منافقین کی زبان سے جو لفظ نقل کیا وہ صرف یہ تھا کہ "ہم تمھارے پیغمبر ہونے کی گواہی دیتے ہین" پھر آگے چل کر فرمایا کہ منافقین اپنی قسم کو سپر بناتے ہین، حالانکہ منافقین نے قسم کا کوئی لفظ استعمال نہین کیا تھا بلکہ صرف گواہی دینے کا لفظ استعمال کیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اسی گواہی کو خدا نے قسم قرار دیا،

عربی زبان نے جب زیادہ وسعت حاصل کی تو بعض بعض حرف قسم کے لئے خاص ہو گئے
مثلاً واو، ب، ت، عام محاورہ ہے، واللہ، باللہ، تاللہ،

اب قسم کے دو مفہوم ہین،

ایک یہ کہ جب کوئی واقعہ یا مسئلہ بیان کیا جائے تو اس پر کوئی شہادت پیش کیجائے، چاہے
یہ شہادت ذی روح کی ہو یا اشیا کے زبانِ حال کی شہادت ہو،

دوسرے یہ کہ صرف ایک بات کی توثیق اور یقین دلانے کے لئے کسی بڑے شخص یا کسی
عزیز چیز کی قسم کھائی جائے، یہ دوسرا مفہوم قسم کا مجازی استعمال ہے جو رفتہ رفتہ پیدا ہو گیا،
اصل مین قسم کے یہ معنی نہ تھے،

قرآن مجید مین جہان جہان قسم کا لفظ آیا ہے پہلے معنی کے لحاظ سے آیا ہے، خدا جب
اپنی قدرت و شان کا اظہار کرتا ہے تو آفتاب کی، چاند کی، ستارون کی، دن رات کی قسم
کھاتا ہے، جس کے یہ معنی ہین کہ یہ تمام چیزین، اس کے وجود اور عظمت و شان کی گواہی
دے رہی ہین، قرآن مجید مین خود اس کی تصریح موجود ہے، کہ قسم کا استعمال اسی معنی مین ہے،

والفجر و لیال عشر و الشفع و الوتر	فجر، دس راتین، جفت اور طاق اور رات جب
واللیل اذا یسر ھل فی ذالک قسم لذی حجر	چلنے پر ہو، ان باتون مین صاحبِ عقل کے لئے قسم ہے

قسم کا لفظ یہان صاف اسی معنی مین آیا ہے، خدا نے پہلے چند چیزین گنائین پھر فرمایا
کہ ان چیزون مین صاحبِ عقل کے لئے قسم ہے، یعنی یہ چیزین عقلمند کے نزدیک خدا کے وجود اور
قدرت کی شہادت دے رہی ہین،

خدا نے جا بجا مظاہرِ قدرت مثلاً آفتاب، ماہتاب، دریا، ہوا، بادل، چرند، پرند کو
آیت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، جس کے معنی نشانی کے ہین، یعنی یہ چیزین خدا کی قدرت کی

نشانیان ہین،

ان فی خلق السموات والارض واختلاف	آسمان اور زمین کی پیدائش مین اور رات دن کے ادل بدل مین
اللیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر	اور جہاز مین جو لوگون کے فائدہ کی چیزون کو لے کر دریا مین چلتے
بما ینفع الناس وما انزل اللہ من	ہین، اور آسمان سے جو پانی اتارا ہے، کہ جس سے مردہ زمین
السماء من ماء فاحیی بہ الارض	کو زندہ کر دیتا ہے، اور تمام چارپائے جو پھیلا دیئے ہین
من بعد موتھا وبث فیھا من کل دابۃ	اس مین اور ہواؤن کے چلنے مین اور بادل مین جو
وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین	آسمان اور زمین کے بیچ مین مسخر ہے، جاننے والون کے
السماء والارض لایات لقوم یعلمون	لئے نشانیان ہین،

اسی طرح قرآن مین نہایت کثرت سے تمام مظاہرِ قدرت کی نسبت نشانیون کا لفظ استعمال کیا ہے، اب غور کرو یہی چیزین جن کو اکثر موقعون پر نشانیان بتایا ہے، انھین چیزون کی جابجا قسم بھی کھائی ہے، جس کے صاف یہ معنی ہین کہ یہ چیزین خدا کی قدرت کی گواہی دے رہی ہین، اور قسم کا صحیح استعمال بھی ہے،

ایک بڑی غلطی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے، کہ عربی زبان مین قسم کے قریب المعنی اور جو الفاظ ہین ان مین لوگ امتیاز نہین کرتے عربی زبان مین اس قسم کے تین لفظ ہین، قسم یمین، حلف، عام لوگ ان سب الفاظ کو ہم معنی سمجھتے ہین، اور اس وجہ سے عظیم الشان غلطیان پیدا ہوتی ہین، حالانکہ ان سب الفاظ کے مفہوم الگ الگ ہین،

قسم کے معنی تو وہی ہین جو گذر چکے یعنی کسی واقعہ کی صحت کے لئے شہادت پیش کرنی قرآن مین جو قسمین مذکور ہین سب کے یہی معنی ہین کہ جن چیزون کی قسم کھائی ہے، وہ خدا کے ثبوت پر اس کے عظمت و شان پر، اس کی وسعتِ قدرت پر زبان حال سے گواہی دے رہی

ہین، چنانچہ سورۂ فجر مین صاف تصریح ہے، هل فی ذالک قسم لذی حجر،

یمین کے لفظی معنی ہاتھ کے ہین، یہ لفظ عموماً معاہدات کی توثیق کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور جس چیز پر یہ لفظ آتا ہے، اس کو ضامن دینا مقصود ہوتا ہے، لغت کی کتابون مین ہے

ان الیمین اصلها الضرب بالیمین من المتحالفین — معاہدہ کرنے والے جو ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہین یہ لفظ اسی کو

امراء القیس کہتا ہے،

فقلت یمین اللہ ابرح قاعدا — ولو قطعوا راسی لدیک و اوصالی

مین نے کہا خدا کا ذکر کہ مین یہان سے نہ ٹلونگا — گو یہ لوگ میرا سر اور میرا بند بند یہین کاٹ ڈالین

یہ لفظ جب خدا کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے تو قسم کے ہم معنی ہوتا ہے، اس لئے یہ لفظ قرآن مجید مین خدا کی زبان سے کہین نہین مستعمل ہوا ہے،

حلف یہ لفظ دونون پچھلے لفظون سے زیادہ وسیع ہے لیکن اس کے مفہوم مین ذلت اور دنارت داخل ہے، اور اس کا استعمال بالکل اسی حیثیت سے ہوتا ہے، جس طرح آج کل عوام قسم کھاتے ہین،

نابغہ ذبیانی ایک مشہور شاعر گذرا ہے، اس کی نسبت لوگون نے **نعمان بن منذر** سے کہدیا تھا کہ وہ آپ کی بیوی پر عاشق ہے، بادشاہ سخت ناراض ہوگیا، اور نابغہ کو سزا دینی چاہی، نابغہ کو خبر ہوئی تو متعدد قصیدے معذرت مین لکھے، جنمین نہایت ذلیل اور عاجزانہ طریقہ سے اس جرم سے برأت ظاہر کی، اس قصیدہ کا ایک شعر ہے،

حلفت فلم اترک لنفسک ریبۃ — ولیس وراء اللہ للمرء مذهب

مین قسم کھاکر کہتا ہون تاکہ تیرے دل مین کوئی شبہ باقی نہ رہے — اور خدا سے بڑھکر انسان کے لئے اور کیا ہے،

اس شعر مین نابغہ نے **حلف** کا استعمال کیا ہے، اور اسی لئے وہ ذلیل الطبع اور …

شخص خیال جاتا ہے، اگر حلف کی بجائے اقسمت کا لفظ ہوتا تو یہ بات نہ ہوتی،
خدا نے قرآن مجید مین یہ لفظ اپنی نسبت کہین نہین استعمال کیا ہے، بلکہ حلاف کی ذلت
بیان کی ہے، چنانچہ فرمایا، ولا تطع کل حلاف مھین،
سورہ براۃ مین سات جگہ یہ لفظ آیا ہے، لیکن ہر جگہ منافقون کی زبان سے ہی، کیونکہ
منافقین ہمیشہ اسے ذلیل طریقہ سے قسم کھاتے تھے، سورۂ براۃ کے سوا اور جہان یہ لفظ آیا
ہے، منافقین کی زبان سے آیا ہے،

قضا و قدر

اور

قرآن مجید

وہ مسائل جن کی گرہ، فلسفہ اور مذہب دونون مین سے ایک بھی نہ کھول سکا ان مین سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے، فلسفہ کو مذہب پر تقدم کا دعویٰ ہے، اس لئے ہم کو پہلے اس سے پوچھنا چاہئے کہ وہ اس عقدہ کو کہان تک حل کر سکا لیکن پہلے مقدمات ذیل کو ذہن نشین کر لینا چاہئے

(۱) ہر چیز کی فطرت خدا یا قدرت نے جس خاص طرح کی پیدا کی ہے، اس کے خلاف اس سے کوئی فعل سرزد نہین ہو سکتا، جماد حرکت نہین کر سکتا، نباتات بات نہین کر سکتے، جانور فلسفہ و منطق نہین سیکھ سکتے، آدمی روح مجرد نہین بن سکتا، انسان کے افراد کی بھی مختلف فطرتین ہین، جو شخص فطرۃً شریر ہے نیک نہین ہو سکتا، کودن ذہین نہین بن سکتا، احمق عاقل نہین کیا جا سکتا،

شاید تم کو یہ خیال ہو کہ تعلیم و تربیت سے اکثر لوگون کی حالتین بدل جاتی ہین، شریر لڑکا نیک چلن ہو جاتا ہے، مسرف کفایت شعار بن جاتے ہین، بدمزاج حلیم ہو جاتے ہین، لیکن یہ بھی ان کی فطرت ہی کا اثر ہے، یعنی ان کی فطرت ہی مین اصلاح اور ترقی کا مادہ ہوتا ہے، جس نسبت سے یہ مادہ ہوتا ہے، اسی قدر وہ اصلاح پذیر ہو سکتے ہین، لیکن جن کی فطرت مین اصلاح کا مادہ نہین، یا ہے لیکن ایک خاص درجہ تک ہے، وہ اصلاح پذیر نہین ہو سکتے

یا اس درجہ سے آگے نہین بڑھ سکتے،

(۲) جس چیز کو ہم ارادہ اور اختیار کہتے ہین یہ بھی مجبوری کی ایک صورت ہے، فرض کرو ایک شخص فطرۃً نفس پرست ہے، اس کو یہ موقع ہات آیا کہ تنہائی ہے، ایک دل فریب صورت سامنے ہے اس کی طرف سے خود استدعا ہے، اس حالت مین یہ شخص اگر بدکاری کا ارادہ کرتا ہے، تو یہ ارادہ اس کے اختیار کی چیز نہین، عام طور پر لوگ کہا کرتے ہین کہ خواہش اور ارادہ ہماری اختیاری باتین ہین، لیکن یہ ایک دقیق غلطی ہے، کسی کام کی خواہش کے جب تمام اسباب جمع ہو جائین گے، تو ممکن نہین کہ خواہش نہ پیدا ہو، اس لئے خواہش خود بھی ایک مجبوری کی بات ہے، ہمارا کسی چیز کو اختیار کرنا بھی دراصل ہمارے اختیار مین نہین،

جو شخص کسی کام پر مجبور ہے، یعنی وہ فعل اس سے مجبوراً سرزد ہوتا ہے، اس کی نسبت اس پر کچھ الزام نہین عاید کیا جا سکتا، کسی شخص کے ہاتھ مین اگر رعشہ ہو، اور وہ لکھ نہ سکے تو کوئی شخص اس کو نہ لکھنے پر ملامت نہین کر سکتا،

ان مقدمات کے ثابت ہونے کے بعد، اب فلسفہ سے پوچھنا چاہئے کہ انسان مختار ہے یا مجبور، یا دوسرے لفظون مین یون کہو کہ انسان جو نیکی یا بدی کرتا ہے، تو یہ اس کا اختیاری فعل ہے، یا اضطراری؟ اگر انسان خود مختار ہے تو مذکورۂ بالا مقدمات کا جن سے قطعاً ثابت ہوتا ہے، کہ انسان کا کوئی فعل اختیاری نہین، کیا جواب ہے، اور اگر مجبور ہے تو پھر کسی شخص کو کسی قسم کا الزام کیونکر دیا جا سکتا ہے، بدچلن شریر، دنی الطبع مفسد انگیز اشخاص کو ہم کس بناپر برا کہہ سکتے ہین،

مذہب مین ہمیشہ سے دو فرقے ہوتے چلے آئے ہین، جبریہ، قدریہ، عام خیال یہ ہے کہ یہ الفاظ اسلام نے پیدا کئے ہین، آج کل یوروپین قومین مسلمانون کے تنزل کی

بڑی وجہ یہ بتاتی ہین کہ اسلام جبریہ عقیدہ کی تعلیم کرتا ہے، اسی بنا پر مسلمانون کی زبان پر یہ الفاظ چڑھے ہوئے ہین، ,,جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے،، قسمت مین یہی لکھا تھا،، نوشتۂ تقدیر کو کون مٹا سکتا ہے،، یہی وجہ ہے کہ مسلمانون پر جو آفتین آتی ہین، بجائے اس کے کہ وہ مستعد ہو کر اس کا مقابلہ کرین، یہ کہہ کر رہ جاتے ہین کہ تقدیر کا کون مقابلہ کر سکتا ہے،

لیکن یہ ایک تاریخی غلطی ہے، جس طرح اسلام مین قدریہ و جبریہ، دو فرقے ہین تمام اور مذاہب مین بھی ہمیشہ سے یہ دونون فرقے موجود تھے، اور جس طرح مسلمان تقدیر کے قائل ہین، عیسائیون مین بھی بڑے بڑے پیشوایانِ مذہب اس کے قائل رہتے آئے ہین، عیسائیون مین یہ فرقے لوابولا اور ڈوبینگ کے نام سے موسوم تھے، اور ان دونون مین باہم سخت اختلاف اور نزاع تھی، ۱۵۹۰ء سے لیکر، سترھوین صدی کے اخیر تک دونون فرقون مین سخت لڑائیان رہین، اور گو پوپ نے اس کی روک کے لئے بہت سے احکام صادر کئے، لیکن ان کا کچھ اثر نہ ہوا، اخیر زمانہ مین ہنیس اور مولن مین جو اپنے اپنے فرقہ کے پیشوا تھے بڑی معرکہ آرائیان ہوئین ہنیس سولھوین صدی عیسوی مین تھا، اور علم کلام کا درس دیتا تھا، اس نے ہیکل کے سامنے کھڑے ہو کر مولن کی کتاب کو مردود قرار دیا، اور ثابت کیا کہ یہ کتاب دراصل بیلاگ کے خیالات سے ماخوذ ہے، جو پانچوین صدی عیسوی مین تھا، اور جس کا یہ مذہب تھا کہ حضرت آدم نے جو گناہ کیا، وہ پہلے سے قضائے الٰہی مین نہ تھا اور اسی لئے وہ خود اس گناہ کے ذمہ دار تھے، مولن نے اس کے مقابلہ مین ثابت کیا کہ ہنیس درحقیقت کلفن کا پیرو ہے، جس نے سولھوین صدی عیسوی مین پراٹسٹنٹ مذہب کی بنیاد قائم کی تھی، بالآخر یہ جھگڑے پوپ کے سامنے پیش کئے گئے، لیکن پوپ کوئی فیصلہ نہ کر سکا، کلیمنٹ ہشتم سے لیکر پولس پنجم تک یہ مقدمہ یون ہی پڑا رہا، اسپین کے سفیر نے

ڈومینک فرقہ کی سفارش بھی کی، لیکن پولس نے کچھ فیصلہ نہ کیا، اور یہ اجازت دی کہ دونون فرقے آزادی سے اپنے اپنے خیالات شایع کرین،

بنیس بالکل جبر کا قائل تھا، وہ کہا کرتا تھا کہ خدا براہ راست، تمام چیزون کی علت ہے، اور جو کچھ ہوتا ہے اس کے حکم سے ہوتا ہے، لیکن چونکہ اس سے بھی انکار نہین کیا جا سکتا تھا کہ انسان مین ایک قوت اختیاری پائی جاتی ہے' اس لئے بنیس کے جانشینون نے یہ قرار دیا کہ خدا انسان مین ارادہ پیدا کرتا ہے، اور ارادہ خود مختار ہے، اس لئے انسان اپنے ارادہ مین بالکل آزاد ہے،

بالآخر ایک تیسرا مذہب ایجاد ہوا یعنی یہ کہ خدا بھی فاعل مختار ہے، اور انسان بھی' اس مذہب کا مدوِن **بوسویہ** تھا اب تک اس مسئلہ کے متعلق صرف دو لفظ استعمال کئے جاتے تھے، تقدیر اور اختیار، بوسویہ نے تیسرا لفظ **تقدیر معلق** ایجاد کیا بوسویہ نے اِس مسلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی جسمین اُس نے انسان کا خود مختار ہونا ثابت کیا، وہ کہتا ہی کہ ایک سچی بات دوسری سچی بات کو مٹا نہین سکتی، اس سے ہرگز انکار نہین ہو سکتا کہ خدا فاعل مطلق ہے، لیکن اس سے بھی انکار نہین کیا جا سکتا کہ انسان کو بھی اپنے افعال کا اختیار حاصل ہے، بے شبہہ ان دونون باتون مین تناقض نظر آتا ہے، لیکن اس مین عقل کو دخل نہین دینا چاہئے، کیونکہ یہ مسئلہ عقل انسانی کی حد سے باہر ہے، اس سلسلہ کے دونون سرے ہات مین لینے چاہئین، لیکن جو کڑی ان دونون سرون کو باہم ملاتی ہے، وہ ہماری سمجھ سے باہر ہے[1]' (دیکھو رسالۃ الاسلام مصنفہ پروفیسر ہنری دی کاستری فرانسیسی، مترجم

---

[1] امام رازی نے مطالب عالیہ مین بالکل یہی تقریر کی ہی، لیکن امام صاحب، بوسویہ سے پہلے تھے، اس لئے اسکو توارد سمجھنا چاہئے، اور اگر سرقہ ہو تو بوسویہ اس جرم کا مجرم ہوگا نہ امام رازی،

بزبان عربی مطبوعہ مصر فصل پنجم از صفحہ ۹۰ تا صفحہ ۹۱)

اسلام مین نہایت ابتدائی زمانہ سے یہ بحث شروع ہو گئی تھی، اگرچہ اس کی اصلی وجہ یہ تھی کہ قرآن مجید مین اس کے متعلق بظاہر دونون قسم کی آیتین آئی ہین، لیکن اس کی طرف خیال رجوع ہونے کا سبب یہ ہوا کہ **بنو اُمیہ** کے زمانہ مین جو ظلم اور تعدی جاری تھی، اہل عرب اپنی فطری آزادی کی وجہ سے اس پر اعتراض کرتے تھے، اس کے جواب مین بنو امیہ کے طرفدار کہتے تھے کہ دنیا مین جو کچھ ہوتا ہے، خدا کی مرضی سے ہوتا ہے، اس لئے کسی کو دم نہین مارنا چاہئے، **معبد جھنی** نے حضرت حسن بصری سے پوچھا کہ کیا بنو اُمیہ کا یہ عذر صحیح ہے، انھون نے کہا یہ خدا کے دشمن جھوٹ کہتے ہین، معبد نے اس کے بعد علانیہ بغاوت کا علم بلند کیا اور جان سے مارا گیا، یہ پہلا دن تھا کہ اس مسئلہ کا اعلان ہوا،

چوتھی صدی کے آغاز مین امام ابوالحسن اشعری نے **جبر و قدر** کے درمیان مین ایک تیسرا طریقہ ایجاد کیا، اور اس کا نام کسب رکھا، یعنی یہ کہ انسان اپنے افعال کا **کاسب** ہے، فاعل نہین،، انسان کو اپنے افعال پر قدرت حاصل ہے، لیکن یہ **قدرت** کچھ اثر نہین رکھتی، قدرت کو تسلیم کرنا اور پھر یہ کہنا کہ قدرت کا کچھ اثر نہین گویا یہ کہنا ہے کہ ایک چیز ہے اور پھر نہین ہے، اسی بنا پر یہ فقرہ مشہور ہے کہ تین چیزین علم کلام کے عجائبات مین سے ہین، ان مین سے ایک امام اشعری کا کسب ہے، اسی بنا پر امام الحرمین نے اس مذہب سے بالکل انکار کیا، چنانچہ اس کی تفصیل ابن القیم کی کتاب شفاء العلیل مین مذکور ہے،

قرآن مجید مین اس مسئلہ کے متعلق دونون قسم کی آیتین آئی ہین،، امام ابوالحسن اشعری اور ان کے پیرو جن آیتون سے استدلال کرتے ہین، حسب ذیل ہین،

---

[1] مقریزی ج دوم ص ۳۵۶ مطبوعہ مصر،

جن آیتون سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو کچھ اختیار نہین،

لیس لک من الامر شیٴ، — تجھ کو کام مین کچھ اختیار نہین،

قل کل من عند اللہ، — کہدے کہ سب خدا کی طرف سے ہے،

وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ — اور تم کسی بات کی خواہش نہین کرسکتے جب تک خدا نہ چاہے

واللہ خلقکم وما تعملون، — اور خدا نے تمکو بھی پیدا کیا ہے اور تمھارے اعمال کو بھی،

اللہ خالق کل شیٴ — خدا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے،

وان تصبھم حسنة یقولوا ھذہ من عند اللہ — اور انکو کچھ بھلائی پہونچتی ہی تو کہتے ہن کہ یہ خدا کی طرف سے ہے

وان تصبھم سیئة یقولوا ھذہ من عندک — اور برائی پہونچتی ہی تو کہتے ہین کہ یہ تیری طرف سے ہے کہدے کہ یہ

قل کل من عند اللہ — سب خدا کی طرف سے ہے،

جن آیتون سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا ہی لوگون کو گمراہ کرتا ہے اور ان سے برائی کرتا ہے

یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا — خدا اس سے بہتون کو گمراہ کرتا ہی اور بہتون کو ہدایت دیتا ہے

ویضل اللہ الظالمین — اور خدا ظالمون کو گمراہ کرتا ہے،

کذلک یضل اللہ من ھو مسرف مرتاب — اسی طرح خدا اس شخص کو گمراہ کرتا ہی جو حد سے بڑھ جاتا ہی

واذا اردنا ان نھلک قریة امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا، — اور جب ہم کسی گاؤن کو خراب کرنا چاہتے ہین، تو وہان کے دولتمندون کو حکم دیتے ہین، تب وہ گناہ کرتے ہین،

جن آیتون سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کافرون اور فاسقون کو ہدایت کرنا نہین چاہتا یا ان کو ہدایت نہین کرتا،

اللہ لا یھدی القوم الکافرین — خدا کافرون کو ہدایت نہین کرتا،

اللہ لا یھدی القوم الفاسقین	خدا فاسقون کو ہدایت نہین کرتا،
واللہ لا یھدی القوم الکافرین	اور خدا کافرون کو ہدایت نہین کرتا،
ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین	بے شبہہ، خدا ظالمون کو ہدایت نہین کرتا،

(اس مضمون کی آیتین نہایت کثرت سے ہین)

وہ آیتین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدانے کافرون کو ایمان نہ لانے پر مجبور کر دیا ہے،

ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ،	خدانے اُن کے دلون اور کانون پر مہر کر دی ہے، اور انکی آنکھ پر پردہ ہے،
وجعلنا قلوبھم قاسیۃ	اور ہم نے ان کے دلون کو سخت بنا دیا،
ونطبع علی قلوبھم فھم لا یسمعون	اور ہم انکے دلون پر مہر کر دیتے ہین اس لئے وہ نہین سنتے،
کذالک یطبع اللہ علی قلوب الکافرین	اسی طرح خدا کافرون کے دل پر مہر کر دیتا ہے،
فطبع علی قلوبھم فھم لا یفقھون،	تو خدانے ان کے دلون پر مہر کر دی، اس لئے وہ نہین سمجھے،
وطبع اللہ علی قلوبھم فھم لا یعلمون،	اور خدانے انکے دلون پر مہر کر دی اس لئے وہ نہین جانتے،
اولٰئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم وسمعھم وابصارھم،	یہ وہ لوگ ہین کہ خدانے انکے دلون پر، کانون پر، اور آنکھون پر مہر کر دی،

(اس مضمون کی اور بہت سی آیتین ہین)

وہ آیتین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اگر چاہتا تو سب کو ہدایت کرتا، لیکن اس نے یہ چاہا ہی نہین،

ولو شاء اللہ لجمعھم علی الھدی	اگر خدا چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر متفق کر دیتا،
ولو شئنا لاٰتینا کل نفس ھدٰھا،	اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دیتے،

ولکن حق القول منی لاملأن جھنم من الجنۃ والناس اجمعین،
لیکن ہماری یہ بات طے ہوگئی ہے کہ ہم دوزخ کو آدمیون اور جنون سے بھرین گے،

ولوشاء ربک لامن من فی الارض کلھم جمیعا
اور اگر تیرا خدا چاہتا تو دنیا مین جس قدر آدمی ہین سب ایمان لاتے،

ولقد ذرأنا لجھنم کثیرا من الجن والانس
اور ہم نے بہت سے آدمی اور جن دوزخ کے لئے پیدا کئے،

وہ آیتین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا ہی نے شیاطین اور بدکارون کو اس کام پر مقرر کیا ہے، کہ وہ لوگون کو گمراہ کرین،

الم تر انا ارسلنا الشیاطین علی الکفرین تؤزھم ازا
تو نے نہین دیکھا کہ ہم نے شیطانون کو کافرون پر مقرر کیا،

وجعلناھم ائمۃ یدعون الی النار
اور ہم نے انکو پیشوا بنایا ہو کہ لوگون کو آگ (دوزخ) کیطرف بلائین،

آیات مذکورہ بالا کے مقابلہ مین حسب ذیل آیتون سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کسی کو گمراہ نہین کرتا، گمراہ کرنا شیطان کا کام ہے، انسان اپنے افعال کا آپ ذمہ دار ہے،

یرید الشیطن ان یضلھم ضلالا بعیدا
شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بہت زیادہ گمراہ کردے،

من ضل فانما یضل علیھا،
جو شخص گمراہ ہوتا ہے، تو اپنے کئے سے ہوتا ہے،

ولقد اضل منکم جبلا کثیرا افلم تکونوا تعقلون،
شیطان نے تم مین سے اکثرون کو گمراہ کیا تو کیا تم کو عقل نہ تھی،

ان اللہ لایظلم الناس شیئا ولکن الناس انفسھم یظلمون،
خدا لوگون پر مطلق ظلم نہین کرتا، لیکن لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہین،

لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت
انسان کو جو کچھ نفع وضرر پہونچتا ہے اپنے فعل کی بدولت پہنچتا ہے،

اولما اصابتکم مصیبۃ قد اصبتم مثلیھا قلتم انی ھذا قل ھو من عند انفسکم
کیا جب تم پر کوئی ایسی ہی مصیبت آئی جیسے پہلے بھی آچکی ہے، تو تم کہتے ہو کہ یہ کہان سے آئی کہدو کہ یہ تمھاری ذات سے ہے،

ما اصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة فمن نفسك	تجھ کو جو بھلائی پہونچتی ہی، وہ خدا کی طرف سے ہی اور جو برائی پہونچتی ہے وہ تیرے نفس کی وجہ سے.
ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم،	خدا کسی قوم کی حالت نہین بدلتا جبتک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے
ما اصابكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم،	تم پر جو مصیبت آتی ہی تو تمھارے کئے کی وجہ سے آتی ہے،
ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت ايدي الناس	خشکی اور تری مین فساد پھیل گیا لوگونکے کرتوت کی وجہ سے
ولا يرضى لعباده الكفر،	خدا اپنے بندون کے لئے کفر کو نہین پسند کرتا،
ان الله لا يامر بالفحشاء	خدا بری بات کا حکم نہین دیتا،
وقال الذين اشركوا لو شاء الله ما عبدنا من دونه من شيء ؕ	اور مشرکین کہتے ہین کہ اگر خدا چاہتا تو ہم خدا کے سوا اور کسی چیز کی عبادت نہ کرتے.
سيقول الذين اشركوا لو شاء الله ما اشركنا ولا آباءنا ؕ	مشرکین یہ کہین گے کہ اگر خدا چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا،

دونون قسم کی آیتین بظاہر برابر کا درجہ رکھتی ہین، ایک آیت مین صاف تصریح ہی کہ خدا بری بات کا حکم نہین دیتا، دوسری آیت مین ہے، کہ جب ہم کسی مقام کو برباد کرنا چاہتے ہین، تو وہان کے دولتمندون کو حکم دیتے ہین کہ وہ گناہ کرین، ایک آیت مین ہے کہ جو مصیبت آتی ہے تمھاری وجہ سے آتی ہے، دوسری آیت مین ہے کہ یہ نہ کہو بلکہ سب خدا کی طرف سے ہے، ان آیتون پر اچھی طرح غور نہ کرنے نے جبریہ و قدریہ دو فرقے پیدا کر دیئے اشاعرہ نے دونون ڈانڈون کو ملانا چاہا لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ تیسرا طریقہ جو انھون نے اختیار کیا، وہ دونون سے بدتر تھا، اسی بنا پر امام رازی نے صاف صاف جبر کا طریقہ اختیار کیا، چنانچہ تفسیر کبیر مین

اُن تمام آیتون کی تاویل کی ہے، جس سے انسان کا مختار ہونا ثابت ہوتا ہی،

ایک نکتہ یہان، خاص طرح پر یاد رکھنے کے قابل ہے، تم نے دیکھ لیا کہ آیتین دونون قسم کی موجود ہین، اور ہر قسم کی آیت اپنے مفہوم پر گویا نص قطعی ہی، اس لئے اگر صرف نصوص قرآنی پر نظر ہو، تو جبر و قدر، دونون مذہب مین سے جون سا چاہے، انسان اختیار کر سکتا ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ دونون قسم کی آیتین بظاہر، اس قدر مساوی الدرجہ ہین کہ انسان کسی پہلو کو چھوڑ نہین سکتا، باوجود اس کے دو مخالف گروہ جو پیدا ہوئے، اور دونون نے اپنے فریق مخالف کو کافر قرار دیا، اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے ؟ یہ دراصل اُس اختلافِ طبائع کا اثر ہے، جو انسان کے مختلف افراد مین پایا جاتا ہے، بعض آدمی بالطبع کاہل، پست ہمت، ضعیف الارادہ ہوتے ہین، اس لئے اُن کا میلانِ طبع وہ سہارے ڈھونڈھتا ہے، جن سے انسان کا مجبور و لاچار ہونا ثابت ہے، بخلاف اس کے جو اشخاص فطرۃً عالی حوصلہ، بلند ہمت راسخ العزم قوی الارادہ ہوتے ہین، ان کی نگاہین، اُن باتون پر پڑتی ہین، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان تمام دنیا کا حکمران ہے، اور اپنے عزم اور ارادہ سے چاہے تو تمام عالم کے مرقعہ کو دفعۃً الٹ پلٹ کر دے،

سب سے پہلے اس پر غور کرنا چاہئے کہ قرآن مجید کی مختلف آیتون مین بظاہر جو تعارض معلوم ہوتا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے،

(۱) قرآن مجید مین جہان جہان خدا کی مشیت یا حکم اور ارادہ کا ذکر ہے، اسکی دو قسمین ہین۔ فطری اور شرعی، خدا نے جن چیزون کی جو فطرت بنائی ہے اس کو بھی حکم اور ارادہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے،

انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ   اس کا حال یہ ہو کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہو تو اس سے

کن فیکون، کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے،

یہ ظاہر ہے کہ خلقتِ اشیاء کے وقت خدا یہ لفظ بولا نہین کرتا،

وکان امر اللہ مفعولا، اور خدا کا حکم ہو کر رہتا ہے،

یہ وہی فطری حکم ہے، جو خواہ مخواہ ہو کر رہتا ہے، ورنہ خدا کے شرعی احکام تو اکثر لوگ بجا نہین لاتے، اور اس کی تعمیل کا واقع ہونا ضرور نہین،

واذا اردنا ان نھلک قریۃ جب ہم کسی گاؤن کو برباد کرنا چاہتے ہین، تو وہان کے
امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا لوگون کو حکم دیتے ہین، کہ وہ فسق کرین،

یہ بھی وہی فطری حکم ہے، یعنی جب کوئی مقام تباہ ہوتا ہے، تو وہان کے لوگون کی طبیعتون مین بدکاری کا مادہ پیدا کیا جاتا ہے، اس لئے وہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہین، اور اس کا نتیجہ تباہی ہوتا ہے،

انا ارسلنا الشیطین علی الکافرین ہم نے شیطانون کو کافرون پر مقرر کیا ہے، کہ وہ ان کو
تؤزھم ازا، برانگیختہ کرین،

یہان بھی یہ مراد نہین کہ خدا شیطانون کو حکم دیتا ہے، کہ جاؤ اور کافرون کو گناہ کی ترغیب دو، بلکہ مقصود یہ ہے کہ خدا نے کافرون کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ ان مین برائی کا مادہ شروع ہی سے موجود ہوتا ہے،

ایک آیت مین ہے کہ "خدا نے زمین اور آسمان سے کہا کہ خوشی یا زبردستی جس طرح سے ہو حاضر ہو، دونون نے کہا کہ ہم خوشی سے حاضر ہین"، یہ بھی اسی فطری حالت کا بیان ہے، یعنی آسمان اور زمین کی فطرت ایسی بنائی گئی ہے، کہ ان سے وہی حرکات سرزد ہوتے ہین جو ان کی فطرت کا اقتضا ہے،

محدث ابن القیم نے اپنی کتاب شفاء العلیل (مطبوعہ مصر صفحہ ۲۸۰) مین ایک خاص باب باندھا ہے، جس کی سرخی یہ ہے،

الباب التاسع والعشرون فی انقسام القضاء والحکم والارادة والکتابة والامر والاذن والجعل والکلمات والبعث والارسال والتحریم والانشاء الی کونی متعلق بخلقه والی دینی متعلق بامره

انتیسوان باب اس بیان مین کہ خدا کا فیصلہ، حکم، ارادہ، کتابت، امر، اجازت کسی چیز کو مقرر کرنا، بات کرنا، سمجھنا، حرام کرنا، پیدا کرنا ان سب کی دو قسمین ہین، ایک کونی (فطری) جو فطرت سے متعلق ہی، اور دوسری شرعی جو احکام سے متعلق ہے،

محدث موصوف نے اس باب مین قرآن مجید کی ان تمام آیتون کا استقصا کیا ہے، جن مین یہ الفاظ (ارادہ، حکم وغیرہ) فطرت اور اصل خلقت کے معنی مین آئے ہین، چنانچہ ہم نے جو آیتین اوپر نقل کین، بجز اخیر آیت کے باقی تمام محدث موصوف نے بھی نقل کی ہین، اور بتایا ہے کہ ان سے صرف فطری اور خلقی حالت مراد ہے،

جن آیتون مین یہ مذکور ہے، کہ خدا بدکارون کو برائی کا حکم دیتا ہے، اس سے فطری حالت مراد ہے، اور جن آیتون مین یہ مضمون ہے کہ خدا کسی شخص کو برائی کا حکم نہین دیتا اس سے شرعی حکم مراد ہے، اس بنا پر ان دونون آیتون مین کسی طرح کا تعارض نہین؛ باقی یہ امر کہ خدا نے ایسی فطرت کیون بنائی جس سے برائی سرزد ہو، اس کا جواب آگے آئے گا،

(۲) خدا نے تمام عالم مین علة و معلول کا سلسلہ قایم کیا ہے، **اشاعرہ** گو اس اصول کے منکر ہین، لیکن ان کے سوا تمام حنفیہ اور محدثین وغیرہ اسی کے قایل ہین، محدث ابن القیم

نے شفاء العلیل مین اس مضمون کو نہایت تفصیل سے لکھاہے، اور ثابت کیاہے کہ اس سلسلہ کا انکار کرنا بداہت اور شریعت دونون کا انکار کرنا ہی چنانچہ لکھتے ہین،

فانکار الاسباب و القوی و الطبائع جحد للضروریات وقدح فی العقول والفطر ومکابرۃ للحس وجحد للشرع	تو سلسلۂ اسباب اور قویٰ اور اشیاء کی طبیعت کا انکار کرنا بداہت کا انکار ہے، اور عقل اور فطرت پر اعتراض کرنا ہے، اور محسوسات اور شریعت کا انکار کرنا ہے،

ذرا آگے چل کر لکھتے ہین :-

بل الموجودات کلھا اسباب ومسببات والشرع کلہ اسباب ومسببات ×× و القرآن مملوء من اثبات الاسباب	بلکہ تمام موجودات اسباب اور مسببات ہین، اور شریعت تمامتر اسباب اور مسببات ہین، اور قرآن اسباب کے اثبات سے بھرا ہواہے،

پھر آگے چل کر لکھتے ہین :-

ولو تتبعنا ما یفید اثبات الاسباب من القرآن والسنۃ لزاد علی عشرۃ الاف موضع ولم نقل ذلک مبالغۃ بل حقیقۃ ویکفی الحس والعقل والنظر،[1]	اور اگر ہم ان تصریحات کا تفحص کرین جن سے قرآن مجید اور حدیث سے سلسلۂ اسباب کا ثبوت ہوتاہے، تو دس ہزار سے زیادہ تصریحات نکلین گی، اور ہم نے یہ بات مبالغۃً نہین کہی بلکہ واقعی کہی، اور حس اور عقل اور نظر کی گواہی کافی ہے،

لیکن یہ تمام سلسلۂ اسباب خود قایم نہین ہوگیا، بلکہ خدانے قائم کیاہے، اب ان متعارض آیتون پر لحاظ کرو جنمین انسان کے افعال کو کہین خود انسان کی طرف منسوب کیاہے، اور کہین یہ کہاہے کہ سب خدا کے افعال ہین، انسان کی طرف افعال کا منسوب کرنا، اِسی

---

[1] شفاء العلیل ص ۱۸۸ و ۱۸۹،

سلسلۂ اسباب کے لحاظ سے ہے، انسان مین خدا نے ارادہ اور خواہش کی قوت پیدا کی ہے، یہ خواہش انسان کو کام کرنے پر آمادہ کرتی ہے، اور اس کام کا سبب ہوتی ہے لیکن چونکہ یہ تمام سلسلۂ اسباب خود خدا کا قایم کیا ہوا ہے، اس لئے یہ کہنا بھی صحیح ہے، کہ افعال انسانی کی علت خدا ہی ہے، اسی بنا پر قرآن مجید مین کہا ہے کہ

لا تشاؤن الا ان یشاء اللہ، تم کسی چیز کی خواہش نہین کر سکتے جب تک کہ خدا نہ چاہے'

اس آیت کا یہ مطلب ہے، کہ اگر خدا نے انسان کی فطرت مین خواہش کی قوت نہ رکھی ہوتی، اور خدا انسان کا صاحبِ ارادہ ہونا نہ چاہتا تو انسان مین خواہش کا مادہ ہی نہ ہوتا، اس بنا پر یہ کہنا بالکل صحیح ہے، کہ خدا نہ چاہتا تو انسان کسی چیز کو چاہ بھی نہین سکتا،

ان دونون پہلوؤن کی تصریح کرنے کی ضرورت یہ تھی کہ اسلام سے پہلے افعال انسانی کی نسبت دو خیال تھے ایک یہ کہ خدا کوئی چیز نہین، انسان خود بخود سلسلۂ فطرت کے اقتضا سے پیدا ہوا، اور ہر قسم کی قوتین خود بخود اس کے ساتھ ساتھ پیدا ہوئین، انھین قوتون کی بنا پر اس سے افعال صادر ہوتے ہین، اور ان افعال کا وہ خود خالق ہے،

اس کے مقابل دوسرا فرقہ تھا جس کا یہ مذہب تھا، کہ انسان مجبور محض ہے، وہ خود کچھ نہین کرتا، اور نہ کر سکتا، بلکہ اس سے خدا کراتا ہے،

اسلام نے ان دونون خیالون کو غلط ثابت کرنا چاہا، اس لئے ضرور تھا کہ جہان وہ یہ بتائے کہ انسان اپنے افعال کا خالق ہے، اور اپنے ہر فعل کا ذمہ دار ہے، ساتھ ہی یہ بھی بتائے کہ انسان خود بخود نہین پیدا ہوا، بلکہ اس کو، اور اس مین جس قدر قوتین موجود ہین، سب خدا نے پیدا کین، اس بنا پر یہ کہنا صحیح ہے کہ کل من عند اللہ یعنی سب خدا کی طرف سے ہے،

(۳) انسانون کی فطرت خدا نے مختلف طور کی پیدا کی ہے بعض فطرۃً شریر، بدکار، ضدی اور گردن کش ہوتے ہین، اس فطرت کو قرآن مجید مین ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ خدا نے ان کے دلون پر مہر کردی ہے، انکی آنکھون پر پردہ ڈال دیا ہے، ان کے آگے اور پیچھے دیوارین کھڑی کردی ہین، وہ اندھے بہرے اور گونگے ہین،

بعض کی فطرت اس طرح کی بنائی ہے کہ ابتدا مین اگر وہ برائی سے بچنا چاہین تو بچ جائین لیکن جب وہ احتیاط نہین کرتے اور اپنے آپ کو بری صحبتون مین ڈال دیتے ہین، تو برائی کا مادہ جڑ پکڑ جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ وہ پکے شریر اور بدکار بنجاتے ہین، یہان تک کہ اب اگر وہ برائی سے اپنے آپ کو روکنا بھی چاہین، تو نہین روک سکتے، اس قسم کی فطرت کو قرآن مجید مین ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے،

فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا.	انکے دل مین بیماری تھی تو خدا نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا،
فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم.	تو جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو خدا نے بھی ان کو ٹیڑھا کر دیا،
بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون.	بلکہ جو کچھ انھون نے کیا تھا وہ ان کے دل پر چھا گیا،
بل طبع اللہ علیھا بکفرھم،	بلکہ خدا نے ان کی کفر کی وجہ سے ان کے دل پر مہر کر دی.

نیکی کی فطرت کا بھی یہی حال ہے، یعنی بعض فطرۃً نیک اور ہمہ تن نیک ہوتے ہین، بعض مین نیکی کا معمولی مادہ ہوتا ہے، لیکن اچھی صحبت اور تعلیم و تربیت سے ترقی کرتا ہے، اس دوسری فطرت کو قرآن مجید مین اس طرح تعبیر کیا ہے:۔

والذین اھتدوا زادھم ھدی	اور جو لوگ ہدایت پر چلتے ہین تو خدا ان کی ہدایت کو اور بڑھا دیتا ہے،
قولوا قولا سدیدا یصلح لکم اعمالکم	تم ٹھیک بات کہو تو خدا تمھارے کام کو ٹھیک کر دیگا،

(۴) خدا نے تمام اشیاء کو خاص خاص فطرت پر پیدا کیا ہے، اور کوئی چیز اپنی فطرت سے بدل نہین سکتی، یعنی جس چیز کی جو فطرت ہے، ضرور اس سے ظہور مین آئیگی، اس کو قرآن مجید مین مختلف طریقون سے بیان کیا ہے،

لا تبدیل لخلق اللہ،	خدا کی خلقت مین تبدیلی نہین،
ما تری فی خلق الرحمٰن من تفاوت،	تو خدا کی خلقت مین ناہمواری نہ دیکھے گا،
ربنا الذی اعطی کل شیٔ خلقہ ثم ھدیٰ،	ہمارا خدا وہ ہے جس نے ہر شے کو پیدا کیا، پھر اسکو راستہ دکھایا
لن تجد لسنۃ اللہ تحویلا،	تو خدا کے طریقہ اور عادت مین ادل بدل نہ پائے گا،
لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا.	تو خدا کے طریقہ اور عادت مین تبدیلی نہ پائے گا،
انا کل شیٔ خلقناہ بقدر.	ہم نے ہر چیز کو ایک اندازہ خاص سے پیدا کیا،

قرآن مجید مین جابجا یہ جو بیان کیا ہے، کہ اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دیدیتے، ہم چاہتے تو تمام دنیا کا ایک ہی مذہب ہوتا، اس سے یہ مطلب نہین کہ موجودہ فطرت کے ساتھ ہر شخص ہدایت پا سکتا، اور تمام دنیا کا ایک مذہب ہو جاتا، کیونکہ آیات مذکورۂ بالا سے ثابت ہوا کہ خدا نے جس چیز کی جو فطرت بنادی ہے، اس کے خلاف نہین ہو سکتا، اس لئے موجودہ حالت مین انسانی فطرت کا جو اقتضا ہے، یعنی مختلف العقیدہ اور مختلف الافعال ہونا یہ بدل نہین سکتا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم اگر چاہتے تو انسانون کی جو فطرت ہے، اس کے خلاف دوسری فطرت پر اس کو بناتے اور اس حالت مین سب کا ایک مذہب پر ہونا ممکن تھا،

غرض قرآن مجید مین یہ مسئلہ قطعی طور پر بیان کیا گیا ہے، کہ تمام چیزین اپنی اپنی فطرت کے موافق کام کر رہی ہین، اور جس کی فطرت کا جو اثر ہے، اس سے خواہ مخواہ ظہور مین آتا ہی اسکے ساتھ (جیسا کہ اوپر گذر چکا) تمام عالم مین علۃ و معلول اور سبب و مسبب کا سلسلہ بھی قایم ہی،

ان دونون اصُول کی بناپر، انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہین، اور ان کی بناپر انسان کو جو عذاب و ثواب ہوگا یہ سب خود فطرت کا اقتضا ہے، انسان سے نیک و بد افعال کا سرزد ہونا اس کی فطرت کا اقتضا ہے، اور ان دونون افعال کی بناپر عذاب و ثواب کا وقوع مین آنا بھی خود ان افعال کی فطرت کا نتیجہ ہے، خدا نے فطرت کو پیدا کیا، لیکن پھر فطرت اپنے آثارات کو پیدا کرتی ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ خدا نے زہر پیدا کیا ہے، اور زہر مین یہ خاصیت رکھی ہے کہ جو زہر کھاتا ہے مرجاتا ہے، اب جو شخص زہر کھاتا ہے، وہ خود زہر کے اثر سے مرتا ہے، امام غزالی عذاب و ثواب کی حقیقت کے متعلق مضنون بہ علی غیر اہلہ مین لکھتے ہین :-

اما العقاب علی ترک الامر و ارتکاب النھی فلیس العقاب من اللہ تعالی غضباً و انتقاماً و مثال ذلک ان من غادر الوقاع عاقبہ اللہ تعالی بعدم الولد و من ترک الاکل و الشرب عاقبہ بالجوع و العطش فکذلک نسبۃ الطاعات و المعاصی الی آلام الاخرۃ و لذاتھا من غیر فرق فالسوال عن انہ لم تفضی المعصیۃ الی العقاب کالسوال فی انہ لم یھلک الحیوان عن السم و لم یودی السم الی الھلاک۔

احکام کے چھوڑنے اور منہیات کے کرنے پر عذاب کا ہونا، تو یہ اس بناپر نہین کہ خدا کو غصہ آتا ہے اور وہ انتقام لیتا ہے، بلکہ اس کی مثال یہ ہے کہ جو شخص عورت کے ساتھ ہم بستری نہ کریگا خدا اس کو اولاد نہ دیگا، اور جو شخص کھانا پینا چھوڑ دیگا، خدا اس کو بھوک اور پیاس کا عذاب دیگا، عبادت اور گناہ سے قیامت مین جو عذاب و ثواب ہوگا اس کی بعینہ یہی مثال ہے، اس بناپر یہ پوچھنا کہ گناہ پر عذاب کیون ہوتا ہے، گویا یہ پوچھنا ہے کہ جاندار زہر سے کیون مرجاتا ہے، اور زہر کیون مار ڈالتا ہے؛

غرض یہ سب اسی قانون فطرت کے سلسلہ مین داخل ہے، انسان کی فطرت ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ نیکی اور بدی کرتا ہے، اور نیکی وبدی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس سے انسان کی روح کو آرام اور تکلیف پہونچتی ہے، اسی کا نام عذاب و ثواب ہے، قرآن مجید مین اسی نکتہ کو یون ادا کیا ہے، ویستعجلونک بالعذاب وان جھنم لمحیطۃ بالکفرین، یعنی کفار تجھ سے کہتے ہین کہ عذاب جلدی لاؤ حالانکہ دوزخ ان کو ہر طرف سے چھائے ہوئے ہے،

(۵) اوپر کی تقریر سے اس بحث کے متعلق اگرچہ اور شبہات رفع ہوگئے، لیکن اصلی گرہ اب تک نہین کھلی، تمام اعتراضات اس مرکز پر آکر جمع ہوتے ہین، کہ پھر خدا نے ایسی فطرت ہی کیون بنائی، جس سے برائی سرزد ہو، کیا یہ ممکن نہ تھا کہ انسان فطرۃً ایسا بنایا جاتا کہ اس سے برائی سرزد ہی نہ ہوتی،

اس عقدہ کے حل کرنے کے لئے اس بات پر غور کرو کہ اگر ایک چیز مین بہت سے فائدے ہون اور کچھ نقصان بھی ہو، تو تم کیا کروگے؟ کیا اس کو بالکل چھوڑ دوگے، یا اس بنا پر اختیار کروگے کہ گو تھوڑا سا نقصان ہے، لیکن فائدے بہت زیادہ ہین، تمام دنیا کا کاروبار اسی اصول پر چل رہا ہے، اولاد سے زیادہ انسان کو کیا چیز عزیز ہے لیکن اولاد کی پرورش اور پرداخت مین کن کن مصیبتون کا سامنا ہے، خود انسان کی زندگی جو اس کو سب سے زیادہ عزیز ہے کس قدر مصائب سے بھری ہوئی ہے، تاہم اُن مسرتون اور خوشیون کے مقابلہ مین جو انسان کو زندگی کی وجہ سے یا اولاد سے حاصل ہوتی ہین، یہ تکلیفین ناقابل اعتنا ہین، آگ سے ہمارے سیکڑون کام نکلتے ہین، کیا ہم اس کو اس بنا پر چھوڑ سکتے ہین، کہ اس سے کبھی کبھی ہمارے کپڑون مین آگ بھی لگ جاتی ہے،

انسان کی فطرت کے متعلق چار احتمال پیدا ہوسکتے تھے، ایسا انسان بنایا جاتا جو ہمہ تن

یکی ہوتا، ہمہ تن بدی ہوتا، نیکی کا مادہ اس مین زیادہ ہوتا، بدی کا مادہ زیادہ ہوتا، دوسری اور چوتھی قسم حکمت اور انصاف کے خلاف تھی، اس لئے خدا نے اس قسم کی فطرت نہین بنائی، پہلی اور تیسری قسم عین حکمت تھی، اس لئے انسان اسی فطرت کے موافق پیدا کیا گیا۔

شاید تم کو خیال ہو کہ بعض انسان ہمہ تن شرارت ہوتے ہین، اس لئے ان کا پیدا کرنا، خلاف حکمت ہے، لیکن یہ غلطی ہے، جس کو تم ہمہ تن شرارت کہتے ہو، اس کے ان تمام افعال واقوال پر نظر ڈالو، جو اس سے رات دن سرزد ہوتے ہین، ان مین بہت سے بہت فی صدی دس کام برے ہون گے، جو شخص بے انتہا جھوٹ بولنے کا عادی ہے، وہ بھی دن رات مین بہ مشکل دس پانچ جھوٹ بولتا ہوگا،

غرض انسان، بلکہ دنیا مین جتنی چیزین ہین ان مین مضرت ونقصان فائدہ کے مقابلہ مین بہت کم ہے، اس لئے اگر ان چیزون کو سرے سے نہ پیدا کیا جاتا تو تھوڑے سے نقصان کے لئے بہت سے فائدون کو ترک کرنا ہوتا، اور یہ حکمت ومصلحت کے بالکل خلاف ہے، محدث ابن القیم نے اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے، ان کے چند فقرے یہ ہین،

ومن تامل هذا الوجود علم ان الخير فيه غالب وان الامراض وان كثرت فالصحة اكثر منها واللذات اكثر من الآلام والعافية اعظم من البلاء ×× × و مثال ذلك النار فان في وجودها منافع كثيرة وفيها مفاسد لكن اذا قابلنا بين مصالحها ومفاسدها لم تكن لمفاسدها

اور جو شخص عالم موجودات پر غور کریگا، اس کو معلوم ہوگا کہ اس مین بھلائی کا پلہ بھاری ہے، بیماریان گو بہت ہین، لیکن صحت کے اعتبار سے کم ہین، تکلیفون کے مقابلہ مین لذتین زیادہ ہین، آرام کے مقابلہ مین بلائین کم ہین، اس کی مثال آگ ہے، آگ مین بہت سے فائدے ہین، اور نقصانات بھی ہین، لیکن فائدون کے مقابلہ مین نقصانات کی کچھ حقیقت نہین بارش

نسبة الى مصالحها وكذلك المطر والرياح	ہوا گرمی، سردی، سب کا یہی حال ہے، غرض عالم سفلی مین
والحر والبرد وبالجملة فعناصر هذا العالم	جس قدر عناصر ہین ان مین نفع اور نقصان دونون ملے
السفلی خیرها ممتزج بشرها ولكن الخير غالب[1]	ہوئے ہین، لیکن نفع کا پلہ بھاری ہے،

تمام تقریر کا حاصل یہ ہے کہ عالم سلسلۂ اسباب پر قائم ہے، سبب کے ساتھ مسبب کا وجود ضروری ہے، سلسلۂ اسباب خدا نے پیدا کیا ہے، انسان کا ارادہ اور خواہش بھی منجملہ اسباب کے ہے، اس بنا پر انسان اپنے افعال کا سبب اور خالق ہے، لیکن علة العلل ہونے کے لحاظ سے ان افعال کا خالق بھی خدا ہی ہے، انسان جو افعال کرتا ہے، اپنی فطرت کے لحاظ سے کرتا ہے، اور ان افعال کے جو لازمی نتائج ہین یعنی عذاب وثواب وہ خود بخود اسی سلسلۂ اسباب کے بنا پر وجود مین آتے ہین انسان کی فطرت مین خدا نے برائی کا مادہ بھی رکھا ہے، اور ایسا کرنا حکمت کا اقتضا تھا، ان اصول کے سمجھنے کے بعد تمام اعتراضات رفع ہو جاتے ہین، اور یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید نے اس بحث کو ہر پہلو کے لحاظ سے فیصل کر دیا ہے،

---

[1] شفاء العلیل ص ۱۸۴،

یورپ

اور

قرآن کے عدیم الصحۃ ہونیکا دعویٰ

لندن ٹائمز کے ایک آرٹیکل مورخہ ۲۵ر اپریل ۱۲ء مین دعویٰ کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کے چند ایسے نہایت قدیم اجزا ہاتھ آگئے ہین جو موجودہ قرآن شریف سے مختلف العبارۃ ہین، اور جنکی صحت پر موجودہ قرآن سے زیادہ اعتبار کیا جا سکتا ہے، قرآن مجید نے اہل کتاب کو جو سب سے بڑا طعنہ دیا تھا، وہ اس کا شیوۂ تحریف تھا جس کی بدولت توراۃ اور انجیل ہمیشہ تغیر و تبدل کے مختلف قالب بدلتی رہین، اور جس کی بدولت آج یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا ہے کہ یہ آسمانی صحایف صحت کے لحاظ سے زمینی کتابون کے ساتھ بھی برابری کا دعویٰ کر سکتے ہین یا نہین؟

دشمن کے لئے جواب کا سب سے آسان طریقہ برابر کا جواب ہے، لیکن باوجود اس کے کہ عیسائیون نے قرآن مجید پر ہر طرح کے اعتراضات کئے یہان تک کہ یورپ کے بہت سے مستشرقین کو قرآن مجید کی کمال بلاغت سے بھی انکار رہے تاہم آج تک یہ دعویٰ نہین کیا ہے کہ موجودہ قرآن مجید کے سوا قرآن مجید کا کوئی اور بھی نسخہ ہے، جو اس قرآن سے مختلف ہے،

مذکورالصدر آرٹیکل پر ابھی کچھ لکھنا قبل از وقت ہے، اس لئے کہ اس آرٹیکل مین ظاہر کیا گیا ہے، کہ کیمبرج یونیورسٹی پریس چند روز مین یہ مسودات شایع کر دیگا، اس لئے جب تک وہ مسودات شایع نہ ہو جائین تفصیلی طور سے اس کے متعلق بحث نہین ہو سکتی، شایع ہونے

کے بعد آسانی سے یہ فیصلہ ہو سکے گا کہ وہ مسودات کس زمانہ کے ہین؟ اور ان کی صحت پر کہان تک اعتبار کیا جا سکتا ہے؟ اعتبار کے کیا وجوہ ہین؟ قدامت کی کیا کیا شہادتین ہین؟ کس قسم کے اختلافات ہین؟ ان مسودات پر عیسائیون کا دستِ تصرف کہان تک پہونچا ہے؟ تاہم جس قدر اس آرٹیکل کے متعلق ابھی سے بحث کیجا سکتی ہے اس کے لئے سب سے پہلے اسکے مندرجہ بیانات کا خلاصہ لکھدینا چاہئے، اور وہ حسب ذیل ہے،

(۱) جو حصص قرآن مجید کے دستیاب ہوئے ہین، ان پر علاوہ قرآن کے اور تحریرین بھی ہین، جن کی تفصیل یہ ہے، کہ قدیم زمانہ مین جب سامان نوشت وخواند کمیاب تھے، تو اکثر پرانی قلمی کتابون پر جو بے کار سمجھ لیجایا کرتی تھین، دوسری ضروری تحریرون کا اندراج ہو جایا کرتا تھا، اور اس طور پر ایک ہی وقت مین مختلف کتابین موجود ہوتی تھین، ٹائمز کی عبارت اگرچہ صاف نہین ہے لیکن اس سے مترشح ہوتا ہے کہ کیمبرج کے مذکورہ اوراق مین تین مختلف کتابین مختلف زمانہ کی لکھی ہوئی موجود ہین، ان مین سب سے قدیم تحریر جیسا کہ ٹائمز سے مستنبط ہوتا ہے، پروتی وینجلیم، اور ٹرنی زٹیس میری کی عبارات ہین جو سریانی زبان مین ہین، دوسری عبارت جو دراصل مذکورۂ بالا تحریر کے بعد اور اس کے اوپر لکھی گئی ہے، قرآن شریف کی عبارت ہے، تیسری تحریر جو اس کے بعد کی ہے، وہ عیسائی مقدسین کی بعض تحریرون کا اقتباس ہے، اور یہ عبارت بھی عربی زبان مین ہے، اسطور پر گویا ایک سطح پر تلے اوپر تین مختلف تحریرین موجود ہین جو ایک دوسرے کو کسی قدر ڈھکے ہوئے ہین، اور اس طرح اوپر کی تحریر کی وجہ سے نیچے کی عبارت دھندلی پڑ گئی ہے،

(۲) ان مسودات کو ٹائمز ساتوین صدی کے آخر یا آٹھوین صدی کی ابتدا

کا بتاتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی تحریر یعنی سریانی زبان کی دو کتابین اسی زمانہ کی لکھی ہوئی ہین،

(۳) تیسری تحریر یعنی عیسائی مقدسین کی عربی عبارت کے طرز تحریر کے متعلق عیسائی برٹش میوزیم کے ماہرین کی راے ہے کہ وہ نوین صدی کی لکھی ہوئی ہے۔

(۴) ڈاکٹر منگانا نے ثابت کیا ہے، کہ اوراق مذکور تین یا زائد ماخذون سے حاصل کئے گئے ہین، جنمین سے بعض ماخذ اس وقت سے پہلے کے ہین، جب حضرت زید بن ثابت رضؓ نے مروجہ نسخہ قرآن کو ترتیب دیا تھا،

(۵) ڈاکٹر منگانا نے ۵۴ صفحے مطالعہ کئے ہین، اور ان مین کم از کم موجودہ قرآن سے ۳۵ اختلافات پائے ہین، اور چار ایسی آیتین ہین جو موجودہ قرآن مین نہین، لیکن ان صفحات مین ہین،

(۶) ڈاکٹر منگانا کے نزدیک ان صفحات کا بیشتر حصہ زیدؓ کے مرتب کردہ قرآن سے ترقی یافتہ ہے، مثلاً قرآن مین جو آیت ہے (بَارَکْنَا حَوْلَہٗ) اس کے بجائے ان صفحات مین جو الفاظ ہین انکا ترجمہ یہ ہے، جب کہ "حرم کے گرد ہم جھکے"

بیانات مذکورۂ بالا مین چند اُمور قابل لحاظ ہین،

(۱) جن لوگون نے یورپ کے پچھلے زمانہ کی تاریخ پڑھی ہے، اور عیسائیون کی حیرت انگیز تصنیفات کے واقعات مطالعہ کئے ہین جن کی تفصیلات پروفیسر ہنری دی کاسٹری (فرنچ مصنف) کی کتاب مین موجود ہین، جس کا ترجمہ عربی زبان مین مصر سے شایع ہو چکا ہے، وہ آسانی سے سمجھ سکتے ہین، کہ مسلمانون کی کوئی مذہبی کتاب عیسائیون کے ہاتھ مین اگر ہر قسم کی ناجائز کوششون سے کہان تک محفوظ رہ سکتی ہے، ہم نے وہ تحریرین دیکھی ہین

جن کی نسبت یہ ظاہر کیا جاتا ہے، کہ آنحضرت صلعم نے عیسائیون کے لیے لکھی ہین، اور وہ بعینہٖ محفوظ ہین، ان تحریرون کے فوٹو شایع کئے گئے ہین، اور ان کا اصلی مخرج عیسائیون کی قدیم خانقاہین یا گرجا بیان کئے گئے ہین، ان مین سے ایک تحریر بھی اصلی اور واقعی نہین ہے، اور فن حدیث کا معمولی صاحب مذاق بھی ان کے جعلی ہونے کو بیک نظر معلوم کر سکتا ہے، تاہم یورپ کے مستشرقین ان کو صحیح اور اصلی نوشتہ خیال کرتے ہین،

(۲) جو آیت اختلاف کے ثبوت مین پیش کی ہے، افسوس ہے کہ اصلی عربی عبارت نقل نہین کی ہے، بلکہ اس کا ترجمہ لکھا ہے، یعنی جب کہ "حرم کے گرد ہم جھکے" قرآن مجید مین جو الفاظ ہین اس کا ترجمہ یہ ہے، "جس کو ہم نے برکت دی"، اس بنا پر ڈاکٹر منگانا یہ دعویٰ کرتے ہین کہ مفروضہ قرآن موجودہ قرآن سے مختلف ہے، ڈاکٹر صاحب اگر اصل عربی عبارت نقل کرتے تو ہم آسانی سے اس کی نسبت کوئی راے قایم کر سکتے تھے، تاہم یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے قرآن مجید مین "بٰرَکْنَا" کا جو لفظ ہے اس کا ترجمہ غلط کیا ہے، قرآن مجید کی رسم خط مین "بٰرَکْنَا" کا لفظ بغیر الف کے لکھا جاتا ہے یعنی "برکنا"، قدیم زمانہ مین قرآن مجید پر زیر و زبر مد وغیرہ نہین ہوتے تھے، زیر و زبر لکھنا حجاج بن یوسف کے زمانہ سے شروع ہوا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ کسی قدیم نسخے مین "بارکنا" کا لفظ اس طرح لکھا ہو کہ اس پر الف ممدودہ نہ ہو اور اس لئے ڈاکٹر صاحب نے اسکو برکنا، پڑھا ہو جس کے معنی بیٹھنے اور لیٹنے اور جھکنے کے ہو سکتے ہین، اور اس بنا پر بجائے برکت کے اس کا ترجمہ جھکنا کر دیا،

(۳) جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اوراق مذکورہ کا ماخذ حضرت زید بن ثابتؓ کے زمانہ سے پہلے کا ہے، وہ اس کے ثبوت مین کیا دلائل پیش کر سکتا ہے، ؟ کیا ان اوراق

پر کتابت کی تاریخ لکھی ہے، ؟ کیا کاغذ کی کہنگی یا خط کی شان سے کتابت کا ٹھیک زمانہ متعین ہو سکتا ہے ؟ کیا ڈاکٹر منگانا یا اور کوئی صاحب ان اصول شہادت کے معیار سے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے پر آمادہ ہین، ؟ ان تمام اُمور کو معلوم کرنے کے لئے ہمین اوراق مذکورہ کی اشاعت کا انتظار کرنا چاہیے،

قرآن مجید کی تدوین کی کیفیت

اس موقع پر ہم مختصر اور سادہ طور پر قرآن کے مرتب و مدون ہونے کے واقعات درج کرتے ہین، جن سے اس مسئلہ پر روشنی پڑ سکتی ہے، کہ ڈاکٹر منگانا کی تحقیق کہان تک صحیح ہو سکتی ہے ؟

جس زمانہ مین قرآن مجید نازل ہوا، تمام عرب مین اشعار اور خطبات کی زبان محفوظ رکھنے کا عام رواج تھا، آج شعرائے جاہلیت کے بیسیون دیوان موجود ہین جو بہت سے ابتدائی عہد تک مطلق قلمبند نہین ہوئے تھے، (مثلاً دیوان امرأ القیس، دیوان سموأل بن عادیا، دیوان زہیر بن ابی سلمی، دیوان نابغہ ذبیانی، دیوان علقمۃ الفحل، دیوان حاتم طائی وغیرہ) یہ تمام دیوان اسلام سے پہلے کے ہین، اور اسلام کے بعد بھی یہ ایک مدت تک درج تحریر نہین ہوئے، لیکن سیکڑون ہزارون اشخاص ان کو زبانی محفوظ رکھتے تھے، اور جب قلمبند ہوئے تو اس صحت کے ساتھ قلم بند ہوئے کہ بجز شاذ مثالون کے اختلاف نسخ کی بھی نوبت نہین آئی، جو قومین لکھی پڑھی نہین ہوتین ان کے حافظے عموماً نہایت قوی ہوتے ہین، اور عرب اس خصوصیت مین تمام قومون سے اور بھی زیادہ ممتاز تھے،

انحضرت صلعم پر جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو پہلے بہت چھوٹی چھوٹی سورتین

اترین، جو لوگ اسلام کے حلقہ مین داخل ہوتے تھے ان کا پہلا کام قرآن مجید کی نازل شدہ آیتون اور سورتون کا محفوظ رکھنا ہوتا تھا، کثرت سے ایسے صحابہ تھے جن کو پورا قرآن محفوظ تھا، جنگ یمامہ مین جو صحابہ شہید ہوئے ان مین ستر ایسے تھے جن کو پورا قرآن مجید یاد تھا، حضرت عبد اللہ بن مسعود کا بیان ہے، کہ مین نے ستر سورتین خود رسول اللہ صلعم سے سیکھی تھین،

قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا سب سے بڑھکر ثواب کا کام ہے، بخاری مین روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "تم مین وہ شخص رتبہ مین سب سے بڑھکر ہے جو قرآن سیکھے، یا سکھلائے" اس بنا پر ہر مسلمان نہایت اہتمام اور شوق سے قرآن مجید سیکھتا اور سکھلاتا تھا، حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے دس برس کی عمر مین سورہ حجرات سے لیکر اخیر قرآن تک آنحضرت صلعم کے زمانہ مین یاد کر لیا تھا،

ایک غریب شخص نے آنحضرت صلعم کے سامنے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی، آپ نے دریافت فرمایا تمھارے پاس مہر مین دینے کے لئے کیا ہے؟ انھون نے کہا کچھ نہین، فرمایا تم کو کچھ قرآن زبانی یاد ہے، بولے ہان فلان فلان سورتین یاد ہین، آپ نے فرمایا تو یہی سورتین بجائے مہر کے ہین، اور مین اسی پر تمھارا نکاح پڑھائے دیتا ہون، (صحیح بخاری مین یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے)

غرض عرب کی قوت حافظہ، قرآن مجید کے یاد رکھنے کی فضیلت، آنحضرت صلعم کی ترغیب و تاکید قرآن مجید کی عبارت کی دلآویزی، تعلیم قرآن کا اہتمام، یہ سب اسباب ایسے تھے جن کی وجہ سے خود آنحضرت صلعم ہی کے زمانہ مین پورا قرآن مجید یا اس کا بڑا حصہ سیکڑون اشخاص کو یاد تھا،

تحریر و کتابت

باایہمہ صرف زبانی حفظ پر اکتفا نہین کیا گیا، بلکہ جب قرآن مجید نازل ہوتا تھا تو آنحضرت صحابہ کو حکم دیتے تھے، اور وہ قلم بند کر لیتے تھے، مکہ معظمہ مین گو لکھنے کا رواج اس وقت تک کم تھا، تاہم آنحضرت صلعم کی بعثت سے پہلے خاص مکہ مین ۱۷ شخص اس فن کے ماہر تھے، ان مین چار خلفاے راشدین بھی تھے، جب آنحضرت صلعم مدینہ منورہ چلے آئے، اور جنگ بدر مین قریش کے چند لکھے پڑھے آدمی (جو اس وقت تک کافر تھے) گرفتار ہوئے، تو آنحضرت صلعم نے ان لوگون کو حکم دیا کہ مدینہ مین لوگون کو لکھنا پڑھنا سکھا دین، اور یہی ان کا زرِ فدیہ ہوگا، یعنی اس کے بعد وہ رہا کر دیئے جائین گے، چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ نے جو مشہور کاتب وحی تھے اسی طریقہ سے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا،

بہرحال مدینہ منورہ مین لکھنا پڑھنا عام طور پر رائج ہو گیا، یہان تک کہ حضرت زیدؓ نے آنحضرت صلعم کے ارشاد سے عبرانی اور لاطینی زبان بھی سیکھ لی،

اب تحریر کا اس قدر رواج ہو گیا تھا کہ قرآن مجید کے علاوہ بعض صحابہ (حضرت عبد اللہ بن عمروؓ) آنحضرت صلعم کے ارشادات بھی قلمبند کر لیا کرتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ تمام صحابہ مین سب سے زیادہ کثیر الروایۃ ہین، لیکن بخاری مین ان کا قول مذکور ہے، کہ عبد اللہ بن عمروؓ مجھ سے بھی زیادہ کثیر الروایۃ ہین، جس کی وجہ یہ ہے کہ مین لکھتا نہ تھا، اور وہ آنحضرت صلعم سے جو سنتے تھے، اسی وقت لکھ بھی لیا کرتے تھے"

غرض آنحضرت صلعم کی زندگی ہی مین پورا قرآن مجید قلم بند ہو چکا تھا، البتہ کسی ایک مجموعہ مین جمع نہین ہوا تھا، اور سورتون مین باہم کوئی ترتیب قرار نہین پائی تھی، لیکن ہر سورت

کی تمام آیتین مرتب قلم بند ہوچکی تھین، قرآن مجید کے مدون اور مرتب ہونے کی تاریخ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد جب غزوہ یمامہ مین اکثر حفاظ قرآن نے شہادت پائی تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ قرآن جمع کرا دیجیے، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو جو آنحضرت صلعم کی خدمت مین کتابت وحی کا کام کیا کرتے تھے، بلا کر یہ خدمت سپرد کی، حضرت زیدؓ نے غایت اہتمام سے اس کام کو انجام دیا، جہان جہان تحریری اجزا تھے ڈھونڈ ڈھونڈھ کر مہیا کئے، یہان تک کہ ہڈیون، پتھر کے ٹکڑون، اور کھجور کے تختون پر لکھے ہوئے اجزا بہم پہونچائے، یہ التزام کیا کہ تحریر کے ساتھ زبانی شہادت بھی لیتے تھے، یعنی وہ تحریری عبارت لوگون کو زبانی بھی یاد ہے، یا نہین؟ اس طرح پورا قرآن مجید مرتب ہوا سورتون کی ترتیب ان کے نازل ہونے کے زمانہ کے لحاظ سے نہین رکھی بلکہ زیادہ تر سورتون کے مطول و مختصر ہونے کا لحاظ رکھا یعنی بڑی سورتین پہلے رکھی گئین، متوسط ان کے بعد، اور مختصر سب سے اخیر، یہ نسخہ حضرت حفصہؓ (آنحضرت صلعم کی حرم محترم اور حضرت عمرؓ کی صاحبزادی) کے گھر مین رکھوا دیا گیا، حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین جب قرآن مجید کی کثرت سے نقلین شایع ہونے لگین تو اختلاف نسخ پیدا ہوا، اس بنا پر حضرت حفصہؓ کے مکان سے وہ نسخہ منگوا کر متعدد نقلین کرائین، اور اسلام کے بڑے بڑے صوبون مین بھجوا دین، کہ تمام نسخے ان کے مطابق نقل کئے جائین، حضرت عثمانؓ نے یہ بھی حکم دیا جیسا کہ صحیح بخاری مین مذکور ہے، کہ جو نسخے اس نسخے کے مطابق نہ ہون وہ ضایع کر دیئے جائین، صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہین، وارسل الی کل افق بمصحف مما نسخوا وامر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق، (صحیح بخاری باب جمع القرآن) ترجمہ:۔ اور جو نسخے تیار ہوئے وہ ہر افق (صدر مقامات) مین بھجوا دیئے، اور حکم دیا کہ ان کے سوا

کسی صحیفے مین جو ملے وہ جلا دیا جائے،

واقعات مذکورہ سے جو اہم نتائج حاصل ہوتے ہین حسب ذیل ہین:-

(۱) قرآن مجید خود آنحضرت صلعم کے زمانہ مین بہت سے صحابہؓ کو زبانی یاد تھا،

(۲) قرآن مجید کا ایک جملہ بھی ایسا باقی نہین رہا جو آنحضرت صلعم کے زمانہ مین قلمبند کر لیا گیا ہو

(۳) حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کے اہتمام سے قرآن مجید کا جو نسخہ مرتب کرایا وُہ تحریری نوشتون سے مرتب ہوا تھا جس کی تصدیق اُن لوگون سے بھی کرائی جاتی تھی، جو قرآن مجید کے کلاً یا جزءاً حافظ تھے،

آنحضرت صلعم کے زمانہ مین تمام سورتین مرتب ہو چکی تھین اور ان کے الگ الگ نام قایم ہو چکے تھے، البتہ سورتون مین باہم تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے ترتیب نہین دیگئی تھی، یہ ترتیب حضرت زید بن ثابتؓ نے قائم کی،

(۵) جو نسخے ایسے تھے جنمین کاتبون کی غلطی سے کچھ تغیر ہو گیا تھا، حضرت عثمانؓ نے ان سب کو جلوا دیا،

نتائج مذکورہ کے بعد اب سوال یہ ہے کہ ڈاکٹر منگانا جن ماخذون کو حضرت زیدؓ اور حضرت عثمانؓ سے پہلے کا بتاتے ہین، ان کی صحت کے کیا دلائل پیش کر سکتے ہین؟ جب یہ ثابت ہے کہ حضرت زیدؓ نے انتہائے تفحص، اہتمام و تلاش، اور تمام صحابہؓ کی متفقہ کوشش سے مدون کیا تھا، جب یہ ثابت ہے، کہ حضرت عثمانؓ نے وہ تمام مصاحف ضایع کر دیے جو حضرت زید بن ثابتؓ کے نسخون کے مطابق نہ تھے، جب کہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف ابتدا سے آج تک بہ تواتر محفوظ چلا آیا تو کیا ایک ،،ڈاکٹر منگانا،، کا بلا دلیل استنباط تمام عظیم الشان شہادتون کے مقابلہ مین ایک ذرہ بھی وقعت رکھتا ہے؟

ہم نے اس مضمون کو نہایت اختصار کیساتھ لکھا ہے جب کیمبرج پریس اپنے کاغذات شایع کریگا، اُسوقت ہم اسکو بتا دینگے کہ قرآن مجید ہزارون دلائل سے بھی انجیل نہین بن سکتا،

مسائل فقہیہ پر زمانہ کی ضرورتون کا اثر

ہمارے مخالفون نے سیکڑون بار کہا ہے، اور اب بھی کہتے ہین، کہ اسلام کا قانون (مسائل فقہیہ) دست شل ہے، جس کو کسی طرح جنبش نہین ہوسکتی یعنی اس مین ترقی کی کوئی گنجائش نہین اور اس وجہ سے وہ کسی طرح زمانہ کی ضرورتون کا ساتھ نہین دے سکتا،

ہم اس کے متعلق اگر کچھ کہنا چاہتے ہین تو مخالفین کہتے ہین، کہ یہ آج کل کے خیالات کا اثر ہے، ورنہ قدمائے اسلام کے نزدیک مسائل فقہیہ مین کسی اصلاح اور تغیر کی گنجایش نہین، اس بنا پر ہم اس کے متعلق کچھ کہنا نہین چاہتے، بلکہ یہ دکھیتے ہین کہ سلف نے خاص اس مضمون پر کیا لکھا ہے،

فقہائے متاخرین مین سے علامہ شامی کو جو شہرت اور حسن قبول حاصل ہوا، کم کسی کو ہوا ہوگا، انھون نے خاص اس بحث پر ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف ہے، یہ رسالہ اور بہت سے رسالون کے ساتھ ۱۳۰۱ھ مین بمقام دمشق چھاپا گیا ہے، اس رسالہ مین علامہ موصوف نے نہایت تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے ہم اوسکے جستہ جستہ مقامات اس موقع پر نقل کرتے ہین :۔

اعلم ان المسائل الفقہیۃ اما ان تکون ثابتۃ بصریح نص وھی الفصل الاول واما تکون ثابتۃ بضرب اجتہاد	جاننا چاہیے کہ مسائل فقہیہ یا صریح نص سے ثابت ہون گے ان مسائل کو ہم نے پہلی فصل مین بیان کیا، یا اجتہاد اور راے سے ثابت ہون گے، ان مین سے اکثر مسائل ایسے ہوتے

وسرائی وکثیر منها ما یبنیه المجتهد علی ما کان فی عرف زمانه بحیث لو کان فی زمان العرف الحادث لقال بخلاف ما قاله اولا ولهذا قالوا فی شروط الاجتهاد انه لا بد فیه من معرفة عادات الناس فکثیر من الاحکام تختلف باختلاف الزمان لتغیر عرف اهله او لحدوث ضرورة او فساد اهل الزمان بحیث لو بقی الحکم علی ما کان علیه اولا للزم منه المشقة والضرر بالناس ولخالف قواعد الشریعة المبنیة علی التخفیف والتیسیر ودفع الضرر ولفساد لبقاء العالم علی اتم نظام واحسن احکام ولهذا تری مشایخ المذهب خالفوا ما نص علیه المجتهد فی مواضع کثیرة بناها علی ما کان فی زمانه لعلمهم بانه لو کان فی زمنهم لقال بما قالوا به[1]،

ہین، جنکو مجتہد نے اپنے زمانے کے رواج کے موافق قایم کیا تھا، اس طرح کہ اگر وہ (یعنی مجتہد) آج کے زمانے ہین موجود ہوتا تو اپنے ہی قول کے خلاف کہتا، اسی بنا پر اجتہاد کے شرائط مین لوگون نے اس کو بھی داخل کیا ہے، کہ مجتہد لوگون کے رسم و رواج سے واقفیت رکھتا ہو کیونکہ اکثر احکام زمانہ کے اختلاف سے بدل جاتے ہین، بوجہ اسکے کہ رواج بدل گیا، یا کوئی نئی ضرورت پیدا ہو گئی یا زمانہ کے لوگ بدروش ہوگئے، اس صورت مین اگر وہ پہلا حکم باقی رہے، تو اس سے لوگون کو تکلیف اور ضرر پہونچے اور شریعت کے ان قواعد کی مخالفت لازم آئے، جنکی بنیاد آسانی اور دفع ضرر پر ہے، تاکہ دنیا نہایت اعلی درجہ کے نظم ونسق پر قایم رہے، اسی بنا پر تم دیکھتے ہو کہ مشایخ فقہ نے اکثر موقعون پر مجتہد کی منصوصات سے اختلاف کیا ہے، جن کی بنیاد مجتہد کے زمانہ کے حالات کے موافق تھی، کیونکہ مشایخ کو یہ معلوم ہے، کہ اگر آج خود مجتہد موجود ہوتا تو وہی کہتا جو انھون نے کہا،

[1] رسالۂ مذکور صفحہ ۸،

اس کے بعد مصنف نے بہت سی مثالین دی ہین، جبمین زمانہ کی رسم وعادت کی وجہ سے احکام بدل گگئے۔ ان مین سے چند یہ ہین :-

پہلے مجتہدین کا یہ فتویٰ تھا کہ قرآن مجید کی تعلیم پر معاوضہ لینا جائز نہین، اب فقہا نے اس کے جواز کا فتویٰ دیدیا،

امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب تھا، کہ گواہ کا ظاہر مین ثقہ ہونا کافی ہے، امام ابویوسف اور امام محمدؒ نے ظاہری عدالت کو ناکافی قرار دیا، کیونکہ امام ابوحنیفہ کے زمانہ مین اکثر لوگ ثقہ اور عادل ہوتے تھے، اس لئے ظاہری عدالت کافی تھی، لیکن پھر وہ حالت نہین رہی،

پہلے وصی کو یتیم کے مال مین مضاربت کا حق حاصل تھا، متاخرین نے اس کو ناجائز قرار دیا، آنحضرت صلعم کے زمانہ مین عورتین مسجد مین نماز کے لئے حاضر ہوتی تھین متاخرین نے منع کر دیا،

مزارعت، معاملت، وقف مین امام ابوحنیفہ کا قول معمول بہ نہین ہے، بلکہ امام ابویوسف اور امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے،

بیع بالوفار پہلے ناجائز تھی، پھر جائز قرار دیدی گئی،

اس قسم کی قریبًا سو مثالین مصنف نے پیش کی ہین جنمین زمانہ کے اختلافِ حالت کی وجہ سے احکام فقہی بدل گئے ہین،

اس کے بعد مصنف نے یہ سوال قایم کیا ہے، کہ اب اس زمانہ مین احکام کا بدلنا جائز ہے یا نہین، چنانچہ لکھتے ہین :-

فان قلت العرف یتغیر و یختلف باختلاف الزمان فلوطرءعرف جدید	اگر تم یہ کہو کہ رواج تو زمانہ کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے، تو اب اگر کوئی نیا رواج پیدا ہو تو ہمارے

هل للمفتی فی زماننا ان یفتی علی وفقه ویخالف المنصوص وکذا هل للحاکم الآن العمل بالقرائن قلت مبنی هذه الرسالة علی هذه المسئلة فاعلم ان المتاخرین الذین خالفوا المنصوص فی کتب المذهب فی المسائل السابقة لم یخالفوه الا لتغیر الزمان والعرف وعلمهم ان صاحب المذهب لو کان فی زمنهم لقال بما قالوا ۱

زمانہ کے مفتی کو اس کے موافق فتویٰ دینا اور منصوصات کی مخالفت کرنا جائز ہے، یا نہین؟ اور اسی طرح آج کل حاکم وقت کو قرائن پر عمل کرنا جائز ہے، یا نہین؟ تو مین کہتا ہون، کہ اس رسالے کی بنیاد یہی مسئلہ ہے، تم کو جاننا چاہیے، کہ متاخرین نے ان تصریحات سے جو قدیم کتابون مین تھین اختلاف جو کیا، اسی بنا پر کیا، کہ اب زمانہ اور رواج بدل گیا ہے، اور اگر آج خود قدما موجود ہوتے تو وہی کہتے جو ہم کہتے ہین،

علامہ موصوف نے ایک اور رسالے مین جس کا نام شرح المنظومہ ہے، اس مسئلہ کو ضمناً لکھا ہے، اس مین لکھتے ہین:-

وفی القنیة لیس للمفتی ولا للقاضی ان یحکما علی ظاهر المذهب ویترکا العرف انتهی ونقله منها فی خزانة الروایات وهذا صریح فیما قلنا من ان المفتی لا یفتی بخلاف عرف اهل زمانه،

اور قنیہ مین مذکور ہے، کہ مفتی اور قاضی کو یہ جائز نہین، کہ ظاہر مذہب پر حکم دے، اور رواج کو چھوڑ دے، اور اسی کتاب سے خزانۃ الروایات مین یہ قول نقل کیا ہے، اور یہ صریح ہمارے اس قول کے موافق ہے، کہ مفتی کو اپنے زمانے کے رواج کے مخالف حکم نہین دینا چاہیے،

یہان فوراً یہ شبہہ پیدا ہوگا، کہ اگر شریعت کے احکام زمانے کے اختلاف سے بدل سکتے ہین، تو اس کی حد کیا قرار پائی گی، یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے خود فرائض مذہبی تک

پہونچ سکتا ہے، کیا زمانے کے اختلاف سے فرائض اور ارکان بھی بدل سکتے ہین، یہ شبہ علامہ شامی نے اپنے رسالے مین ذکر کرکے جواب دیا ہے،

فنقول فی جواب هذا الاشکال اعلم ان العرف نوعان خاص وعام وکل منهما اما ان یوافق الدلیل الشرعی والمنصوص علیه فی کتب ظاهر الروایة اولا فان وافقهما فلا کلام والا فاما ان یخالف الدلیل الشرعی او المنصوص علیه فی المذهب فنذکر ذلك فی بابین، الباب الاول اذا خالف العرف الدلیل الشرعی فان خالفه من کل وجه بان لزم منه ترک النص فلا شك فی رده کتعارف الناس کثیرا من المحرمات من الربا و شرب الخمر ولبس الحریر والذهب وغیر ذلك مما ورد تحریمه نصا وان لم یخالفه من کل وجه بان ورد الدلیل عاما والعرف خالفه فی بعض افراده او کان الدلیل قیاسا فان العرف معتبر ان کان عاما فان العرف العام یصلح مخصصا کما مر عن

توہم اس اعتراض کے جواب مین کہین گے کہ عرف کی دو قسمین ہین عام وخاص، اور ان دونون کی بھی دو صورتین ہین، یا تصریحات ظاہر الروایہ (یعنی امام محمدؒ کی تصانیف ستہ) کے موافق ہونگی یا نہین اگر موافق ہو تو کچھ پوچھنا ہی نہین، اور اگر مخالف ہو توہم اس کو دو بابون مین لکھتے ہین، پہلا باب جب کہ رواج دلیل شرعی کے مخالف ہو، اس صورت مین اگر ہر طرح سے دلیل شرعی کے مخالف ہو جس سے نص شریعت کا ترک کرنا لازم آئے، تو اس کے باطل ہونے مین کوئی شبہ نہین مثلاً اکثر لوگون نے بہت سے محرمات کا معمول کر لیا ہے، مثلاً شراب سود حریر اور زری کا استعمال جن کی حرمت صاف نص مین آئی ہے، اور اگر کلیۃً نص صریح کا مخالف نہ ہو مثلاً یہ کہ دلیل عام ہو، اور رواج ایک خاص صورت سے متعلق ہو، یا یہ کہ دلیل کوئی نص نہ ہو بلکہ قیاس ہو، تو اس صورت مین رواج کا اعتبار کیا جائے، بشرطیکہ رواج عام ہو۔ اور اس صورت

التعامل و يترك به القياس، الخ | مین رواج، دلیل شرعی کا مخصص واقع ہو سکے گا جیسا کہ تحریر (ایک کتاب کا نام ہے) کے حوالہ سے گذر چکا ہے، اور رواج عام کے مقابلہ مین قیاس ترک کر دیا جائے گا،

علامہ موصوف نے اس مسئلہ کو ایک جزئی صورت مین سمجھایا ہے، وہ یہ کہ مثلاً حدیث مین وارد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اس شرط پر آٹا پیسنے کو دے کہ اجرت کے بدلے تہائی آٹا اس کا ہوگا، تو ناجائز ہے، اس سے مستنبط ہوتا ہے، کہ مثلاً اگر کوئی شخص کسی جولاہے کو اس شرط پر سوت دے کہ وہ اس کا کپڑا بن دے اور اجرت کے معاوضہ مین ایک تہائی کپڑا لے لے، تو یہ معاملہ ناجائز ہوگا، لیکن چونکہ بلخ مین یہ طریقہ عموماً معمول ہے، اس لئے بلخ کے فقہا نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا، اور یہ قرار دیا، کہ رواج کی بنا پر حدیث مین تخصیص کر دی جائے گی، یعنی حدیث صرف آٹے کی صورت تک محدود رہے گی، علامہ کے خاص الفاظ ہین :-

ومشایخ بلخ کنصیر بن یحیی ومحمد بن سلمة وغیرھما کانوا یجیزون ھذہ الاجارة فی الثیاب لتعامل اھل بلدھم والتعامل حجة یترك به القیاس ويخص به الاثر،

اور بلخ کے اکثر مشائخ مثلاً نصیر بن یحییٰ، و محمد بن سلمہ وغیرہ اس معاملہ کو کپڑے مین جائز قرار دیتے تھے، کیونکہ ان کے شہر مین یہ عام رواج تھا، اور رواج کے مقابلہ مین قیاس ترک کر دیا جاتا ہے، اور حدیث مین تخصیص کر لی جاتی ہے،

ان تصریحات کے بعد کون کہہ سکتا ہے، کہ فقہ اسلامی مین ترقی، اور اقتضائے ضروریات کی موافقت کی قابلیت نہین، آج کل معاملات کے متعلق سیکڑون ہزارون

جزئیات جو پیدا ہو گئے ہین، ان کو اگر جائز یا حرام کہا جاتا ہے، تو اس بنا پر کہ ان کو کسی قدیم کلیہ کے تحت مین داخل کر لیا جاتا ہے، ورنہ یہ ظاہر ہے، کہ یہ جزئیات اس زمانے مین موجود نہ تھے، لیکن علامہ شامی نے سیکڑون روایتون کی اسناد سے ثابت کر دیا ہے، کہ عام رواج کی بنا پر کلیات کا حکم خاص کر دیا جاتا ہے،

وقفِ اولاد

وقفِ اولاد کی تحریک جو اخبارون کے ذریعہ سے عام طور پر مشتہر ہو چکی ہے، اگرچہ اس کی نسبت تمام ملک مین نہایت سرگرمی اور جوش سے موافقت اور تائید کی صدا اٹھی لیکن بہت کم لوگون کو معلوم ہے کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ شریعت اسلامی کا کیا مسئلہ تھا؟ حکام پریوی کونسل نے اس کو کیونکر باطل کیا؟ اور کس غلط فہمی کی بنا پر باطل کیا؟ اس کے متعلق اب کیا کوشش ہو رہی ہے؟ اور کس حد تک ہو چکی ہے؟ اور آیندہ کیا کیا کرنا ہے؟

اصل یہ ہے کہ شریعت اسلام کا ایک یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی جائداد کو خدا کی راہ مین فقرا اور غربا کے لئے اس طرح مخصوص کر دے کہ اصل جائداد ہمیشہ محفوظ رہیگی، اور اس کا منافع فقرا و غربا کو ملتا رہیگا، تو اس معاملہ کا نام وقف ہوگا، اور وہ جائداد ہمیشہ محفوظ رہیگی، یعنی نہ فروخت ہو سکے گی نہ ہبہ ہو سکے گی، نہ وارثون کو وراثت مین مل سکے گی، البتہ اس کا منافع فقرا کو ملتا رہے گا،

وقف کی یہ صورت تمام اور مذہبون مین بھی موجود ہے، لیکن تمام اور مذاہب نے وقف کو غیرون اور بیگانون کے لئے محدود رکھا ہے،

لیکن اسلام نے اس کو اور وسعت دی ہے، اسلام نے یہ قرار دیا کہ اپنی آپ مدد کرنا، اپنی آل اور اولاد کی پرورش کرنا، انسان کا اصلی فرض ہے، اور ایسا فرض ہے جسکے ادا کرنے پر انسان کو ثواب حاصل ہوتا ہے، اس بنا پر اسلام نے وقف کو اولاد اور عزیز تک وسعت دی، یعنی اگر کوئی شخص صرف اپنی اولاد پر کوئی جائداد وقف کرے تو یہ وقف

بھی جائز اور نافذ ہوگا، لیکن جب موقوفہ جائدادون کے متعلق وارثون مین نزاعین پیدا ہوئین، اور مقدمات انگریزی عدالتون مین گئے تو حکام انگریزی نے وقف کو ناجائز قرار دیا کیونکہ انگریزی خیرات (چیرٹی) کا لفظ فقراء اور بیگانون کے لئے مخصوص ہے، اپنی اولاد کو کچھ دینا خیرات مین داخل نہین، حکام انگریزی کے سامنے وکلا نے فقہ اسلام کی مستند روایتین پیش کین، لیکن انھون نے اس پر اصرار کیا، کہ خیرات کے معنی وہی لئے جائین گے جو انگریزی قانون مین ہین، چنانچہ جسٹس ٹریویلین نے ایک مقدمہ[1] کے فیصلہ مین یہ الفاظ لکھے :-

"مین لفظ خیرات کو انگریزی لفظ ہی کے مفہوم کے موافق سمجھتا ہون اور اس مفہوم کے موافق انگریزی عدالتون مین اور انگریزی ترجمون مین اس کا استعمال ہوتا ہے، مجھ سے چاہا جاتا ہے کہ مین لفظ **خیرات** کے مفہوم کو مسلمانون کے مفہوم کے موافق سمجھون یعنی ایک دوسری زبان کا لفظ استعمال کرون جس کا مفہوم اس زبان کے مفہوم کے خلاف ہو"

اس کے بعد کثرت سے مقدمات دائر ہوئے، لیکن حکام نے اپنی رائے سے تجاوز نہ کیا، ایک مقدمہ مین جو از طرف میر محمد اسمٰعیل خان بنام منشی چرن گھوش تھا، مولوی امیر علی صاحب جج بھی شریک فیصلہ تھے، انھون نے نہایت مستند حوالون سے اس مسئلہ کو ثابت کیا، یہ مقدمہ پریوی کونسل تک گیا، لیکن حکام پریوی کونسل نے وقف کو تسلیم نہین کیا، پھر متعدد مقدمات پریوی کونسل تک گئے اور حکام اسی اپنی رائے پر قایم رہے، سب سے زیادہ مفصل اور مدلل فیصلہ اس باب مین وہ ہے جو حکام نے بمقدمہ ابوالفتح محمد اسحاق بنام رسمیا چودھری ۲۳ نومبر ۱۸۹۴ء کو صادر کیا، اور جو انڈین لارپورٹ جلد ۲۲ صفحہ ۶ مین درج ہے،

[1] انڈین لارپورٹ جلد ۲ کلکتہ از صفحہ ۲۰۷،

اس فیصلہ کا اقتباس ہم اس غرض سے لکھتے ہین کہ یہ معلوم ہو کہ حکام پریوی کونسل نے کس بنا پر وقف اولاد کو ناجائز قرار دیا ہے، حکام کے نزدیک وقفِ اولاد کے ناجائز ہونے کی وجوہ ذیل ہین،

(۱) اپنی اولاد پر وقف کرنا کوئی ایثارِ نفس اور فیاضی نہین ہے، اولاد کو دینا گویا جائداد کو خود اپنے ہاتھ مین رکھنا، اور حفاظتِ جائداد کا بندوبست ہے، چنانچہ حکام پریوی کونسل مقدمہ مذکور مین لکھتے ہین:-

"یہ خیال کرنا مقننِ اعظم (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت بیجا ہوگا، کہ مقنن موصوف نے اس کے ذریعہ سے ایسے ہبہ جات کو پسند کیا ہے، جن کے ذریعہ سے واہب نے کچھ نفس کشی نہ کی ہو، جس مین وہ ایک ہات سے اس شے کو واپس لیتا ہے، جو ظاہرا معلوم ہوتا ہے، کہ اس نے دوسرے ہاتھ سے دی، اور جو ذریعہ جمع کرنے اور ازدیادِ جائدادِ خاندان ہین"

(۲) شریعتِ اسلام مین ہبہ مشروط ناجائز ہے، مثلاً اگر کوئی شخص یون ہبہ کرے کہ میری جائداد فلان شخص کو ملے اس شرط پر کہ وہ اس کو منتقل نہ کر سکے گا، پھر اس کے مرنے پر اس کی اولاد کو ملے گی، لیکن اسی شرط پر کہ وہ اس کو منتقل نہ کر سکے گا اور اسی طرح یہ ہبہ اولاد در اولاد تک قایم رہے گا، تو یہ ہبہ ناجائز ہوگا جب اس قسم کا ہبہ ناجائز ہے تو وقف کی بھی یہی صورت ہے، وہ کیونکر جائز ہوگا، حکام پریوی کونسل کے الفاظ یہ ہین:-

"حکام ممدوح نے اثنائے بحث مین دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ از روے عام قانون اسلام کے اقل درجہ جیسا کہ ہند مین معلوم ہے سادہ ہبہ جات منجانب معمولی اشخاص کے بہ حق اولاد بعید جو ہنوز نہین پیدا ہوئی یعنی متواتر ناقابل انتقال حقوقِ حین حیاتی ممنوع ہین، آیا یہ تصور کرنا چاہیئے کہ وہی انتقالات جو اس صورت مین ناجائز ہین جب کہ معمولی الفاظ ہبہ کے

استعمال کئے جائین جائز ہو جاتے ہین، اگر ہبہ کنندہ صرف یہ کہدے کہ وہ بطور وقف کے خدا کے نام پر غربا کے لئے کئے گئے، ان سوالات کا کوئی جواب نہین دیا گیا، نہ جواب دینے کی کوشش کی گئی، نہ حکام عالی مقام کو کوئی جواب معلوم ہوتا ہے،،

(مقدمہ ابو الفتح محمدؐ اسحاق صفحہ انگریزی ۶۳۲)

مولوی امیر علی صاحب جج نے نہایت مفصل اور مستند طریقہ سے وقفِ اولاد کو ثابت کیا انھون نے وہ تمام حدیثین نقل کین جن مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنی اولاد کو دینا بھی صدقہ اور خیرات کرنا ہے، لیکن حکام پریوی کونسل کہتے ہین کہ اس قسم کی حدیثین اخلاقی باتین ہین، جو مناسب موقعون پر کہی جاتی ہین لیکن یہ کوئی قانونی اور فقہی مسئلہ نہین بن سکتا، حکام موصوف کے اصلی الفاظ یہ ہین:-

"حکام عالی مقام نے تاحد اپنی بہترین لیاقت کے تحقق اور متعلق کرنے اس شرع محمدی کے کوشش کی جو ہند مین معلوم ہے، اور جس پر وہان عمل کیا جاتا ہے، لیکن ممدوح کو یہ نہین معلوم ہوتا کہ قطعی اور (جیسا کہ حکام ممدوح کو معلوم ہوتا ہے) بیجا متعلق کرنا حد نہایے اصولی کا جو نبی کے منہ سے سنی گئین مطابق اس قانون کے ہے، ممکن ہے کہ یہ حدیثین مناسب موقعون پر نہایت عمدہ ہون،، (مقدمہ مذکور صفحہ انگریزی ۶۳۲)

مولوی امیر علی صاحب نے وقفِ اولاد کی جو مثالین خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کے زمانہ مین عمل مین آئی تھین، اپنے فیصلہ مین پیش کین لیکن حکام پریوی کونسل نے ان کو کافی نہ سمجھا، حکام کے اصلی الفاظ یہ ہین:-

"نسبت نظائر کے حکام عالی مقام کو بہت زیادہ مفصل حالات معلوم ہونے چاہئین قبل اس کے کہ وہ تجویز کر سکین، کہ آیا وہ متعلق بھی ہون گے، یا نہین حکام ممدوح

سنتے ہین کہ ہبہ[1] کیا گیا، اور وہ بحال رکھا گیا، لیکن بابت حالات جائداد کے، اس کے سوا اور کچھ انھون نے نہین سنا کہ مقدمہ محولہ مین یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکان مذکور خاص طور پر مقدس سمجھا جاتا تھا، ان کو کچھ حال خاندان یا واقف کا معلوم نہین،،

(مقدمہ ابوالفتح، صفحہ انگریزی ۶۳)

حاصل یہ کہ حکام پریوی کونسل کی اور انگلش قوم کی کسی طرح سمجھ مین نہین آسکتا کہ خود اپنی اولاد کو دینا، ثواب اور خیرات کا کام کیونکر ہو سکتا ہے، اور جب وہ خیرات نہین تو وقف کیونکر ہو سکتا ہے،

خان بہادر مولوی محمد یوسف صاحب وکیل کلکتہ نے اس بارہ مین نہایت قابل قدر کوشش کی، انھون نے ایک مطول رسالہ انگریزی زبان مین لکھا، اور بحیثیت پریسیڈنٹ محمڈن ایسوسی ایشن بنگال وائسرائے کی خدمت مین بھیجا، لیکن اولاً تو رسالہ نہایت طول طویل اور حشو و زوائد پر مشتمل تھا، اور ایک ہی مضمون کا بار بار اعادہ کیا گیا تھا،

ثانیاً وہ رسالہ پیش ایسے طریقہ سے کیا گیا کہ بجز محدود برائے نام ایسوسی ایشن کے ہندوستان کی اسلامی جماعت اور اخبارات کو خبر تک نہ ہوئی،

ثالثاً یہ قاعدہ مقررہ ہے کہ پریوی کونسل اپنے کسی فیصلہ کو منسوخ نہین کرتی، نہ اسکے فیصلہ مین وائسرائے اور گورنمنٹ کوئی مداخلت کر سکتی،

غرض وجوہ مذکورۂ بالا سے ناکامی ہوئی،

اب ہم کو کیا کرنا چاہیے، (۱) ایک وقف ایسوسی ایشن یعنی وقف کی ایک کمیٹی قائم ہو جس کے ممبر تمام اضلاع ہندوستان کے سر برآوردہ مسلمان، تعلقہ دار، زمیندار، عہدہ داران

[1] وقف کو ہبہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے،

سرکاری، وکلار، وغیرہ وغیرہ ہون،

(۲) ایک فتویٰ تمام ہندوستان کے علماء کے دستخط سے مزین ہو کر تیار کرایا جائے،

(۳) ایک رسالہ لکھا جائے جس مین احادیث اور روایات فقہیہ سے وقفِ اولاد کو ثابت کیا جائے،

(۴) ایک عرضداشت مرتب ہو کر، تمام ہندوستان کے مسلمانون سے اس پر دستخط کرائے جائین، اور وہ مع رسالہ وفتویٰ مذکورۂ بالا کے حضور وایسرائے کی خدمت مین بھیجی جائے، جس کا مضمون یہ ہو کہ،

تمام مسلمانانِ ہندوستان اس تعبیر کو خلاف قانون اسلام سمجھتے ہین جو پریوی کونسل نے وقف اولاد کے مسئلہ مین کی ہے، اس لئے

ہم مسلمانون کی درخواست ہے کہ گورنمنٹ ایک جدید قانون وقف اولاد کے متعلق حسب شریعت اسلام بنا دے، جیسا کہ ہندو بیوگان کی نسبت حضور وایسرائے نے ہندؤن کی درخواست پر ایک قانون موسومہ قانون نکاح بیوگان بنا دیا ہے،

غرض جب تک تمام مسلمانون کی متفقہ آواز سے گورنمنٹ پر یہ نہ ثابت ہوگا کہ پریوی کونسل کا فیصلہ، مسلمانون کے مذہب اور شریعت کے خلاف ہے اس بار مین کچھ کامیابی نہین ہو سکتی،

رسالہ کا مسودہ الندوہ مین اطلاع عام کیلئے شایع کیا جاتا ہے، اور اس پر جو حضرات کسی قسم کی رائے دینا چاہین، خاکسار کو تحریر فرمائین، یہ رسالہ تمام علما کی خدمت مین منظوری کے لئے مرسل ہوگا، اور ان کے دستخط اس پر ثبت کرائے جائین گے،

چونکہ انگریزی عدالتون نے بالعموم وقف علی الاولاد کو جو شریعت اسلام کا ایک مسلمہ مسئلہ ہے، متعدد فیصلون کے ذریعہ سے ناجائز اور باطل قرار دیدیا ہے، اور یہ ظاہر کیا ہے کہ خود اسلامی شریعت مین یہ مسئلہ ناجائز ہے، اس لئے یہ رسالہ تحریر کیا جاتا ہے، جس سے دو امر ظاہر کرنا مقصود ہے،

(۱) اولاد پر جائداد کا وقف کرنا، حدیث اور فقہ، دونون سے ثابت ہے، اور مسلمانون کے تمام فرقے اس مین متفق الرائے ہین،

(۲) حکام انگریزی بالخصوص پریوی کونسل نے کس بنا پر، اس مسئلہ کے سمجھنے مین غلطی کی ہے،

وقف اولاد کا مسئلہ اصول مفصلہ ذیل پر مبنی ہے،

پہلا اصول، شریعت اسلامی مین خیرات اور صدقہ، غیرون پر محدود نہین بلکہ خود اپنے اہل وعیال کو دینا بھی صدقہ اور خیرات (چیرٹی) ہے،

قرآن مجید مین ہے،

لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملٰئکۃ والکتب والنبیین وآتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب (سورہ بقرہ رکوع ۲۱)

یہ نیکی نہین ہے کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دو لیکن نیکی یہ ہے کہ جو شخص خدا پر اور قیامت پر اور فرشتون پر اور کتاب پر، اور انبیا پر ایمان لائے، اور خدا کی محبت مین اپنا مال رشتہ دارون کو، اور یتیمون کو، اور مسکینون کو اور مسافر کو اور سائل کو اور آزاد کرنے کے لئے دے،

ایک اور آیت مین ہے :-

یسئلونك ماذا ینفقون، قل ما انفقتم	لوگ تجھ سے پوچھتے ہین کہ کیا خیرات کرین، کہہ دے
من خیر فللوالدین والاقربین والیتامیٰ	کہ جو خیرات کرو تو والدین کو دو، اور رشتہ دارون
والمسٰکین وابن السبیل،	کو اور یتیمون کو اور مسکینون کو اور مسافرون کو،

قرآن مجید کی یہ آیت جب نازل ہوئی،

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون،	تم ثواب نہین پا سکتے جب تک اس چیز مین سے خیرات نہ کرو
	جو تم کو محبوب ہے،

تو ابو طلحہؓ آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ صلعم خدا کہتا ہے کہ جب تک محبوب چیز خیرات نہ کرو نیکی نہ ملے گی، تو مجھ کو اپنی تمام جائدادون مین سے بیرحا بہت زیادہ محبوب ہے، مین اس کو صدقہ دینا چاہتا ہون، آنحضرت صلعم نے فرمایا تو بہتر یہ ہے کہ اپنے عزیزون پر صدقہ کرو، چنانچہ ابو طلحہؓ نے یہ جائداد اپنے اقارب اور خاص اپنے چچازاد بھائیون پر صدقہ کی، یہ حدیث صحیح بخاری مین ہے جو قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ مستند کتاب ہے،

اصل الفاظ بخاری کے یہ ہین :-

قال انس فلما نزلت لن تنالوا البر	انسؓ کا بیان ہے کہ جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی
حتی تنفقوا مما تحبون قام ابو طلحہ فقال	کہ تم کو ثواب نہ حاصل ہوگا جب تک تم اپنا محبوب مال
یا رسول اللہ ان اللہ یقول لن تنالوا	خیرات نہ کرو، تو ابو طلحہؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ
البر حتی تنفقوا مما تحبون وان احب اموالی	خدا یہ کہتا ہے، اور مجھ کو سب سے زیادہ عزیز میری بیرحا
الی بیرحاء وانھا صدقۃ للہ ارجو برھا	کی جائداد ہے، تو وہ خدا کی راہ مین صدقہ ہے،
وذخرھا عند اللہ فضعھا حیث اراک	مین اس کے ثواب کا اور خدا کے ہان ذخیرہ ہونے کا
اللہ فقال بخ ذلك مال رابح او رابح	امیدوار ہون تو آپ اسکو جس طرح چاہئے صرف

شك ابن سلمة وقد سمعت ما قلت وانی اری ان تجعلها فی الاقربین، (بخاری باب الوقف)

کہیجئے آنحضرت صلعم نے فرمایا سبحان اللہ یہ تو بکار آمد جائداد ہی، (یا چلتی ہوئی چیز ہی) ابن سلمہ کو شک ہے کہ ان دو لفظون مین سے آنحضرت صلعم نے کیا فرمایا تھا مین نے سنا جو تم نے کہا، اور میری راے ہے کہ تم اس جائداد کو عزیزون پر وقف کرو، (بخاری باب الوقف)

صحیح مسلم مین ہے،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینار انفقتہ فی سبیل اللہ ودینار انفقتہ فی رقبة دینار تصدقت بہ علی مسکین ودینار انفقتہ علی اهلك اعظمها اجرا الذی انفقتہ علی اهلك (صحیح مسلم کتاب الزکوة والصدقة)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو روپیہ تم نے خدا کی راہ مین صرف کیا، اور کسی گرفتار کے چھڑانے مین صرف کیا، اور جو مسکین پر صرف کیا اور جو اپنی بیوی بچہ پر صرف کیا، ان مین خدا کے ہان سب سے زیادہ جس پر اجر ملے گا، وہ وہ ہے، جو بال بچہ پر تم نے صرف کیا، (صحیح مسلم کتاب الزکوة)

صحیح بخاری مین ہے،

خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنی وابدء بمن تعول (مشکوة)

اچھی خیرات وہ ہے جو اہل وعیال کے خرچ سے فارغ ہو کر کیجائے، اور شروع عیال سے کرو،

بخاری ومسلم مین ہے،

عن ام سلمة قال قلت یا رسول اللہ لی اجر ان انفق علی بنی ابی سلمة انما هم بنی فقال انفقی علیهم فلك اجر ما انفقت

ام سلمہ کہتی ہین کہ مین نے کہا یا رسول اللہ اگر مین ابو سلمہ کے بیٹون پر صرف کردن تو کیا مجھ کو کچھ ثواب ملیگا وہ تو میرے بیٹے ہی ہین، آپ نے فرمایا ہان انکے

علیهم   صرف کرو، تم کو اس کا ثواب ملے گا،

بخاری اور مسلم مین ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کی بیوی زینب کہتی ہین کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا اے بی بیو خیرات دو، گو اپنے زیور ہی سے ہی، یہ سنکر مین اپنے شوہر کے پاس گئی، اور کہا کہ تم مفلس آدمی ہو، اور رسول اللہ صلعم نے ہم لوگون کو خیرات کرنے کا حکم دیا ہے، تو تم جاکر آنحضرت صلعم سے پوچھو کہ تم کو دینا خیرات مین داخل ہے، یا نہین؟ اگر نہ ہو تو مین اورون کو خیرات دون، عبد اللہ نے کہا نہین تم ہی جاؤ، زینب گئین، اتفاق سے دروازہ پر ایک اور بیوی ملین اور ان کو بھی یہی پوچھنا تھا، اتنے مین بلالؓ باہر نکلے، مین نے بلالؓ سے کہا جاکر آنحضرت صلعم سے پوچھو کہ دو عورتین یہ پوچھ رہی ہین کہ اگر وہ اپنے شوہر کو اور یتیمون کو جو ان کے زیر تربیت ہین خیرات دین تو یہ خیرات مین داخل ہوگا یا نہین، زینب نے یہ بھی کہدیا کہ ہمارا نام نہ بتانا، بلالؓ نے جاکر پوچھا، آنحضرت صلعم نے عورتون کا نام پوچھا، بلالؓ نے کہا ایک زینب ہین، اور ایک انصاری عورت ہے، آنحضرت صلعم نے فرمایا کون سی زینب؟ بلالؓ نے کہا عبد اللہ کی بیوی، آپ نے فرمایا، ان کو دو ثواب ہون گے، ایک رشتہ کا اور ایک خیرات کا، (یہ صحیح مسلم کے الفاظ کا ترجمہ ہے،)

صحیح ترمذی اور ابن ماجہ اور نسائی مین ہے،

الصدقة علی المسکین صدقة وھی علی ذی الرحم ثنتان صدقة وصلة

مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہے، اور قرابتدار کو دینا صدقہ بھی ہے، اور صلہ رحم بھی،

بخاری اور مسلم مین ہے،

اذا انفق المسلم نفقة علی اھلہ وھو

جب مسلمان اپنے بال بچون پر صرف کرتا ہے، اور ثواب

یحتسبھا کانت لہ صدقۃ — سمجھ کر کرتا ہے تو یہ خیرات ہے،

ان تمام احادیث سے ثابت ہے کہ اسلام کا یہ اصول ہے کہ خیرات اور صدقہ جس طرح غیر لوگون کو دینا ثواب ہے، اسی طرح اپنی اولاد عزیز اور اقارب کو دینا بھی ثواب ہے، اسلام کا اصول یہ ہے کہ اپنے بال بچے بھی عام سوسائٹی کے افراد ہین، اس لئے ان کی مدد کرنا بھی بنی نوع انسان کی مدد کرنا ہے، اور اس لئے ثواب ہے، انگریزی مین بھی مثل ہے کہ خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے،

دوسرا اصول اسلام نے خیرات کے دو طریقے قرار دیئے ہین، ایک یہ کہ اصل چیز خیرات مین دیدی جائے، دوسرے یہ کہ اصل چیز محفوظ رہے، اور اس کا منافع یا آمدنی خیرات مین صرف ہوتی رہے، اس دوسری قسم کا نام **وقف** ہے،

وقف کا یہ حکم ہے کہ اصل شے نہ کسی کی ملک ہو سکتی، نہ فروخت ہو سکتی، نہ منتقل ہو سکتی **وقف** کی یہ حقیقت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرما دی تھی، حضرت عمرؓ کو خیبر مین ایک نخلستان ہات آیا، انھون نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ مین خیرات کرنا چاہتا ہون، کس طریقہ سے کرون آپ نے فرمایا اصل محفوظ رہے، یعنی نہ بک سکے، نہ ہبہ ہو سکے، نہ اس مین وراثت جاری ہو،

یہ واقعہ بخاری مین متعدد طریقون سے بالتفصیل مذکور ہے، آنحضرت صلعم کے الفاظ یہ ہین :۔

تصدق باصلہ لایباع ولا یوھب ولا یورث ولکن ینفق ثمرہ — اصل کو اس طرح خیرات مین دو کہ وہ نہ بک سکے نہ ہبہ کیجا سکے نہ اسمین وراثت جاری ہو، بلکہ اس کا پھل لوگون کو ملا کرے،

اگرچہ یہ وقف، غربا اور مسافرون اور مہمانون وغیرہ کے لئے مخصوص تھا تاہم رشتہ دار

اور قرابت دار بھی اس مین داخل تھے، چنانچہ بخاری کے یہ الفاظ ہین،

فی الفقراء والقربیٰ وفی الرقاب وفی سبیل اللّٰہ والضیف وابن السبیل،

(3) تیسرا اصول، فقہ اسلام کا تمام تر مدار نیت پر ہے، یعنی ایک ہی چیز کسی شخص کو دوستی

یا ہبہ کی نیت سے دیجائے تو اس کے اور احکام ہون گے اور اگر یہ نیت کر لیجائے کہ خدا

کی راہ مین دیگئی، تو اس کے احکام بالکل بدل جائین گے، مثلاً ایسی چیز کا دینا سیدون

اور دولتمندون کو ناجائز ہوگا، حالانکہ ہبہ کرنا ہر شخص کے لئے جائز ہے،

وقف کا مسئلہ انھین اصول مذکورۂ بالا کی بنیاد پر ہے، چنانچہ خود آنحضرت صلعم کے

زمانہ مین اس قسم کے وقفون کی بنیاد پڑی، اور اس وقت سے آج تک یہ سلسلہ برابر

قایم رہا،

صحابہؓ نے اولاد پر وقف کیا تھا، فتح القدیر حاشیہ ہدایہ مین یہ سند نقل کیا ہے،

ان الزبیر بن العوام وقف دارہ | زبیر بن عوامؓ نے اپنا ایک مکان اپنی مطلقہ لڑکیون

علی المردودۃ من بناتہ | پر وقف کیا،

فتح القدیرؒ مین حاکم کی سند سے روایت ہے کہ ابتداے اسلام مین آنحضرت صلعم

جس مکان مین رہتے تھے، اور جو صفا کے پاس تھا، اس کو اس کے مالک ارقم نے اپنے

بیٹون پر وقف کردیا تھا، وقف نامہ کے الفاظ یہ تھے،

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ھذا ما قضی الارقم | یہ وہ وقف ہے جو ارقم نے قائم کیا ۔۔ وہ نہ بیچا

۔۔۔ لاتباع ولا تورث | جائیگا نہ اس مین وراثت جاری ہوگی،

اسی فتح القدیر مین بیہقی کی کتاب الخلافیات سے نقل کیا ہی،

لہ فتح القدیر ہدایہ کی شرح ہے اور نہایت معتبر کتاب ہے،

تصدق ابو بکر بداره بمکة علی ولده
فهی الی الیوم ×× وتصدق سعد
بن ابی وقاص بداره بالمدینة وبداره
بمصر علی ولده فذلک الی الیوم
×× وعمرو بن العاص بالوهط من الطایف
وداره بمکة والمدینة علی ولده
فذلک الی الیوم[1]،

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے مکان کو جو مکہ مین
تھا، اپنی اولاد پر وقف کیا چنانچہ وہ اب تک
قایم ہے ×× سعد بن ابی وقاص نے اپنے مدینہ کے
مکان کو اور مصر کے مکان کو اپنے بیٹون پر وقف
کیا جو ابتک قائم ہے، ×× عمرو بن العاصؓ نے طائف
اور مکہ اور مدینہ کے مکانات کو وقف کیا چنانچہ وہ
اب تک قایم ہے،

عینی شرح ہدایہ مین ہے،،۔

وفی الخلافیات للبیہقی قال ابو بکر
عبد اللہ بن الزبیر الحمیدی تصدق
ابو بکر بداره بمکة علی ولده فهی الی الیوم
وتصدق عمر بربعة عند المروة بالاستة
علی ولده فهی الی الیوم وتصدق علی
رضی اللہ عنه بارضه وداره بمصر
باموالہ بالمدینة علی ولده فذلک
الی الیوم وتصدق سعد بن ابی وقاص
رضی اللہ عنه بربعة عند المروة
وبداره بالمدینة وبداره بمصر

بیہقی نے خلافیات مین لکھا ہے کہ ابو بکر عبد اللہ بن الزبیر
حمیدی نے کہا کہ حضرت ابو بکر نے اپنے مکان کو
جو مکہ مین تھا اپنے بیٹون پر صدقہ کیا، اور وہ ابتک
ہے، اور حضرت عمرؓ نے ایک جائداد کو جو مروہ مین تھی
مع آلات کے اپنے بیٹون پر وقف کیا، سو وہ ابتک
ہے، اور حضرت علیؓ نے مصر کے مکان اور آراضی
اور مدینہ کی جائداد کو اپنی اولاد پر وقف کیا جو
ابتک موجود ہے، اور سعد بن ابی وقاص نے مروہ
کے پاس ایک جائداد کو اور مدینہ اور مصر کے
مکانات کو اپنی اولاد پر وقف کیا، تو وہ ابتک

[1] یہ سب عبارتین فتح القدیر کے صفحہ ۴۱ جلد دوم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ مین ہین،

علی ولدہ فذالک الی الیوم | قائم ہے،

(عینی جلد دوم صفحہ ۹۹۳) | (عینی شرح ہدایہ جلد دوم صفحہ ۹۹۳ مطبوعہ لکھنو)

صحیح بخاری مین ہے، باب الوقف مین،

وتصدق الزبیر بدورہ وقال للمردودۃ من بناتی ان تسکن | اور زبیرؓ نے اپنے مکانات اپنی ان لڑکیون پر وقف کئے جو مطلقہ ہون،

وجعل ابن عمر نصیبہ من دار عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سکنیٰ لذوی الحاجۃ من آل عبد اللہ، | اور عبد اللہ بن عمرؓ نے اپنا وہ حصہ جو حضرت عمرؓ کی جائداد سے ملا تھا، اپنی محتاج اولاد پر وقف کیا،

جن بزرگون نے یہ وقف کئے تھے یعنی ارقمؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ سعدؓ بن ابی وقاصؓ، عمرو بن العاصؓ، زبیرؓ، حضرت علیؓ، عبد اللہ بن عمروؓ، یہ سب آنحضرت صلعم کے مشہور اصحاب ہین، تعجب ہے کہ باوجود اس کے حکام پریوی[1] کونسل کہتے ہین کہ جو نظائر پیش کئے گئے ہین وہ مبہم اور زیادہ تعیین طلب ہین، اور ہم کو ان وقف کرنے والون کا حال معلوم نہین جن بزرگون کے نام اوپر گذرے، اسلام کی تاریخ مین ان سے زیادہ کوئی نام آور نہین، جو جائدادین وقف کین ان کے موقعے اور پتے بتا دیئے گئے ہین، اور چوتھی صدی ہجری تک کے محدثین نے لکھا کہ آج تک یہ اوقاف قائم ہین،

فقہ مین وقف اولاد، | اسی بنا پر فقہ مین وقف اولاد کا خاص باب ہے، اور اس کے متعلق ہر قسم کے تفصیلی احکام درج ہین،

فتاویٰ قاضی خان مین جو نہایت معتبر کتاب فقہ حنفی کی ہے، لکھا ہے،

---

[1] اس فیصلہ پر پریوی کونسل کا حوالہ آگے آئیگا،

رجل قال ارضی هذه صدقة موقوفة علی ولدی کانت الغلة لولد صلبه یستوی فیه الذکر والانثی، ××× واذا اجاز هذه الوقف فما دام یوجد واحد من ولد الصلب کانت الغلة له لا غیر وان لم یبق واحد من البطن الاول تصرف الغلة الی الفقراء (قاضیخان فصل فی الوقف علی الاولاد)

ایک شخص نے کہا میری یہ زمین میری اولاد پر صدقہ اور وقف ہے، تو زمین کا محاصل صلبی اولاد کو ملے گا، اس مین مرد عورت سب برابر ہونگے ××× اور جب یہ وقف جائز ہوا تو جب تک ایک شخص بھی صلبی اولاد سے موجود رہے گا منافع اسی کو ملے گا، اور کسی کو نہین، اور اگر پہلی پشت کا کوئی شخص موجود نہ رہجائے تو فقیرون کو ملے گا،

فتاوی عالمگیری باب الوقف مین ہے۔

وان قال علی ولدی وولد ولدی وولد ولدی ذکر البطن الثالث فانه تصرف الغلة الی اولاده ابداً ما تناسلوا لا تصرف الی الفقراء مابقی احد یکون الوقف علیهم وعلی من اسفل منهم الاقرب والابعد فیهم سواء، (کتاب الوقف عالمگیری الفصل الثانی فی الوقف علی نفسه واولاده ونسله)

اور اگر کہا کہ جائداد میری اولاد اور اولاد اولاد اور ان کی اولاد اولاد یعنی تیسری پشت کا بھی ذکر کیا، تو جائداد کا منافع ہمیشہ خاندان کو ملتا رہیگا، جب تک اولاد کی نسل چلتی رہے اور فقیرون کو کچھ نہین ملے گا، جب تک خاندان مین ایک شخص بھی باقی رہے گا، اس کو اور اس کے نیچے والون کو منافع ملے گا، قریب اور بعید آپس سب برابر ہون گے،

درمختار مین ہے،

ولو زاد البطن الثالث عم نسله و

اور اگر تیسری پشت کو بھی اضافہ کیا تو تمام

ولیستوی الاقتراب و الابعد — نسل کو عام ہوگا، قریب و بعید سب شامل ہون گے،

(در مختار فصل فیما یتعلق بوقف الاولاد)

چونکہ یہ مسئلہ بلا اختلاف تمام فقہانے تصریحًا لکھا ہے، اس لئے زیادہ عبارتین ہم نے نقل نہین کین،

مفتی بہ، قاضی ابویوسف اور امام محمدؒ کی راے ہے،	اس موقع پر بطور ایک واقعہ کے یہ ظاہر کردینا

بھی ضرور ہے کہ وقف کے احکام جو بیان ہوئے، وہ قاضی ابویوسف اور امام محمدؒ اور تمام دیگر فقہار کی راے کے موافق ہین، امام ابوحنیفہ سرے سے وقف کے قائل نہین یعنی ان کے نزدیک وقف مین واقف کی ملکیت ساقط نہین ہوتی، اور واقف جب چاہے وقف سے رجوع کرسکتا ہے لیکن تمام فقہانے تصریح کی ہے، کہ امام ابوحنیفہ کے قول پر فتوی نہین ہے، بلکہ قاضی ابویوسف صاحب اور امام محمد صاحب کے قول پر فتوی ہے،

فتاوے عالمگیری مین ہے :-

وفی العیون والیتیمۃ ان الفتوی علی قولھما، — اور عیون اور یتیمہ (کتابون کا نام ہی) مین ہے کہ فتوی دونون صاحبون (قاضی ابویوسف و امام محمدؒ) کے قول پر ہے

فتاوی قاضی خان مین ہے،

والناس لم یاخذوا بقول ابی حنیفۃ فی ھذا للآثار المشھورۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والصحابۃ، — اور لوگون نے اس بارہ مین ابوحنیفہؒ کے قول کو اختیار نہین کیا بوجہ ان مشہور روایتون کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے مروی ہین،

درمختار مین ہے،

فلا یجوز له ابطاله ولا یورث عنه
وعلیه الفتوی،

تو وقف کرنیوالے کو وقف کا باطل کرنا جائز نہین، اور نہ
شے موقوفہ مین وراثت جاری ہوسکتی ہے اور اسی پر فتوی ہے،

فتح القدیر[1] حاشیہ ہدایہ مین ہے،

والحق ترجیح قول عامة العلماء
بلزومه لان الاحادیث والاثار
متظافرة علی ذلك قولا کما صح من قوله
علیه الصلوة والسلام لایباع ولا یورث الخ
وتکرر هذا فی احادیث کثیرة واستمر
عمل الامة من الصحابة والتابعین
ومن بعدهم علی ذلك اولها صدقة
رسول الله

اور حق یہ ہے کہ عام علما جو وقف کے لازم ہونیکے قائل ہین،
انھی کے قول کو ترجیح ہے، کیونکہ حدیثین اور روایتین اسکی
دلیلے ہین جیسا کہ آنحضرت صلعم کا یہ قول صحیح طور سے ثابت ہے کہ جائداد
موقوفہ نہ فروخت ہوسکیگی، نہ اسمین وراثت جاری ہوگی،
اور متعدد حدیثون مین ایسا آیا ہے، اور تمام امت
محمدیہ کا صحابہ سے لے کر تابعین اور مابعد کے لوگون
کا اس پر عمل رہا، پہلا **وقف** خود آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے کیا،

ثم صدقة ابی بکر ثم عمر وعثمان
وعلی والزبیر ومعاذ بن جبل وزید
بن ثابت وعائشة واسماء اختها و
ام سلمة وام حبیبة وصفیة بنت حیی
وسعد بن ابی وقاص وخالد بن الولید
وجابر بن عبد الله وعقبة بن عامر
ابی اروی الدوسی وعبد الله بن الزبیر

پھر ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ،
معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ، عائشہؓ اور انکی
بہن اسماءؓ، اور ام سلمہؓ اور ام حبیبہؓ اور صفیہؓ
بنت حیی، اور سعد بن ابی وقاصؓ، اور خالدؓ
بن الولید، اور جابر بن عبد اللہؓ، اور عقبہؓ
بن عامر، اور ابی اروی الدوسیؓ، اور عبد اللہؓ
بن الزبیرؓ ان سب نے وقف کیا، یہ سب

[1] فتح القدیر مطبوعہ لکھنؤ جلد ۲ صفحہ ۵۳،

رضی اللہ عنہم کل ھولاء من الصحابۃ ثم التابعین بعدھم کلھا بروایات وتوارث الناس اجمعون ذلک۔

لوگ صحابہ مین ہین اور انکے مابعد کے لوگون کا یہ عمل رہا اور تمام لوگ اس کو کرتے آئے ہین،

بحر الرائق شرح کنز الدقائق مصنفہ علامہ ابن نجیم مین ہے،

وقد اکثر الخصاف من الاستدلال لھما بوقوف النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ رضی اللہ عنھم وقد کان ابو یوسف مع الامام حتی حج مع الرشید و رای وقوف الصحابۃ رضی اللہ عنھم بالمدینۃ ونواحیھا فرجع وافتی بلزومہ ولقد استبعد محمد قول ابی حنیفۃ فی الکتاب لھذا وسماہ تحکما علی الناس[1]،

اور خصاف نے قاضی ابو یوسف اور امام محمد کے مذہب کے موافق بہت سے وقفون سے استدلال کیا جو آنحضرت صلعم نے اور صحابہ نے وقف کئے، پہلے قاضی ابو یوسف بھی امام ابو حنیفہ کے ہم خیال تھے، لیکن جب انھون نے ہارون الرشید کیساتھ حج کیا، اور مدینہ مین جاکر وہان اور اسکے اطراف مین صحابہ کے اوقاف دیکھے تو انکی رائے بدل گئی اور فتویٰ دیا کہ وقف لازم ہے، اور امام محمدؒ نے اپنی کتاب مین امام ابو حنیفہ کے قول پر بہت تعجب کیا ہی، اور کہا ہی کہ یہ زبردستی ہی،

پریوی کونسل کے شبہات کا جواب

اصول ہاے مذکورۂ بالا کے بیان کرنے کے بعد ہم پریوی کونسل کے ان شبہات کی طرف متوجہ ہوتے ہین، جنکی بناپر انھون نے وقفِ اولاد کو ناجائز سمجھا ہی،

جناب مولوی امیر علی صاحب جسٹس نے اپنے فیصلہ مندرجہ انڈین لارپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۲۰ صفحہ ۱۴۰ مین متعدد روایتین وقفِ اولاد کے جائز ہونے کے متعلق نقل کی تھین لیکن حکامِ پریوی کونسل نے ان کے متعلق یہ لکھا ہے :-

[1] بحر الرائق مطبوعہ مصر طبع اول مطبع علمیۃ صفحہ ۲۰۹،

"رائے اس مقنن ذی علم شرع محمدی کی جیسا کہ حکام عالیمقام سمجھتے ہین ایسے اقوال پرمبنی ہے جو اصول ذہنی تھے، اور ایسے نظائر پر جو بہت غیر مکمل طور پر بیان کئے گئے ہین، مثلاً حاکم موصوف نے حوالہ ایک نصیحت جو پیغمبر یعنی محمدؐ کا دیا ہے، جس کا یہ مضمون ہے کہ نیکی کی راہ سے دینا اپنے خاندان کو اس غرض سے کہ وہ محتاج نہ ہون زیادہ تر کار ثواب بہ نسبت فقرا، کے ہے" نہایت اعلی صدقہ وہ ہے کہ جو کوئی شخص اپنے خاندان کو دے" اور بطور نظیر کے حاکم موصوف نے ذکر ہبہ ایک مکان کا کیا ہے، کہ جو وقف یا صدقہ مین دیدیا گیا تھا اور جس کی آمدنی اولاد سمی ارکانِ واہب کو عطا کی گئی تھی"، حاکم موصوف کی دیگر قدیم اسناد اسی قسم کی ہین،

نسبت نظائر کے حکام عالیمقام کو بہت زیادہ مفصل حالات معلوم ہونے چاہئین قبل اس کے کہ وہ یہ تجویز کرسکین کہ آیا وہ متعلق بھی ہونگے یا نہین، حکام ممدوح سنتے ہین کہ ہبہ کیا گیا اور وہ بحال رکھا گیا، لیکن بابت حالات جائداد کے سوا اس کے اور کچھ انھون نے نہین سنا کہ مقدمہ محولہ مین یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکان مذکور خاص طور پر مقدس سمجھا جاتا تھا، ان کو کچھ حال خاندان یا واقف کا نہین معلوم"

نسبت ان حدیثون کے جو بطور اصلی اصول شرع محمدی کے بیان کی گئی ہین، واضح ہو کہ حکام عالیمقام نے یہ امر فراموش نہین کیا کہ کس حد تک شرع اور مذہب فرقہ ہائے اہلِ اسلام مین باہم مخلوط ہین، لیکن حکام ممدوح نے اثنائے بحث مین دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ از روے عام قانون اسلام کے اقل درجہ جیسا کہ ہند مین معلوم ہوتا ہے، سادہ ہبہ جات منجانب معمولی اشخاص کے بحق بعید اولاد کے جو ہنوز پیدا نہین ہوئی یعنی متواتر ناقابل انتقال حقوق حین حیاتی ممنوع ہین، اور آیا یہ تصور

کرنا چاہیے کہ وہی انتقالات جو اس صورت مین ناجائز ہین جب کہ معمولی الفاظ ہبہ کے استعمال کئے جائین، جائز ہو جاتے ہین، اگر صرف ہبہ کنندہ یہ کہدے کہ وہ بطور وقف کے خدا کے نام پر یا واسطے غربا کئے گئے، ان سوالات کا کوئی جواب نہین دیا گیا، نہ جواب دینے کی کوشش کی گئی نہ حکام عالیمقام کو کوئی جواب معلوم ہوتا ہے"

یہ صحیح ہے کہ واہب کا حق قطعی جائداد مذکور مین کم ہو جاتا ہے، اور حق حین حیاتی رہجاتا ہے، یعنی وقف نامہ کی وجہ سے وہ متولی یا مہتمم تصور کیا جاتا ہے، لیکن وہ اس حیثیت مین تاحیات رہتا ہے، اس کو اختیار ہے کہ آمدنی کو مطابق اپنی مرضی کے صرف کرے اور کوئی اس سے حساب نہ طلب کریگا، اس قدر تبدیلی حالت ملکیت مین بالکل مطابق اس تدبیر کے ہے، کہ خاندان مین مداومت قائم کیجائے اور بلاشک واسطے فوراً تکمیل ایسے ارادہ کے ضروری ہے،

حکام عالیمقام نے تاحد اپنی بہترین لیاقت کے تحقق اور معلوم کرنے اس شرع محمدی کی کوشش کی، جو ہند مین معلوم ہے، اور جس پر وہان عمل کیا جاتا ہے، لیکن حکام ممدوح کو یہ نہین معلوم ہوتا کہ قطعی اور جیسا کہ حکام ممدوح کو معلوم ہوتا ہے بیجا تعلق کرنا حدیثہا اصولی کا جو نبی کے منہ سے سنی گئین، مطابق اس قانون کے ہے، ممکن ہے کہ یہ حدیثین مناسب موقع پر نہایت عمدہ ہون، جہان تک کہ حکام عالیمقام کو معلوم ہے، ممکن ہے کہ ان حدیثون کا یہ اثر ہو کہ ان سے قاعدہ اور دستور وقف کی ترمیم ہوئی جیسا کہ جج ذیعلم نے تحریر کیا ہے کہ انکی یہ تاثیر تھی،

لیکن یہ خیال کرنا مقنن اعظم (محمد رسول اللہ صلعم) کی نسبت بیجا ہوگا، کہ مقنن موصوف نے اس کے ذریعہ سے ایسے ہبہ جات کو پسند کیا ہے، جن کے ذریعہ سے واہب نے کچھ نفس کشی

نہ کی ہو جسمین وہ ایک ہاتھ سے اس شے کو واپس لیتا ہے، جو ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دوسرے ہاتھ سے دی، اور جو ذریعہ جمع کرنے آمدنی اور ازدیاد جائداد خاندان مین اور جنکی روسے وہ اشخاص جو مہتمان ہون موسوم کئے گئے ہین مطابہ حساب سے بہ احتیاط محفوظ رکھے گئے ہین[۱]۔

عبارت مذکورۂ بالا سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جن اسباب سے پریوی کونسل نے وقف علی الاولاد کے مسئلہ کو ناجائز قرار دیا ہے، حسب ذیل ہین:۔

(۱) اپنی اولاد کو دینا، ثواب اور خیرات کا کام کیونکر ہو سکتا ہے"، اس کے متعلق ہم پہلے اصول مین بہ تفصیل لکھ آئے ہین کہ اسلام نے اولاد اور خاندان کی پرورش کو ثواب کا کام قرار دیا ہے، اور عقل بھی اس کی مقتضی ہے کہ یہ ثواب کا کام قرار دیا جائے،

(۲) وقف اولاد کے متعلق شارع اسلام سے جو روایتین منقول ہین، اور جنکا تذکرہ مولوی امیر علی صاحب جسٹس نے اپنے فیصلہ مین کیا ہے، وہ مبہم اور زیادہ توضیح اور ثبوت طلب ہین، لیکن ہم نے صحابہ کے وقف اولاد کے متعلق تفصیلی روایتین مع حوالون کے نقل کر دی ہین،

(۳) شریعت اسلام نے ہبہ مشروط، اور ہبہ حین حیاتی، اور ہبہ ناقابل انتقال کو ناجائز قرار دیا ہے، یعنی اگر کوئی شخص کوئی جائداد اس طرح ہبہ کرنا چاہے کہ موہوب لہ صرف اپنی زندگی تک اس سے متمتع ہو سکے، اس کے بعد اس کی اولاد اور اولاد اولاد کو اسی طرح حین حیاتی حق حاصل ہوتا رہے، تو یہ ہبہ فقہ اسلام کی روسے ناجائز ہوگا،

[۱] دیکھو مقدمہ ابوالفتح محمد اسحاق وغیرہ مدعیان بنام راس مایا دھر چودھری وغیرہ مدعا علیہم مندرجہ جلد ۲۲ ترجمہ انڈین لارپورٹ مطبوعہ جولائی ۱۸۹۵ء سلسلہ کلکتہ مطبع نظائر قانون ہند مندرجہ صفحہ کتاب انگریزی از صفحہ ۶۱۹ تا ۶۳۴

جب یہ مسلم ہے تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہی طریقۂ انتقال صرف اس وجہ سے جائز ہو جائے کہ ہبہ کے بجائے اس کو وقف کہدیا جائے کیا لفظ کے بدلنے سے حقیقت بدل جاتی ہے لیکن یہ شبہہ بھی صحیح نہین ہے، ہبہ اور وقف بالکل مختلف چیزین ہین، اور ان کے احکام بالکل مختلف ہین، ہم اوپر بیان کر آئے ہین کہ شریعت اسلام مین احکام کا مدار نیت پر ہے، اگر ایک شخص کوئی چیز کسی کو ہبۃً دینا چاہے، تو بلا کسی قید کے دیسکتا ہے، لیکن اگر اسی کا نام وہ زکوٰۃ رکھدے جو خیرات کی ایک قسم ہے، تو بہت سی شرطین لازم ہو جائینگی، مثلاً یہ کہ جس کو وہ چیز دیجائے وہ دولتمند نہ ہو، پیغمبر کے خاندان سے نہ ہو، کھانے کمانے کے قابل نہ ہو،

فقہ اسلام مین ہبہ اس کا نام ہے کہ کوئی چیز کسی شخص کو قطعاً دیدیجائے کہ وہ جو چاہے کرے، اس صورت مین چونکہ یہ احتمال ہے کہ موہوب لہ اس کو جائز یا ناجائز طور پر بالکل صرف کر ڈالے اور اس سے کوئی مستقل اور مستمرہ مدد کسی کو حاصل نہ ہو، اس لئے یہ کوئی ثواب کا کام نہین قرار دیا گیا، بخلاف اس کے وقف کے یہ معنی ہین کہ مستقل اور مستمر طور پر ایک گروہ کی پرورش اور بقاے زندگی کا سامان کیا جائے، اس طرح کہ یہ ذریعۂ معاش کوئی شخص منقطع نہ کرنے پائے، اس لئے ایسی تدبیر جس سے ایک گروہ انسانی کی پرورش کا ایک مستقل اور پائدار سلسلہ قایم ہو، اور باقی رہے، یقیناً بنی نوعِ انسان کی بھلائی کا کام ہے، اور داخلِ ثواب ہے،

وقف مین موقوف لہ بہت سے شرائط کا پابند ہے، وہ جائداد کو منتقل نہین کرسکتا، جائداد کے منافع کو بیجا نہین صرف کر سکتا، جو مصارف وقف مین متعین ہو چکے ہین، ان مین ادل بدل اور تغیر نہین کر سکتا، اگر موقوف لہ وقف کا بیجا استعمال کرے

تو ہر مسلمان کو حق حاصل ہے کہ عدالت مین اس پر دعویٰ کرے اور قاضی اس کو تمام ایسے تصرفات سے باز رکھے گا،

اس صورت مین یہ ظاہر ہے کہ ہبہ اور وقف بالکل مختلف چیزین ہین، اور ان کے احکام مین فرق کا ہونا لازمی ہے،

جب تمام مذکورۂ بالا حدیثون اور فقہی روایتون سے ثابت ہو گیا کہ اسلام مین اولاد پر وقف کرنا جائز اور واجب النفاذ ہے، تو پریوی کونسل کو اسلام ہی کے مطابق وقف کے مسئلہ پر عمل کرنا چاہئے، کیونکہ گورنمنٹ انگریزی کا یہ اصول ہے کہ وہ کسی قوم کے مذہبی احکام مین کوئی مداخلت نہین کرتی"

پردہ اور اسلام

یورپ کی عامیانہ تقلید نے ملک مین جو نئے مباحث پیدا کر دیئے ہین، ان مین ایک یہ مسئلہ بھی ہے، اگر اس مسئلہ پر صرف عقلی پہلو سے بحث کیجاتی تو ہم کو دخل در معقولات کی کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن ساتھ ہی یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ خود مذہب اسلام مین پردہ کا حکم نہین، اور اس سے بڑھکر یہ کہ قرون اولیٰ مین پردہ کا رواج بھی نہ تھا، نئے تعلیمیافتہ گروہ کے سب سے مشہور اور مستند مصنف (مولوی امیر علی) نے ۱۸۹۹ء مین رسالہ "نائن ٹینتھ سنچری" مین مسلمان عورتون کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا جسمین وہ تحریر فرماتے ہین :-

"یہ لمبا برقع، نقاب، اور خمار سلجوقیون کے آخری زمانہ مین شایع ہوا، اور جس قسم کا پردہ آج کل مسلمانانِ ہند مین رائج ہے، خلفا کے زمانہ مین اس کا کہین نام و نشان نہ تھا بلکہ برعکس اس کے اعلیٰ طبقہ کی عورتین بلا برقع کے مردون کے سامنے آتی تھین، ساتوین صدی ہجری کے وسط مین جب خلفا ضعیف ہوئے، اور تاتاریون نے اسلامی حکومت کو درہم و برہم کیا تو اس وقت علماء مین اس پر نزاع ہوئی کہ عورتین اپنے ہاتھ منہ اور پاؤن اجنبیون کے سامنے کھول سکتی ہین یا نہین"،

اس موقع پر عبرت کے قابل یہ امر ہے کہ اسلام کی تاریخ اور اسلام کے مسائل کی تعبیر کرنے والے دو گروہ ہو سکتے تھے، علمائے قدیم اور جدید تعلیم یافتہ، علماء کا یہ حال

ہے، کہ ان کو زمانہ کی موجودہ زبان مین بولنا نہین آتا، جدید تعلیمیافتہ لوگون کے مبلغ علم کا اس عبارت سے اندازہ ہوسکتا ہے، جو ابھی اوپر گذر چکی لیکن بدقسمتی سے یہی دوسرا گروہ قومی لٹریچر پر قبضہ کرتا جاتا ہے، اور چونکہ غیر قومون کے کانون مین صرف اسی گروہ کی آواز پہونچتی ہے، اس لیے مسائل اور تاریخِ اسلام کے متعلق آیندہ زمانہ مین اسی گروہ کی آواز اسلام کی آواز سمجھی جائیگی، ہم اس مضمون مین صرف تاریخی پہلو سے بحث کرتے ہین، اور یہ دکھانا چاہتے ہین کہ عرب مین اسلام سے پہلے پردہ کی کیا حالت تھی پھر تمام اسلامی دنیا مین پردہ کے متعلق کیا طریقِ عمل رہا،

مدت ہوئی ہم نے اس مضمون کے پہلے حصے پر ایک بسیط مضمون لکھا تھا، پہلے اس کو بعینہٖ اس مقام پر درج کرتے ہین،

اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ قدرت نے مرد اور عورت کو بعض خصوصیتون مین ایک دوسرے سے ممتاز پیدا کیا ہے، لیکن تمدن نے ان قدرتی خصوصیتون کے علاوہ اور بھی بہت سے امتیاز قائم کر دیئے ہین، جو ہر قوم، ہر فرقہ، ہر ملک مین جدا جدا صورتون مین نظر آتے ہین، دنیا کے نہایت ابتدائی زمانہ مین غالباً مردون اور عورتون کے لباس، وضع، طور، طریقے بالکل یکسان رہے ہونگے، اور بجز قدرتی خصوصیتون کے کوئی چیز ان کو ایک دوسرے سے جدا نہ کرسکتی ہو گی، لیکن تمدن کو جس قدر وسعت ہوتی گئی، اسی قدر یہ باہمی امتیازات بڑھتے گئے، رفتہ رفتہ یہان تک نوبت پہونچی کہ آج دونون کے طریقِ تمدن اور معاشرت مین بہت کم چیزین باقی رہ گئین جو مشترک کہی جاسکتی ہین،

دنیا کی ابتدائی تاریخ بالکل تاریکی کی حالت مین ہے، قدیم سے قدیم زمانہ جس کے

تاریخی حالات معلوم ہو سکے ہین، دو تین ہزار برس سے زیادہ نہین، یہ وہ زمانہ ہے، جب موجودہ تفرقون کی بنیاد پڑ چکی تھی، اور دونون فریق کے اصول زندگی مین بہت سی ممتاز خصوصیتین پیدا ہو چکی تھین، اس لئے آج یہ پتہ لگانا قریباً ناممکن ہے کہ اول کن اسباب سے یہ تفرقے قایم ہوئے، اور جس زمانہ کو ہم اپنے علم تاریخ کی ابتداء قرار دیتے ہین اس وقت تک کیونکر ان تفرقون نے وسعت حاصل کر لی تھی،

اگر ہم بتانا چاہین کہ انسان کو ستر عورت کا خیال کیونکر ہوا، اور مردون، اور عورتون مین اس کے مختلف حدود کس بنا پر قرار دیئے گئے، تو ہم کوئی کافی وجہ نہین بتا سکینگے، اسی طرح اور خصوصیتون کی نسبت بھی ہم کچھ جواب نہین دیسکتے، اس لئے نہایت قدیم تفرقون کی تاریخ قایم کرنی، اور ان کے وجوہ و اسباب پر غور کرنا تو بے فائدہ ہے، البتہ جو امور زمانۂ مابعد مین پیدا ہوئے، ان کے متعلق تحقیقات کی کوشش کرنی بیجا نہین ہے،

پردہ کی دو قسمین قرار دیجا سکتی ہین،

(۱) چہرہ اور تمام اعضا کا ڈھکنا،

(۲) مردون کی مجلسون اور صحبتون مین شریک ہونا،

پہلی قسم کا پردہ عرب مین اسلام سے پہلے موجود تھا، اور زیادہ تر قدرتی ضرورتین اس کے ایجاد کا باعث تھین، اول اول جب اس رسم کی ابتدا ہوئی تو عورتون کیساتھ مخصوص نہ تھی، کیونکہ زیادہ تر اس کو قدرتی ضرورتون نے پیدا کیا تھا، اور وہ مرد اور عورت سے یکسان متعلق تھین، غالباً سب سے پہلے قبیلۂ حمیر مین جو یمن کے رہنے والے اور وہان کے حاکم تھے یہ طریقہ جاری ہوا، اسپین مین حمیر کے ایک خاندان کی حکومت قائم ہو گئی

تھی، جو ملثمین کہلاتے تھے، اس خاندان نے نہایت زور اور قوت کے ساتھ حکومت کی اور بہت سی فتوحات حاصل کین لیکن چہرہ پر ہمیشہ نقاب ڈالے رہتے تھے، اور اسوجہ سے ملثمین کہلاتے تھے، اسمین یوسف بن تاشفین بڑی ہیبت وجبروت کا بادشاہ ہوا" علامہ ابن خلکان نے اسی کے ترجمہ مین اس رسم کے قائم ہونے کی وجہ لکھی ہے:۔

وسبب ذلك على ما قيل ان حمير كانت تتلثم لشدة الحر والبرد تفعله الخواص منهم فكثر ذلك حتى تفعله عامتهم،

یعنی اس کا سبب جیسا کہ کہا گیا ہے یہ ہو کہ قبیلہ حمیر گرمی اور سردی کی وجہ سے چہرون پر نقاب ڈالے رہتے تھے، پہلے خواص ایسا کرتے تھے پھر اس کو اس قدر ترقی ہوئی کہ تمام قبیلہ مین اس کا رواج ہوگیا،

علامۂ موصوف نے ایک اور سبب بھی لکھا ہے، وہ یہ کہ قبیلۂ حمیر کی مخالف ایک قوم تھی، جس کا معمول تھا کہ جب حمیر والے کسی ضرورت سے باہر جاتے تھے، تو یہ لوگ ان کے گھرون پر حملہ کرتے تھے، اور عورتون کو گرفتار کرلیجاتے تھے، مجبور ہو کر اہلِ حمیر نے یہ تدبیر سوچی کہ ایک دفعہ عورتین مردانہ لباس پہنکر باہر چلی گئین، اور مرد چہرون پر نقاب ڈال کر گھرون مین رہے، دشمنون نے معمول کے موافق حملہ کیا، یہ لوگ نقاب ڈالے ہوئے نکلے، اور نہایت دلیری سے لڑکر دشمنون کو قتل کر ڈالا، چونکہ یہ فتح نقاب کے پردہ مین نصیب ہوئی تھی، اس لئے یادگار کے طور پر یہ رسم قائم کر لیگئی، یہان تک کہ اسلام کے بعد بھی اس قبیلہ کے مرد اور عورت یکسان نقاب پوش رہتے تھے، ایک شاعر نے لکھا ہے:۔

لما حووا احراز کل فضیلة — غلب الحیاء علیهم فتلثموا

بعض اور اتفاقی امور سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا، مثلاً جو لوگ حسین اور خوشرو

ہوتے تھے، اس خیال سے کہ نظر بد سے محفوظ رہین، چہرہ پر نقاب ڈال کر باہر نکلا کرتے تھے، اس کی مثالین زمانۂ اسلام مین بھی ملتی ہین،

مقنع کندی جو دولت بنو امیہ کا مشہور شاعر ہے، اسی خیال سے ہمیشہ نقاب ڈال کر باہر نکلتا تھا[1]، رفتہ رفتہ یہ طریقہ زیادہ تر مروج ہوگیا، اور بڑے مجمعون مین اکثر لوگ برقع پہنکر شریک ہوتے تھے، چنانچہ بازار عکاظ مین جو عرب کی حوصلہ افزائیون کا مشہور دنگل تھا، اہلِ عرب عموماً چہرون پر نقاب ڈال کر آتے تھے، علامہ احمد ابن ابی یعقوب جو نہایت قدیم زمانہ کا مورخ ہے، اپنی تاریخ مین لکھتا ہے، کہ ؛-

وکانت العرب تحضر سوق عکاظ وعلی وجوھھا المبراقع فیقال ان اول عربی کشف قناعہ ظریف بن غنم العنبری ففعلت العرب مثل فعلہ[2]	یعنی اہلِ عرب عکاظ کے بازار مین آتے تھے اور انکے چہرون پر برقع پڑے ہوتے تھے، کہتے ہین کہ اول جس عربی نے برقع اتارا وہ ظریف بن غنم تھا، اس کے بعد اورون نے بھی اس کی تقلید کی،

گو بعض وقتون مین خاص اسباب اس طریقہ کے اختیار کرنے کے باعث ہوئے لیکن اصل مین جس چیز نے اس طریقہ کی بنیاد قایم کی تھی، وہ دو امر تھے،

(۱) جسمانی حفاظت جس کا ذکر حمیر کے ذکر مین ہوچکا، حمیر مین تو عام وخاص سب اس طریقہ کو برتنے لگے تھے، لیکن اور قبائل مین یہ طریقہ امرا اور اعیان کے ساتھ مخصوص تھا، کیونکہ اس قسم کے تکلف اور آرام طلبی کی خواہش صرف امیرون ہی کو ہوسکتی تھی رفتہ رفتہ ضرورت کی قید اٹھ گئی، اور صرف اس خیال سے کہ نقاب اور برقع امرا کا امتیازی لباس ہے، بے وجہ اور بے ضرورت بھی اس کا استعمال ہونے لگا،

---

[1] کتاب الاغانی ترجمہ مقنع کندی، [2] تاریخ یعقوبی مطبوعہ یورپ جلد دوم صفحہ ۳۱۵،

(۲) امتیاز اور خصوصیت کا خیال، یہ خیال عجیب تدریج کے ساتھ قائم ہوا اہل عرب محض ابتدائی زمانہ مین تو امیر و غریب سب ایک سی حالت مین رہتے تھے، لیکن جس قدر تمدن کو ترقی ہوتی گئی، اسی نسبت سے امتیازات قایم ہوتے گئے، ان مین سب سے مقدم یہ تھا کہ امرا اور سرداران قوم کے دربار عام نہ ہونے چاہئین، چنانچہ جاہلیت ہی کے زمانہ مین دربان اور حاجب کے عہدے قائم ہو چکے تھے، اور سلاطین، اور سرداران قبائل کے دروازون پر اس قسم کی روک ٹوک ہوتی تھی، رفتہ رفتہ یہ خیال یہان تک بڑھا کہ بادشاہ دربار مین بھی بیٹھے تو اس کے جمال کی دولت عام نہ ہونے پائے، چنانچہ بعض سلاطین عرب صرف اسی خیال سے برقع کا استعمال کرتے تھے،

عباسیون کی خلافت مین ایک زمانہ تک جو یہ طریقہ تھا کہ خلیفۂ وقت ایک پردہ کی اوٹ مین بیٹھتا تھا، اور تمام شاہی احکام پردہ کی اوٹ سے صادر ہوتے تھے، اس مین اسی خیال کا پرتو پایا جاتا ہے،

جس زمانہ مین اس طریقہ کی ابتدا ہوئی، اس وقت تو عورتین اس رسم کیساتھ مخصوص نہ تھین، لیکن مردون سے یہ التزام بالالتزام نبھ نہ سکا، چنانچہ جب عکاظ مین ظریف بن غنم نے چہرہ سے نقاب ہٹائی تو تمام عرب اس کے مقلد بنکر اس قید سے آزاد ہو گئے، کبھی کبھی کسی نے شوقیہ یا فخر کے لحاظ سے استعمال کیا تو وہ رواج عام کے خلاف سمجھا گیا، البتہ عورتون مین یہ رسم اسلام کے زمانہ تک باقی رہی، جس کو اسلام نے اور بھی باقاعدہ اور لازمی کر دیا، جس شخص نے عرب جاہلیت کے حالات غور سے پڑھے ہین، وہ تو اس سے انکار نہین کر سکتا، لیکن چونکہ عام خیال یہ ہے کہ پردہ کا رواج اسلام کے زمانہ سے پیدا ہوا، اس لئے ہم متعدد قطعی شہادتین پیش کرتے ہین، جن سے

ثابت ہوگا، کہ اس قسم کا پردہ اسلام سے پہلے بھی موجود تھا،

عرب جاہلیت کے حالات معلوم کرنے کے لئے سب سے عمدہ اور مستند ذریعہ شعرائے جاہلیت کے اشعار ہین، اس لئے اس دعوے کے ثبوت مین ہم جاہلیت کے متعدد اشعار نقل کرتے ہین،

ربیع بن زیاد عبسی جو جاہلیت کا ایک مشہور شاعر ہے، مالک بن زہیر کے مرثیہ مین کہتا ہے،

من کان مسروراً بمقتل مالک | فلیأت نسوتنا بوجہ نہار
جو شخص مالک کے قتل سے خوش ہوا ہو | وہ ہماری عورتون کو دن مین آکے دیکھے

یجد النساء حواسراً یندبنہ | یلطمن اوجہھن بالاسحار
وہ دیکھے گا کہ عورتین برہنہ سر نوحہ کر رہی ہین | اور اپنے چہرون پر صبح کو دوہتڑ مار رہی ہین

قد کن یخبأن الوجوہ تستراً | فالیوم حین برزن للنظار
وہ شرم اور ناموس سے ہمیشہ اپنا چہرہ چھپایا کرتی تھین، لیکن آج غیر معمولی طور سے دیکھنے والون کے سامنے بے پردہ آئی ہین،

علامہ تبریزی نے تستراً کی شرح مین لکھا ہے، عفۃ وحیاءً یعنی وہ عفت اور شرم کی وجہ سے چہرہ چھپایا کرتی تھین،

عمرو معدیکرب ایک سخت واقعہ جنگ کے ذکر مین لکھتا ہے،

وبدت لمیس کانہا | بدر السماء اذا ابتدا
اور لمیس کا چہرہ کھل گیا، | گویا چاند نکل آیا ہے،

عمرو معدیکرب اگرچہ مخضرمی شاعر ہے، یعنی اس نے اسلام کا زمانہ بھی پایا تھا، لیکن یہ اشعار اسلام کے قبل کے ہین،

ایک اور جاہلی شاعر جس کا نام سبرۃ بن عمر فقعسی ہے، اپنے دشمنون پر طعن کرتا ہے [1]
اور کہتا ہے،

دنسوتکم فی الروع بادٍ وجوھہا		یخلن اماءً والاماء حرائر

یعنی لڑائی مین تمہاری عورتون کے چہرے کھل گئے تھے		اور اسوجہ سے وہ لونڈیان معلوم ہوتی تھین حالانکہ وہ بیویان تھین

نابغہ ذبیانی جو زمانہ جاہلیت کا مشہور شاعر ہے، نعمان بن منذر کا بڑا مقرب اور درباری تھا، ایک دفعہ نعمان کی ملاقات کو گیا، اتفاق سے وہان نعمان کی بیوی جسکا نام متجردہ تھا بیٹھی تھی، نابغہ دفعتہً جا پڑا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی، اضطراب مین دوپٹہ گر گیا، متجردہ نے فوراً ہاتھون سے چہرہ کو چھپا لیا، نابغہ کو یہ ادا نہایت پسند آئی، اس پر اس نے ایک قصیدہ لکھا جسمین اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے [2]،

سقط النصیف ولم ترد اسقاطہ		فتناولتہ واتقتنا بالید

ڈوپٹہ گر گیا، اور اس نے قصداً نہین گرایا		اس نے دوپٹہ کو سنبھالا اور ہاتھون سے پردہ کیا

ایک اور شاعر عوف نامی یہ ذکر کرکے کہ بھوک کی شدت سے عورتین نکل آئین، اور باہر جہان کھانا پک رہا تھا، چولھے کے پاس بیٹھ گئین، لکھتا ہے،

وکانوا قعوداً حولھا یرقبونھا		وکانت فتاۃ الحی ممن ینیرھا

مبرزۃ لا یجعل الستر دونھا		اذا اخمد النیران لاح بشیرھا

حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب نے زمانہ جاہلیت مین لباس کے متعلق بہت ترقی کر لی تھی، اگرچہ یہ ترقیان صرف امرا اور سرداران قبائل تک محدود تھین لیکن جن لوگون مین تھین پوری تہذیب و شائستگی کے ساتھ تھین، عورتون کے لئے

[1] یہ اور ما قبل کے اشعار حماسہ مین موجود ہین [2] اغانی ترجمہ نابغہ ذبیانی،

لباس کے جو اقسام اس وقت تک ایجاد ہو چکے تھے وہ جسم کے ہر حصہ کے لئے بخوبی پردہ پوش تھے، لباسون کا یہ تنوع زیادہ تر فخر و امتیاز کی بنا پر تھا، اور یہی وجہ تھی کہ عوام کا طبقہ اس سے محروم تھا، جہانتک ہماری تحقیق ہے، عورتون کے لباس کے متعلق دولت بنو امیہ اور عباسیہ کے عہد مین کوئی معتد بہ اضافہ نہین ہوا، یعنی زمانۂ جاہلیت مین جس قدر لباس ایجاد ہو چکے تھے، اس سے زیادہ اقسام پیدا نہین ہو سکے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پردہ اور ستر بدن کا خیال جاہلیۃ ہی مین خوب زور پکڑ چکا تھا، عورتین مختلف وضع کے کرتے استعمال کرتی تھین، جنکی قسمین سات آٹھ سے کم نہ تھین، اور اسی اعتبار سے ان کے مختلف نام تھے، مثلاً درع، اتب، قرقل، صدار، مجول، شوذر، خیعل، ان مین باہم بہت خفیف فرق ہوتا تھا، ان کی وضع محرم، مکری، فتوحی اور قمیص سے ملتی جلتی تھی، اشعار جاہلیت مین قریباً یہ سب نام ملتے ہین، لیکن بلحاظ تطویل ہم ان اشعار کو قلم انداز کرتے ہین، قصابہ، مقنع وغیرہ بھی استعمال کئے جاتے تھے، ان کپڑون کی ترتیب یہ تھی، کہ سب سے پہلے ایک رومال سر پر باندھا جاتا تھا، جس سے سر کے دونون اگلے اور پچھلے حصے چھپ جاتے تھے، لیکن بیچ کا حصہ کھلا رہتا تھا، اس کو تخنق کہتے تھے، اس کے بعد ایک اور رومال باندھتے، جس سے یہ مقصود ہوتا تھا، کہ بالون مین تیل لگا ہو تو اس مین جذب ہو کر رہجائے، اور دوپٹہ مین نہ لگنے پائے، اس کا نام غفارہ تھا، غفارہ کے اوپر مختلف طول و عرض کے دوپٹے استعمال کئے جاتے تھے، جن کے یہ نام ہین، صدار، خمار، نصیف، مقنعہ، معجر، رداء، خمار نہایت چھوٹا ہوتا تھا، اس سے بڑا نصیف اور نصیف سے بڑا مقنعہ وھلمذا، خمار وغیرہ کو اکثر اس انداز سے اوڑھتی تھین کہ چہرہ کا اکثر حصہ چھپ جاتا تھا، اسی بنا

پر شاعر کا قول ہے،

سقط النصیف ولم ترد اسقاطہ فتناولتہ واتقتنا بالید،

مخضب کأن بنانہ عنم یکاد من اللطافۃ یعقد

لیکن خاص چہرہ کی حفاظت کے لئے برقع ہوتا تھا، جس کی مختلف قسمین تھین جو صرف آنکھ تک کا ہوتا تھا، اس کو وصواص کہتے تھے، اس سے نیچا نقاب کہلاتا تھا نقاب سے نیچا لفام، اور اس سے نیچا لثام کے نام سے موسوم تھا، لفام کی حد ہونٹ سے متجاوز نہ تھی، سب سے بڑا نقاب جو چہرہ بلکہ سینہ کو بھی چھپاتا تھا، اس کو جنۃ کہتے تھے نقاب کے یہ تمام اقسام جاہلیت مین پیدا ہوچکے تھے، اور استعمال کئے جاتے تھے، اشعار ذیل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے،

اسہین محاسنا وکننت اخری ونقبن الوصاوص للعیون

یضیئ لنا کالبدر تحت غمامۃ وقد نزل عن غر الثنایا لفامہا

غرض لباس کا پردہ تمام عرب مین جاری تھا، اور بجز عوام اور کنیزون کے تمام عورتین اس کی پابند تھین،

بعض بعض مثالین اس رسم کے خلاف ملتی ہین، مگر وہ نہایت شاذ ہین، لیکن دوسری قسم کا پردہ یعنی عورتون کا مردون کی سوسائٹیون مین شریک نہ ہوسکنا زمانۂ جاہلیت مین بالکل نہ تھا، عورتین عموماً مجلسون، بازارون، لڑائیون مین شریک ہوتی تھین، بازار عکاظ مین جہان شعراء طبع آزمائیان کرتے تھے، شاعرہ عورتین جاتی تھین، اور ان کے مستقل دربار قائم ہوتے تھے، وہ عام مجمع مین قصیدے پڑھتی تھین، اور تحسین وآفرین کے صلے حاصل کرتی تھین،

ایک بار خنسا جو مرثیہ کہنے مین تمام عرب مین اپنا نظیر نہین رکھتی تھی، عکاظ مین گئی اور نابغہ ذبیانی کے سامنے جو اس وقت استاد الشعراء تھا، اپنا قصیدہ پڑھا، نابغہ نے کہا افسوس! ابھی ایک شخص کو مین اشعر العرب کا خطاب دیچکا ہون، ورنہ تجھ کو یہ خطاب دیتا، تاہم کہتا ہون کہ تو عورتون مین سب سے بڑی شاعرہ ہے، خنسا نے کہا، نہین بلکہ مین "اشعر الرجال والنساء ہون"

عام قاعدہ تھا کہ کسی گاؤن مین کسی شاعر کا گذر ہوتا تھا تو وہان کی تمام عورتین اس کے پاس آتی تھین اور شعر پڑھنے کی فرمایش کرتی تھین، اور چونکہ وہ عموماً سخن فہم ہوتی تھین، شعراء بھی بڑے ذوق سے ان کو اپنے اشعار سناتے تھے، غرض مشاعرہ منافرہ، میلے، بازار، دنگل، میدان جنگ، کوئی ایسا مجمع اور مجلس نہ تھی، جسمین عورتین بے تکلف شریک نہ ہوتی ہون،

یہ زمانہ جاہلیت کا حال تھا، اسلام کے زمانہ سے نیا دور شروع ہوا، اس عہد مین جو تغیرات اور اصلاحین ہوئین انکی تفصیل حسب ذیل ہے،

اسلام نے سب سے پہلی اصلاح یہ کی کہ جاہلیت مین کرتون کے گریبان بہت چوڑے ہوتے تھے، جن سے سینے نظر آتے تھے، اس پر ذوقعدہ ۵ھ مین یہ آیت نازل ہوئی،

ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن،	اور چاہئے کہ وہ اپنے ڈوپٹے اپنے گریبانون پر ڈال لیا کرین

عینی نے بخاری کی شرح مین اس موقع پر لکھا ہے،

وذلک لان جیوبھن کانت واسعة	یہ آیت اس لئے نازل ہوئی کہ ان کے گریبان چوڑے
تبد و منھا نحورھن وصدورھن	ہوتے تھے، جن سے ان کے سینے اور اس کے اطراف
وماحوالیھا وکن یسدلن الخمر من	نظر آتے تھے، اور وہ ڈوپٹون کو پشت کی طرف

ورسائهن فتبقی مکشوفة فامرن بان یدلینها من قدامهن حتی یغطینها، | ڈالتی تھین، اس لئے سینے کھلے رہجاتے تھے، اس لئے انکو حکم ہوا کہ سامنے ڈالین تاکہ سینہ چھپ جائے،

نقاب اور برقع کا طریقہ اگرچہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہین، پہلے سے جاری تھا، لیکن مدینہ منورہ مین یہود کے اختلاط کی وجہ سے اس کا رواج کم ہو چلا تھا، اکثر عورتین کھلے منہ نکلتی تھین، اس پر یہ آیت اتری،

یا ایھا النبی قل لازواجك وبناتك ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن، | اے پیغمبر! اپنی بیویون اور بیٹیون اور مسلمان بیویون سے کہدو کہ اپنے اوپر اپنی چادرین ڈال لیا کرین (یعنی چادرون سے اپنا منہ چھپا لیا کرین)

اس آیت کے متعلق تین حیثیت سے بحث ہو سکتی ہے،

آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

آیت کے معنی کیا ہین؟

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کا طریق عمل کیا رہا؟

شان نزول کے متعلق تفسیر ابن کثیر مین جو محدثانہ تفسیر ہے، یہ تصریح ہے،

کان ناس من فساق اھل المدینة یخرجون باللیل حین یختلط الظلام الی طریق المدینة فیعرضون للنساء وکانت مساکن اھل المدینة ضیقة فان کان اللیل خرج النساء الی الطرق یقضین حاجتھن فکان اولئك | مدینہ مین بدمعاشون کا ایک گروہ تھا، جو رات کی تاریکی مین نکلتا تھا، اور عورتون کو چھیڑتا تھا، مدینہ کے مکانات چھوٹے اور تنگ تھے رات کو جب عورتین قضائے حاجت کے لئے گھرون سے نکلتی تھین تو یہ بدمعاش ان سے برا ارادہ کرتے تھے، جس عورت

الفساق يبتغون ذلك منهن فاذا رأوا المرءة عليها جلباب قالوا هذه حرة فكفوا عنها واذا رأوا المرءة ليس عليها جلباب قالوا هذه امة فوثبوا عليها،

کو دیکھتے تھے کہ چادر مین چھپی ہوئی ہے اسکو شریف زادی سمجھ کر چھوڑ دیتے تھے، ورنہ کہتے تھے کہ یہ لونڈی ہے، اور اس پر حملہ کرتے تھے،

طبقات ابن سعد جو نہایت قدیم یعنی تیسری صدی کی تصنیف ہے، اسمین بھی یہی شان نزول لکھا ہے، چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہین:-

كان رجل من المنافقين يتعرض لنساء المؤمنين يؤذيهن فاذا قيل له قال كنت احسبها امة فامرهن الله ان يخالفن زي الاماء ويدنين عليهن من جلابيبهن تخمر وجهها الا احدى عينيها

ایک منافق تھا جو مسلمان عورتونکو چھیڑتا تھا تو جب اس سے کہا جاتا تھا تو کہتا تھا کہ مین نے اسکو لونڈی سمجھا تھا، اس بنا پر خدا نے حکم دیا کہ لونڈیون کی وضع نہ بنائین اور اپنے اوپر چادرین ڈال لین اسطرح کہ بجز ایک آنکھ کے باقی سب چہرہ چھپ جائے

تفسیر کشاف مین ہے:-

فامرت ان يخالفن بزيهن عن زي الاماء بلبس الاردية والملاحف وستر الرؤس والوجوه،

اس لئے انکو حکم ہوا کہ لونڈیون کی وضع سے الگ وضع اختیار کرین، یعنی چادرین اور برقع استعمال کرین، اور سر اور چہرہ چھپائین،

ان تصریحات مین ایک خاص امر یاد رکھنا چاہئے، وہ یہ کہ ابن کثیر کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے، کہ بیبیون اور لونڈیون کے لباس اور وضع مین فرق تھا، اور وہ یہ تھا کہ بیبیان چادرون سے چہرہ چھپاتی تھین، اور لونڈیان کھلے منہ نکلتی تھین،

اشعار جاہلیت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، چنانچہ شاعر کہتا ہے:۔

وننسو تکم فی الروع بادو جوھھا	یخلن اماء والاماء حرائر
تمھاری عورتون کے چہرے لڑائی مین کھل گئے تھے	اسلئے وہ لونڈیان معلوم ہوتی تھین حالانکہ وہ لونڈیان تھین

ابن کثیر کی عبارت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے زمانہ مین بھی یہ فرق قائم تھا اور اسی وجہ سے جب کوئی بی بی کھلے منہ نکلتی تھی تو بدمعاشون کو ان کے چھیڑنے کے لئے یہ عذر ہاتھ آتا تھا کہ ہم نے ان کو لونڈی سمجھا تھا،

آیت کے معنی کے متعلق دو لفظ بحث طلب ہین، جلباب اور ادنار، جلباب کے معنی مین اگرچہ متاخرین نے بہت سے اقوال نقل کئے ہین، لیکن محقق یہ ہے کہ جلباب ایک قسم کا برقع یا چادر تھی، جو تمام کپڑون سے زیادہ وسیع ہوتی تھی، اور اس لئے سب کے اوپر استعمال کیجاتی تھی، جس طرح آج کل ترکی خاتونین فراجہ استعمال کرتی ہین، تفسیر عماد بن کثیر مین ہے،

والجلباب ھو الرداء فوق الخمار	جلباب چادر کو کہتے ہین جو خمار کے اوپر استعمال
قالہ ابن مسعود وعبیدۃ والحسن	کیجاتی ہے، عبد اللہ بن مسعود، عبیدہ، حسن بصری،
البصری وسعید بن جبیر وابراھیم	سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، عطاے خراسانی وغیرہ نے
النخعی وعطاء الخراسانی وغیر واحد	جلباب کے یہی معنی بیان کئے ہین،

دوسرا لفظ جو بحث طلب ہے، وہ ادنار ہے، ادنار جلباب کے معنی تمام مستند مفسرین نے جو فن لغت کے بھی امام ہین، منہ چھپانے کے لکھے ہین،

حضرت عبد اللہ بن عباس جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، اور تمام صحابہ مین فن تفسیر کے اعتبار سے ممتاز ہین، ان کا قول تفسیر ابن کثیر مین علی بن طلحہ سے

کی روایت سے نقل کیا ہے کہ

امر اللہ نساء المومنین اذا خرجن من بیوتھن فی حاجۃ ان یغطین وجوھھن من فوق رؤسھن بالجلباب ویبدین عیناً واحدۃ،	خدا نے مسلمان عورتون کو حکم دیا کہ جب گھر سے کسی کام کو نکلین تو سر سے چادر اوڑھکر چہرون کو چھپا لین اور ایک آنکھ کھلی رکھین،

تفسیر معالم التنزیل مین اس آیت کی تفسیر مین لکھا ہے :-

قال ابن عباس و ابو عبیدۃ امر نساء المومنین ان یغطین رؤسھن و وجوھھن بالجلابیب الا عیناً احدۃ	ابن عباس اور عبیدہ کا قول ہے کہ خدا نے مسلمان عورتون کو حکم دیا کہ چادر سے اپنا سر اور چہرہ چھپا لین بجز ایک آنکھ کے،

طبقات ابن سعد مین[1] ہے :-

محمد بن عمر عن ابی بسرۃ عن ابی صخر عن ابن کعب القرظی قال کان رجل من المنافقین یتعرض لنساء المومنین یوذیھن فاذا قیل لہ قال کنت احسبھا امۃ فامرھن اللہ ان یخالفن زی الاماء ویدنین علیھن من جلابیبھن تخمر وجھھا الا احدی عینیھا،	محمد بن عمر نے ابو بسرہ سے انھون نے ابو صخر سے انھون نے ابن کعب قرظی سے روایت کی ہے، کہ مدینہ مین ایک منافق تھا جو مسلمان خاتونون کو چھیڑا کرتا تھا، اور جب اس کو ٹوکا جاتا تھا تو کہتا تھا کہ مین نے لونڈی سمجھا تھا، تو خدا نے حکم دیا کہ لونڈیون کی وضع ترک کرین، اور اپنے اوپر اسطرح سے چادر ڈال لین کہ چہرہ چھپ جائے، بجز ایک آنکھ کے،

[1] جلد ۸ صفحہ ۱۲۷ مطبوعہ یورپ،

تفسیر کشاف مین ادنا جلباب کی یہ تفسیر کی ہے:-

یرخینھا علیھن ویغطین بھا وجوھھن، | چادر کو اپنے اوپر ڈال لین اور چہرہ کو چھپا لین،

حضرت عبداللہ بن عباس، ابو عبیدہ، ابن کعب قرظی، البغوی ابن کثیر اور زمخشری اس درجہ کے لوگ ہین، کہ ان کے مقابلہ مین اگر کسی مخالف کا قول ہوتا بھی تو اس کی کیا وقعت ہو سکتی، لیکن جہان تک ہم کو معلوم ہے شاذونادر کے سوا تمام اہل لغت اور مفسرین نے یہی معنی بیان کئے ہین،

اس صورت مین صرف شاہ ولی اللہ صاحب کے مبہم ترجمہ سے ایسے معرکۃ الآرا مسئلہ مین استدلال کرنا کس قدر تعجب انگیز ہے،

پردہ کے متعلق تمام دنیا مین مسلمانون کا جو طریق عمل رہا، وہ یہ تھا کہ کبھی کسی زمانہ مین عورتین بغیر برقع اور نقاب کے باہر نہین نکلتی تھین، اور بجز کبھی خاص حالت کے نامحرمون سے ہمیشہ منہ چھپاتی تھین، یہان تک کہ یہ امر معاشرت کا سب سے بڑا مقدم مسئلہ بنگیا تھا،

تصدیق اس کی واقعات ذیل سے ہوگی،

ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ نے آنحضرت صلعم سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ مین فلان عورت سے شادی کرنی چاہتا ہون، آپ نے فرمایا کہ پہلے جاکر اس کو دیکھ آؤ، انھون نے جاکر اس عورت کے والدین سے اپنا ارادہ ظاہر کیا، اور آنحضرت صلعم کا پیغام سنایا، صحابہ رض جسقدر آنحضرت صلعم کے حکم کی اطاعت کرتے تھے، محتاج بیان نہین، تاہم والدین کو ناگوار ہوا کہ لڑکی ان کے سامنے آئے، اور یہ اس پر نظر ڈال سکین

لڑکی پردہ مین سے یہ باتین سن رہی تھی، بولی کہ اگر آنحضرت صلعم نے حکم دیا ہے، توتم مجھکو آکر دیکھ لو، ورنہ مین تم کو خدا کی قسم دلاتی ہون، کہ ایسا نہ کرنا، یہ واقعہ سنن ابن ماجہ باب النکاح مین مذکور ہے،

محمد بن سلمہ ایک صحابی تھے، انھون نے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی اور اس لئے چاہا کہ چوری چھپے کسی طرح عورت کو دیکھ لین، لیکن موقع نہین ملتا تھا، یہان تک کہ ایک دن وہ عورت اپنے باغ مین گئی، انھون نے موقع پاکر اس کو دیکھ لیا، لوگون کو معلوم ہوا تو نہایت تعجب سے لوگون نے ان سے کہا کہ آپ صحابی ہوکر ایسا کام کرتے ہین، انھون نے کہا کہ مین نے آنحضرت ؐ سے سنا ہے کہ جب کسی عورت سے شادی کا ارادہ ہو تو اس مین کچھ مضائقہ نہین، کہ پہلے اسکو دیکھ لیا جائے (سنن ابن ماجہ باب النکاح)

صاحب اغانی نے اخطل کے تذکرہ مین لکھا ہے، کہ ایک دفعہ اخطل، سعید بن ایاس کا مہمان ہوا، سعید نے بڑے تپاک سے مہمانداری کی، یہان تک کہ اس کی دونون لڑکیان جنکا نام زعوم و امامہ تھا، اخطل کی خدمت گذاری مین مصروف رہین، دوسری دفعہ جب اخطل کو یہ موقع پیش آیا، تو یہ لڑکیان جوان ہوچکی تھین، اس لئے اخطل کے سامنے نہ آئین، اغانی کے خاص الفاظ یہ ہین :-

ثم نزل علیہ ثانیۃ وقد کبرتا فحجبتا فسأل عنھما وقال فاین ابنتای فاخبر بکبرھما،	اخطل دوبارہ سعید کا مہمان ہوا تو لڑکیان بڑی ہوچکی تھین، اس لئے انھون نے پردہ کیا، اخطل نے پوچھا کہ تیری لڑکیان کہان ہین، سعید نے کہا، اب

وہ بالغ ہوگئی ہین،

پردہ کا اس قدر عام رواج ہوگیا تھا، کہ جب کبھی کوئی واقعہ اس کے خلاف پیش آیا ہے، تو مورخین اور واقعہ نگارون نے ایک مستثنیٰ واقعہ کی طرح اس کا ذکر کیا ہے، ابن بطوطہ نے سفرنامہ مین جہان ترکون کا ذکر کیا ہے، ایک عورت کا ذکر کر کے لکھتا ہے:۔

وھی بادیۃ الوجہ لان نساء الاتراک لا یحتجبن	اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا، کیونکہ ترکی عورتین پردہ نہین کرتین،

صاحب اغانی نے اخطل کے تذکرہ مین ایک ضمنی موقع پر لکھا ہے:۔

وکان اھل البدو اذ ذاک یحدث رجالھم الی النساء لا یرون بذالک باسا	اس زمانہ مین صحرانشین عربون مین مرد عورتون کی صحبتون مین شریک ہوتے تھے، اور ان سے بات چیت کرتے تھے، اور اس کو معیوب نہین خیال کرتے تھے،

اسی کتاب مین جمیل کے تذکرہ مین جو ایک بدوی شاعر تھا، لکھا ہے،

ان جمیل بن معمر خرج فی یوم عید والنساء اذ ذاک یتزین ویبدو بعضھن لبعض ویبدون للرجال فی کل عید،	جمیل بن معمر ایک دفعہ عید کے دن نکلا، اس زمانہ مین عید کے دن، عورتین آراستہ ہو کر، ایک دوسرے سے ملتی تھین، اور مردون کے سامنے آتی تھین،

ان تمام واقعات سے ظاہر ہوتا ہے، کہ عورتون کا پردہ کرنا اور منہ چھپانا مسلمانون کی عام معاشرت تھی، اس کے خلاف کوئی واقعہ ہے، تو

وہ خاص کسی قوم یا کسی خاص زمانہ سے تعلق رکھتا ہے، اور کتابون مین بطور ایک مستثنیٰ واقعہ کے ذکر کیا جاتا ہے،

اس موقع پر ہم دوبارہ اپنے قومی نامور مصنف (مولوی امیر علی) کے ان الفاظ پر توجہ دلاتے ہین کہ

"خلفا کے زمانہ تک، اعلیٰ طبقہ کی عورتین بلا برقع کے مردون کے سامنے آتی تھین"

ذلک مبلغھم من العلم:

الاسلام

یہ ایک کتاب کا نام ہے جو فرانس کے نامور فاضل کانٹ ہنری دی کاستری نے فرنچ زبان مین لکھی ہے، اور جس کا ترجمہ احمد فتحی بک زغلول مصر کے ایک مصنف نے ۱۸۹۸ء مین شایع کیا، مصنف نے اس کتاب مین سبب تصنیف بیان کرنے کے بعد جناب رسالت پناہ صلعم کی مختصر سوانح عمری لکھی ہے، اور اس کے بعد اُن تمام مسائل سے بحث کی ہے، جنپر یورپ کے مصنفین ہمیشہ نکتہ چینی کرتے رہتے ہین، مثلاً جنت کا جسمانی ہونا، غلامی کا جواز، تعدد ازدواج وغیرہ وغیرہ، اخیر مین ان روایتون کو لکھا ہے، جو عہد وسطیٰ مین تمام یورپ مین مسلمانون کی نسبت پھیلی ہوئی تھین، اور جنمین مسلمانون کی نسبت عجیب وغریب افتراپردازیان کی گئی تھین،

اس کتاب سے ایک بڑا مشکل مسئلہ حل ہوتا ہے، ہم کو ایک مدت تک یہ سخت استعجاب رہا کہ یورپ نے اگرچہ فن تاریخ مین بے انتہا ترقی کی ہے، اس کے ساتھ چونکہ اسلامی آبادیون کا بڑا حصہ اُن کے قبضہ مین آگیا ہے، اور عربی زبان کی سیکڑون ہزارون کتابین یورپ کی زبانون مین ترجمہ ہو گئی ہین، اس لئے مسلمانون کے خیالات وعقائد سے ان کو مطلع ہونے کا پورا موقع حاصل ہے، باوجود ان تمام باتون کے یورپ کے مورخین جب مسلمانون کے متعلق کوئی کتاب یا رسالہ یا مضمون لکھتے ہین، تو ایسی بے سروپا باتین لکھ جاتے ہین، جنکو دیکھ کر انسان دفعۃً متحیر ہو جاتا ہے،

اس کتاب مین مصنف نے نہایت تفصیل سے دکھلایا ہے کہ یورپ مین مسلمانون کے متعلق کس طرح متعصبانہ غلط خیالات پیدا ہوئے، یہ خیالات کس طرح بڑھتے اور پھیلتے گئے، پیشوایان مذہبی نے کس طرح ان خیالات کو تمام ملک مین مذہبی حیثیت سے پھیلایا، اور یورپ کے تمام لٹریچر کا عنصر بنا دیا، قومی گیتون مین یہی خیالات گائے جاتے تھے معرکہ جنگ مین یہ خیالات رجز کے طور پر ادا کئے جاتے تھے کسی شخص کے عیسائی بنانے کیوقت یہی خیالات عقائد کے طور پر سکھلائے جاتے تھے،

یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جو چیز قومی روایتون اور مذہبی تلقینات کے ذریعہ سے کسی قوم کے دل و دماغ مین سرایت کر جاتی ہے، اس کا نکلنا قریباً محال ہو جاتا ہے اگرچہ یورپ مین مذہب کا زور اب کم ہو گیا ہے، اور اس لئے قیاس یہ تھا کہ یہ خیالات اب مٹ جاتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بدقسمتی سے یورپ مین مذہب کی جگہ پالیٹکس نے لے لی ہے، اس لئے یہ خیالات اب مذہباً نہین بلکہ پالٹیکس کی ضرورت سے قایم رکھے جاتے ہین، اس قدر فرق ہے کہ اب وہ اس رنگ سے ادا کئے جاتے ہین کہ تعصب کا گمان نہ ہونے پائے،

بہرحال کتاب فی نفسہ نہایت دلچسپ ہے، اور ہم چاہتے ہین کہ اس کے ضروری حصے ہمارے پرچہ کے ذریعہ سے اردو زبان مین آجائین،

مصنف نے کتاب کا دیباچہ بھی نہایت دلچسپ لکھا ہے، اس لئے پہلے ہم اسی سے ابتدا کرتے ہین :-

رسالہ "اسلام" کا ترجمہ

ایک دن مین حوران کے صوبہ مین جو زرقوم اور سحیر کے بیچ مین واقع ہے دشت نورد تھا، خاندان یعقوب کے ۳۰ جوان، گھوڑون پر سوار میرے پیچھے پیچھے آرہے تھے ان

سواروں کی متعدد ٹکریان ہوگئی تھین کیونکہ گھوڑون کی تند مزاجی ان کو باقاعدہ اور منتظم نہین رہنے دیتی تھی، اگلی صف کا گھوڑا پچھلی صف سے ذرا سا بھی چھو جاتا تو بپھر جاتا اور پیچھے مڑکر بڑے زور سے دولتیان جھاڑتا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس کا غصہ فرو ہوجاتا، اور حسب معمول چلنے لگتا، سب کے آگے آگے ایک تند مزاج جوان ایک قوی ہیکل نقرہ گھوڑے پر سوار تھا، جس کو دیکھ کر ایک سدہ منا گھوڑا بھی اپنی شوخی کو ضبط نہ کر سکتا تھا، یہ جوان نہایت نیچے سرون مین کچھ اشعار گاتا جاتا تھا، جس سے تمام مجمع پر ایک کیفیت طاری تھی اور رجز زیادہ تر میری ہی مدح مین تھے، ان سب کے بیچ مین مین اس سلطان ذی اقتدار کے مانند تھا، جس کے رکاب بوسون مین سے ہر ایک یہ چاہتا ہو کہ اُن آداب خدمت کے بجالانے مین دوسرے سے آگے نکل جائے، جس نے مشرقی قومون کو ان معاملات مین اخلاقی تنزل سے تھام رکھا ہے، مین ان اشعار کو کان لگا کر گھنٹون تک سنتا رہا، اور بعض اشعار مین نے یاد بھی کر لئے، یہ تمام اشعار مسلسل رجز تھے، جن کے معنی منفرداً سمجھ مین نہین آتے تھے، کچھ نہین معلوم ہوتا تھا کہ کون مادح ہے، کون ممدوح، کون مخاطب ہے، کون متکلم، غرض ہم یورپین لوگون کو انکا سمجھنا بالکل دشوار تھا،

اس وقت میری عمر ۲۵ برس کی تھی، جاڑون کا زمانہ اور نہایت خوشگوار دن تھا، جس کی گرمی سے بدن مین نشاط پیدا ہوتا تھا، اور روشنی نہایت تیز تھی، خوشبو راہ گیرون کو بدمست کئے دیتی تھی، اور سونگھنے والے کو معلوم ہوتا تھا کہ وہ لذائذ زندگی کے انتہائی درجہ سے متمتع ہو رہا ہے، اس حالت مین مجھ پر ایک اور احساس طاری تھا یعنی اس معشوق کا تصور جس کا نام ان سوارون کی زبانون پر صبح و شام جاری

رہتا تھا،

ہم اسی حالت مین چلے جا رہے تھے کہ ہمارا اشاعر دفعۃً چپ ہو گیا، اور ذرا سخت آواز سے (میری طرف مخاطب ہو کر) بولا کہ جناب! اب نماز عصر کا وقت آگیا، اس آواز کے ساتھ تمام سوار گھوڑون سے اتر پڑے اور صف باندھکر کھڑے ہو گئے، مسلمانون مین جماعت کی نماز کو تنہا نماز پر شرف حاصل ہے، جیسا کہ ہم عیسائیون مین بھی ہے مین جماعت سے ذرا ہٹ کر کھڑا ہو گیا، اور دل مین کہتا تھا کہ زمین پھٹ جاتی تو مین سما جاتا، ان جوانون کے شملے، نماز کی مختلف حرکتون سے کبھی پیچ کھاتے اور کبھی کھل جاتے تھے، وہ نہایت بلند آواز سے بار بار اللہ اکبر کہتے تھے، اور یہ پرجلال آواز میرے دل مین وہ اثر کرتی تھی، کہ موحدین اور متکلمین کی تحریرون نے کبھی نہین کیا تھا، میرے دل پر شرم اور انفعال کا وہ اثر تھا جس کے ادا کرنے کے لئے مجھ کو کوئی لفظ نہین ملتا، یہ گروہ جو ابھی میرے سامنے گردن جھکا رہا تھا، صاف محسوس کرنے لگا کہ نماز نے ان کو دفعۃً مجھ سے بہت زیادہ معزز اور بلند مرتبہ کر دیا ہے، اور اگر اس وقت مین اپنے دل کے کہنے پر چلتا تو بیساختہ چلا اٹھتا کہ "مین بھی خدا کا معترف ہون، مجھ کو بھی نماز کا ادا کرنا آتا ہے"

حقیقت مین وہ عجیب و لفریب سمان تھا، وہ اپنے معمولی لباس کے ساتھ کس باقاعدگی سے نماز ادا کر رہے تھے، اور ان کے پہلو مین گھوڑے اس طرح چپ چاپ کھڑے تھے کہ گویا نماز کے ادب نے ان کو سرنگون کر دیا ہے، گھوڑون کا یہ درجہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کمال محبت کی وجہ سے جبرئیل کی ہدایت کے موافق انکے منہ کو اپنی رداسے پوچھتے تھے،

اس وسیع میدان مین صرف ایک مین تھا جو تنگ فوجی لباس مین تھا جو انسان
کو شکنجہ مین کس دیتا ہے، اور جس سے کسی قسم کی شان کا اظہار نہین ہوتا، میری حالت
سے بیدینی ٹپک رہی تھی، حالانکہ مین اس وقت ایسے مقام مین تھا، جو مذہب کا مولد
ومنشا ہے، اس عبادت گذار گروہ کے آگے جو اپنے خدا کے آگے بار بار نہایت خشوع
سے نماز کے فرایض اس دل سے بجا لارہا تھا جو سچائی اور ایمان سے لبریز تھا، مین
بالکل ایک جماد یا کتا معلوم ہوتا تھا، اس حالت مین مجھکو توراۃ کی وہ آیت یاد آئی
کہ خدا سام کے خیمہ مین سکونت کریگا، اور یافث کی اولاد کو ترقی دیگا، یہ دونون گروہ
اس وقت یکجا تھے، یعنی وہ نماز گذار جو سام کی اولاد سے تھے، اور جو اپنے مذہب اور اُس
خدا پر نثار تھے، جو ابراہیم کے خیمہ مین داخل ہوا تھا، اور مین جو یافث کی اولاد ہون
اور جس کا شہرہ صرف فتوحات اور لڑائیون پر موقوف ہے،

غرض جب منزل ختم ہوگئی، اور مین فرودگاہ پر واپس آیا تو جو خیالات میرے
دل مین آئے تھے ان کو قلمبند کرنے لگا، اس وقت مین محسوس کررہا تھا کہ مجھ کو اسلام
کی حلاوت اپنی طرف کھینچ رہی ہے گویا مین نے اس سے پہلے کبھی کسی صحرا مین کسی
قوم کو عبادت بجالاتے دیکھا ہی نہین تھا، مجھکو اس وقت عیسائیون کے خیمے یاد
آگئے، جہان صرف عورتون کی پرستش کیجاتی ہے، اور اس خیال سے مجھکو یورپ
کی بددینی پر غصہ آگیا،

یہ میری عمر کا وہ زمانہ تھا، جب عقل، مشکلات کا حل کرنا نہایت آسان سمجھتی
ہے، اور جب انسان تمام چیزون کو سطحی نگاہ سے دیکھتا ہے، جب کہ محض خیال نکتہ چینی
اور تحقیق کا منصب حاصل کرتا ہے، اور جبکہ انسان کے اعتقادات بے قید ہوجانے

ہین، یہ وہ عمر ہے کہ اگر اس عمر کے آدمی انصاف سے کام لیتے تو تصنیف و تالیف کو ہات تک نہ لگاتے، میرا خیال تھا کہ مذہب کی شان، مذہب کی سچائی کی خود ایک بہت بڑی دلیل ہے، مین اسلام کے متعلق کچھ لکھنے لگا اور مجھکو کچھ خبر نہ تھی کہ قلم اس وقت بالکل دل کے قابو مین ہے،

کتاب کے شایع کرنے سے پہلے مجھکو یہ بتانا ضرور ہے، کہ مجھ کو اسلام کے متعلق کچھ لکھنے کا کیا خاص حق حاصل ہے، مین نے مدت تک اہلِ عرب کے ساتھ زندگی بسر کی ہے، اور مشرقیون کے مزاج اور طبیعت کے دریافت کرنے مین اکثر مصروف رہا ہون، میرا طریقہ وہی ہے، جو الجزائر کے مستعربون کا ہے، اور اسی بنا پر مین سب سے پہلے معزز مستشرقون سے بہ ادب و نیاز یہ درخواست کرتا ہون کہ مجھکو ان لوگون کی فہرست مین نہ داخل کرین جنکا یہ حال ہے کہ وہ عرب کا رخ کرتے ہین، اور چند روز کی سیاحت مین ادھر ادھر کی گپین سنکر اسلام کے متعلق لکھنے بیٹھ جاتے ہین، اس لئے انکی تحریر محض شاعرانہ ہوتی ہے، یہان تک کہ مانسیو لوازون بھی اس قسم کی لغزش سے نہ بچ سکا، اس کا قلم سبک سر ہو کر تخیلات کی کشش مین آگیا، اس کو مشرق کی ہر چیز بھلی معلوم ہوتی تھی، اس کی رائین اسلام کے متعلق ایک فسانہ گو کی رائین ہین، نہ کہ حکیمانہ اور محققانہ، مین اسکی طرح خواہ مخواہ اسلام کی شان بڑھانا نہین چاہتا، لیکن چونکہ مین دیکھتا ہون کہ موجودہ زمانہ مین یہ ایک بڑا اہتم بالشان مسئلہ بنگیا ہے، یہان تک کہ خاص ان مباحث کے لئے پیرس مین ایک علمی میگزین جاری ہوا جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ صلیب پرست عیسائی مسجد بنانے کی غرض سے مسلمانون کو مالی امداد دے رہے ہین، اس بنا پر مین نے اس موقع کو اس بات کے لئے غنیمت جانا

کہ ہم لوگون کے دماغ مین پیغمبرِ عرب، اور مذہب اسلام کے متعلق جو غلط خیالات جم گئے ہین، ان سے لوگون کو متنبہ کرون،

یہ ایک نہایت مشکل کام ہے، کیونکہ یہ مسلم ہے، کہ لا یرسخ فی الاعتقاد اکثر من خطاء الاعتقاد، میرا یہی خیال ہی، کہ عیسائیون کی شایستہ قومون کے لئے صرف یہی کافی نہین کہ وہ اپنی مسلمان رعایا کے مذہب کی عزت کرین بلکہ ان کا یہ بھی فرض ہے، کہ اس مذہب کی حقیقت سے بخوبی واقف ہون ہمکو ان قصون کے سننے سے ہنسی آتی ہے، جن مین یہ بیان کیا جاتا ہے، کہ مسلمان عیسائیون سے کس قدر عناد رکھتے ہین، اس وقت ہم کہتے ہین کہ مسلمان متعصب اور جاہل قوم ہین، اور اس عناد پروری مین ان کو معذور سمجھنا چاہیے، لیکن اسی طرح عیسائی بھی مسلمانون سے نفرت رکھتے ہین اور انصاف سے کام نہین لیتے،

مذہب اسلام کے متعلق سب سے زیادہ غلط اوہام جو ہم لوگون مین پھیل گئے ہین، وہ خاص پیغمبر (صلعم) کی ذات کی نسبت ہین، اس لئے مین نے ارادہ کیا کہ سب سے پہلے مین پیغمبر (صلعم) کی ذات اور انکی اخلاقی حالت کے متعلق بحث کرون، مجھکو امید ہی کہ یہی بحث انکی سچائی اور دیانت داری کی ایک عمدہ دلیل ثابت ہوگی، جس پر قریبًا تمام مذاہب کے مورخین اور بڑے پکے عیسائی متفق اللفظ ہین،

پہلی فصل

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سچائی

تلمسان کے ایک طالب العلم سے مین مذہبی مباحثات کیا کرتا تھا، وہ جب مناظرہ

سے گریز کرنا چاہتا تھا تو کہتا تھا کہ عیسائی تو کہتے ہین کہ خدا کی اولاد ہے، اور محمدؐ جادوگر تھے، اس کے یہ الفاظ حقارت سے لبریز ہوتے تھے، جس طرح کسی بت پرست سے اسکی حالت پر ترس کھا کر خطاب کیا جائے، حالانکہ یہ طالب العلم میرا بہت ادب کرتا تھا اور مجھسے بہت دوستانہ تعلقات رکھتا تھا، اس کا خیال تھا کہ جس طرح محمدؐ (رسول اللہ) کا ساحر ہونا، افترائے محض ہے، اسی طرح تثلیث کا اعتقاد بھی محض تہمت ہی، اور یہ کہ ایسی قوم سے جو اس قسم کی لغو باتون کی قائل ہو گفتگو کرنا بھی عبث ہی،

لیکن اگر مسلمانون کو وہ قصے معلوم ہون جو عیسائیون مین قرون وسطیٰ کے زمانہ مین مشہور تھے، اور اُن گیتون سے اطلاع ہو جو عیسائیون مین گائے جاتے تھے تو معلوم نہین مسلمانون کو کس قدر حیرت ہوگی، بارہوین صدی عیسوی کے قبل تک جس قدر گیت ہم لوگون مین پھیلے ہوئے تھے، گویا سب ایک دماغ کے نتیجے تھے، یہی گیت ہین جنکی بدولت کروسیڈ کی لڑائیان برپا ہوئین، ان سب کا موضوع مسلمانون سے سخت تنفر پیدا کرنا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانون کے مذہب سے لوگ بالکل جاہل تھے، انھین گیتون نے اُن بے ہودہ روایتون کو دلون مین راسخ کر دیا، اور انھین کی بدولت یہ غلط فہمیان قایم ہوگئین جنمین سے اکثر آج بھی قائم ہین،

ان گیتون کے گانے والے عموماً یقین رکھتے تھے کہ مسلمان مشرک اور بت پرست ہین، اور وہ تین خدا کے قائل ہین، جن کے درجے مختلف ہین، ایک کا نام ماہوم یا ماہون یا بافومیڈ یا ماہومیڈ ہے، دوسرا ابلین، تیسرا ترفاجان ان لوگون کا خیال تھا کہ محمد صلعم نے اپنے دین مین، اپنے آپ کو بھی خدا قرار دیا تھا، لطف یہ ہی کہ محمد صلعم (جو درحقیقت بت کے دشمن اور بتون کے برباد کرنیوالے تھے) نے اپنی صورت

کا ایک زرین بت بنایا تھا، اور لوگون سے اس کی پوجا کراتے تھے، جیسا کہ لرنو فنجیون کا اعتقاد تھا، یہ لوگ بیان کرتے ہین کہ جب عیسائیون نے مسلمانون پر فتح پائی، اور ان کو سرقوسطہ کی دیوار تک ہٹالے گئے تو مسلمانون نے جاکر اپنے تمام بت جنکو وہ پوجتے تھے، توڑ ڈالے، چنانچہ عہد وسطیٰ کے ایک منشد کا بیان ہے کہ مسلمانون کا خدا البلین ایک غار مین تھا، مسلمانون نے اس پر پتھر برسائے، اور خوب دل کھول کر اسکو گالیان دین، پھر سولی پر چڑھایا، اور خوب پامال کیا، اور مارے ڈنڈون کے اس کے ریزے ریزے کردیئے،

ماہومد کو جو دوسرا خدا تھا، ایک گڑھے مین پھینک دیا، یہان تک کہ سور اور کتے اس کو نوچتے اور روندتے تھے، اس طرح کی اہانت کبھی کسی خدا کی نہین ہوئی تھی لیکن مسلمانون نے پھر توبہ کی اور اپنے خداؤن سے معافی چاہی، اور ان کی مرمت و اصلاح کی اسی بنا پر امیر کارلوس جب سرقوطہ مین داخل ہوا تو اس نے حکم دیا کہ یہ سارے بت برباد کردیئے جائین، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے، کہ امیر نے فرنچ کو حکم دیا کہ وہ شہر کے تمام گلی کوچون مین پھرے اور مسجدون اور جامع مسجدون مین گھس کر آہنین گرزون سے ماہومد اور تمام بتون کو توڑ ڈالے، ریشار نے بھی اپنے اشعار مین یہ روایت بیان کی ہے، یہ اشعار فی نفسہٖ بہت اچھے ہین لیکن سرتاپا تہمت اور افترا ہین، ان مین خدا سے یہ دعا مانگی ہے کہ ماہوم کی پرستش کرنے والے برباد ہوجائین، پھر شرفائے ملک کو جنگ مقدس کی ترغیب دی ہے، اور ان کو ان الفاظ مین نصیحت کی ہے،

اٹھو اور ماہومید، ترفاجان کو برباد کردو، ان کو آگ مین ڈال دو اور خدا کے آگے ۲۰ قربانی پیش کرو، ان شعرا کا خیال تھا کہ ماہوم کا بت نہایت اعلیٰ درجہ کی

کاریگری کے ساتھ قیمتی پتھروں اور جواہرات سے بنایا جاتا تھا، چنانچہ اگر کوئی شخص رولان کے اشعار پڑھے تو عجب نہیں کہ قسم کھانے پر تیار ہو جائے کہ شاعر چشم دید واقعات بیان کر رہا ہے، ان اشعار مین بیان کیا ہے کہ یہ بت خالص سونے چاندی کے تھے اور اگر تم ان کو دیکھتے تو تم کو یقین آجاتا کہ ان سے بڑھکر خوبصورت، شاندار، لطیف الصنعۃ پُر رعب ہونا عقل مین نہین آسکتا، ماہوم بالکل خالص چاندی اور سونے کا بنا ہوا تھا، اور اس کی چمک دمک سے آنکھین خیرہ ہوئی جاتی تھین، وہ ایک ہاتھی پر دھرا ہوا تھا، جس کا ہودج اعلیٰ سے اعلیٰ کاریگری کا بنا ہوا تھا، وہ اندر سے خالی تھا، اور اس وجہ سے اس کی چمک پھوٹ کر نکلتی تھی، اس مین نہایت قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے، اور اس کا اندر کا حصہ چمک کی وجہ سے باہر سے نظر آتا تھا، یہ ایک ایسی کاریگری تھی جو بالکل بے نظیر تھی، چونکہ دیوتاؤن کا قاعدہ ہے، کہ مشکل کے وقت وحی بھیجتے ہین، اس لئے جب مسلمانون نے ایک معرکہ مین شکست کھائی تو ان کے سردار نے مکہ مین مدد مانگنے کے لئے قاصد بھیجا، اس وقت ان کا دیوتا ماہومد بڑی شان وشوکت سے دمامہ ونقارہ کے ساتھ آیا، جس کی گونج دور دور تک جاتی تھی، بعض بانسری بجاتے آتے تھے، اور بعضون کے ہاتھ مین چاندی کی جھانجھ تھی، اور یہ سب کے سب ماہومد کے گرداگرد ناچتے اور بڑے زور سے گاتے آتے تھے، اس ساز وسامان کے ساتھ فرودگاہ مین پہونچے، جہان خلیفۂ اسلام ان کا انتظار کر رہا تھا، جب خلیفہ نے ماہومد کو دیکھا تو نہایت خضوع اور ادب کے ساتھ کھڑا ہو گیا، اور بندگی بجالایا،

اس کے بعد ریشار نے بیان کیا ہے، کہ یہ بت پرست کیونکر اس مجوف بت سے جس کے اندر کی چیزین باہر سے نظر آتی تھین، دعائین مانگتے تھے، ریشار کا بیان ہے کہ اس بت

کے اندر جادوگرون نے ایک عفریت کو بند کیا تھا، وہ اچھلتا کودتا تھا، اور پھر اس نے مسلمانون سے مخاطب ہو کر باتین کین،،

عیسائی شعرا اس (فرضی) بت سے نہایت عداوت رکھتے تھے، چنانچہ جس طرح صلیب عیسائیون کی مذہبی علامت ہی، ان لوگون نے اس بت کو مسلمانون کی علامت قرار دیا، چنانچہ بودوان نے یونیتو کے متعلق جو نظم لکھی ہے، اس مین لکھا ہی کہ جب یونیتو نے سلطان صلاح الدین کے سامنے اسلام قبول کرنا چاہا تو کہا کہ اگر محمدؐ کا بت میرے سامنے لایا جائے تو مین اس کی عبادت بجا لاؤن، چنانچہ جب وہ لایا گیا، تو یونیتو سجدہ مین گر پڑا"

ایک اور نظم سے جو اسی نظم کا تتمہ ہے، ظاہر ہوتا ہے، کہ مسلمانون کے دو خدا اور بھی ہین، بارالون اور رجہ ہین، اتنا فرق ہے کہ وہ پہلے تین خدا بہ طور سردار کے ہین، اس نظم مین بیان ہی کہ جب ایک عیسائی سردار نے مسلمانون کی فوج کو جو مکہ سے چلی تھی شکست دی تو مسلمان نہایت بدحواس ہوئے، وہ چیختے چلاتے شور مچاتے دوڑتے پھرتے تھے، اور نہایت زور سے پکارتے تھے، کہ دہائی ترفان کی، دہائی ماہوم کی،

معہذا، ایک اور نظم جو اسی زمانہ کی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماہودا کسی بت کا نام نہ تھا، یہ نظم بشپ الگزنڈر دویلون کی ہے، جو اس نے ۱۲۵۸ء مین لکھی تھی، یہ نظم ایک مسلمان کے خیالات سے ماخوذ ہے، جو عیسائی ہو گیا تھا، تمام لوگ اس نظم کو بالکل سچا اور صحیح تاریخی واقعہ خیال کرتے تھے، اس کا مضمون یہ ہے" یہ امر طے شدہ ہو کہ ....[1] کو فریب، خیانت، دھوکا دینا خوب آتا تھا" (نعوذ باللہ) اسکے بعد شاعر نے محمد (رسول اللہ)

[1] جہان جہان اس طرح نقطے دیدیئے گئے ہین وہان نہایت بیہودہ الفاظ آنحضرت صلعم کی نسبت تھے، اسلیے مین انکو نقل نہ کرسکا

کو ایک ایسے سردار سے تشبیہ دی ہے جس کے گرد اس کے پیرو جمع ہین، اور وہ اپنے مذہب کو سادہ طریقہ سے تعلیم کر رہا ہے یہان تک کہ لوگون کو اس پر اس سے زیادہ اعتقاد ہو گیا جتنا کہ روما کے امام پر ہوا تھا"

ان بیہودہ اقوال کے نقل کرنے مین مین نے زیادہ تطویل کی جسکی وجہ یہ ہے کہ الگزنڈر مذکور کی تاریخ نے ان بیہودہ روایتون کو معدوم نہین کیا، بلکہ ان کا اثر دلون مین اب بھی موجود ہے، اور اسی وجہ سے پیغمبر اسلام اور قرآن کے متعلق آج بھی لوگون کی نہایت مختلف رائین ہین، اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ یہ شعراء ان قصون کو کیا در حقیقت سچ سمجھتے تھے تو مین نارمنڈ والون کی طرح جواب مین ہان بھی کہونگا، اور نہین بھی، کیونکہ یہ قطعی ہے کہ چونکہ مسلمان اور عیسائی باہم ملتے جلتے رہتے تھے، اس لئے مذہب اسلام کی حقیقت سے واقف ہونا مشکل نہ تھا، لیکن وہ درحقیقت یہ چاہتے ہی نہ تھے، کہ اپنے اشعار مین تاریخی سچے واقعات بیان کرین، ان کا مقصد صرف عیسائیون مین بغض اور نفرت کی روح کا پھونکنا تھا، اسلئے ان کو ضرورت تھی کہ مسلمانون اور اُنکے پیغمبر اور انکے مذہب کے ایسے اوصاف بیان کرین جو ان لوگون کے مذاق اور معلومات کے موافق ہون جنکے سامنے یہ اشعار پڑھے جاتے تھے،

ان شعرائے قطع نظر کر کے جب ہم زمانۂ مابعد کی ان متکلمین کی تصنیفات پڑھتے ہین، جن کی رائین اعتدال کی طرف مائل ہوتی ہین، تو یہ تصنیفات بھی خرافات اور سب وشتم سے مملو نظر آتی ہین طرہ یہ کہ گروہ مصلح یعنی پروٹسٹنٹ کا تعصب اور زیادہ بڑھا ہوا ہی، چنانچہ بیلنڈر نے محمدؐ (رسول اللہ) کو (نعوذ باللہ) .... سے تشبیہ دی ہے، اور قرآن و شریعت اسلام کو بھی انھین لفظون سے یاد کیا ہے، ہم کو اس دعوے پر

دلیل لانے کی ضرورت نہین، بلکہ صرف یہ کہنا کافی ہے کہ ناظرین کو اپنی توجہ ریلا ان کی کتاب کے دیباچہ کی طرف مبذول کرنی چاہئے، یہ کتاب ۱۷۲۱ء مین چھپی ہے، اور اس کا موضوع یہ ہے "مذہب اسلام کے متعلق لوگون کو کیون بہت کم واقفیت ہے"

مصنف مذکور کہتا ہے کہ ارباب بحث کو اگر یہ مقصود ہو کہ کسی مذہب یا طریقہ پر ذلت وعار کا داغ لگائین تو ان کو صرف یہ کہنا چاہئے کہ وہ مذہب محمد (رسول اللہ) کی طرف منسوب ہے، بشپ وون مارتینو الفا نسو قیقالدو نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "کلیسائے مقدس ورزین کا چراغ" ہے، اس کتاب مین وہ لکھتا ہے، کہ محمد (صلعم) کی کتاب کو پڑھنا نہین چاہئے، بلکہ انسان کا یہ فرض ہے کہ اس کے ساتھ استہزا کرے اور آگ مین جلا دے، اس کو محفوظ رکھنا جانورون کا کام ہے" بعضون کی یہ رائے ہے، کہ جلانا نہین چاہئے، لیکن ایسے لغو مزخرفات کے یاد کرنے مین انسان کو اپنا وقت صرف نہ کرنا چاہئے جو ایک ...... آدمی کے خیالات ہین،

یہ رائین تو قرآن مجید اور بانئ اسلام کے متعلق ہین، باقی مسلمان تو ان کو ان تصنیفات مین ان الفاظ سے یاد کیا گیا ہے، پلید، ست، گدھے، خر صحرائی، قابل نفرت وہ لوگ جنکا یہ کام ہے کہ رات کو اپنا گھر عورتون سے بھر لیتے ہین، اور صبح کو ان کو طلاق دیدیتے ہین" اور اگر تم کو گالیون کا خزانہ دیکھنا ہو تو ایک عیسائی کی کتاب دیکھو جسکا نام بروشار ہے، اس کتاب کا نام رہنمائے سفر ہے، مصنف نے یہ کتاب امیر فلپ روقالو کی خدمت مین ۱۳۳۲ء مین پیش کی تھی، اسمین اس نے بیان کیا ہے کہ کروسیڈ کی لڑائیان کن اسباب سے ظہور مین آئین، چنانچہ کہتا ہے، کہ کون ہے، جو یہ دیکھکر آنسو نہ بہائے گا کہ جو زمین ہماری میراث نہین، ان پر اس قوم نے قبضہ کرلیا ہے،

جن کے نہ خدا ہے، نہ مذہب نہ شریعت، نہ اقرار، نہ رحم، یہ لوگ دنی اور کمینہ ہین، اور سچائی اور صفائی، نیکی اور عدل کے دشمن ہین، خدا کے منکر ہین، عیسائیون پر جبر کرتے ہین، نہایت کثرت سے شادیان کرتے ہین، لڑکون سے بدکاری کرتے ہین، بے زبان جانورون پر ظلم کرتے ہین، فطرت انسانی کے مخالف ہین، فضائل کے قاتل ہین، اخلاق کے مار ڈالنے والے ہین، گناہون اور برائیون مین مستغرق ہین، شیطان کے دوست ہین، کمینہ باتون کے حامی ہین، کینہ ور ہین، پست خیال ہین، ان کے افعال مبتذل، زندگی پست، باتین فحش، معاشرت حقیر اور جانورانہ ہے، ان کے ارادے اور حوصلے جب مائل ہوتے ہین تو صرف حیوانانہ خواہشون کی طرف مائل ہوتے ہین، یہ وہ لوگ ہین جنھون نے ہم لوگون کو ان مقامات سے نکال دیا، اور چھوٹی سی جگہ مین بھی جہان ہم رہتے ہین، ہم کو ستاتے ہین، ہمارے ساتھ اور ہمارے مذہب کے ساتھ مسخراپن کرتے ہین، انھین لوگون نے خدا کے گھر کو برباد کر دیا، اور اس پاک شہر پر قابض ہو گئے، جو ہماری شریعت کا فرودگاہ ہے، اور ان پاک مقامات کو نجس کر دیا۔"

اس قسم کے خیالات عیسائیون مین ایک مدت تک پھیلے رہے، یہان تک کہ

اور سیٹ پریڈو نے ۱۷۳۳ء مین ایک کتاب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات مین تصنیف کی، اور اس کے دیباچہ مین اس تصنیف کا مقصد یہ بیان کیا، اس کتاب کی تصنیف کا مقصد اس آدمی کی سوانحعمری کے لکھنے کے ذریعہ سے، عیسائی حکیمانہ مقصد کی خدمت گزاری ہے، ان مصنفون نے درحقیقت اپنا مقصد تاریخ لکھنا نہین قرار دیا بلکہ ان کا مقصد جیسا کہ خود ان کا بیان ہے، عیسائی مذہب کی خدمتگزاری ہے، یہ لوگ اپنے مبتذل دلائل کی تائید مین جو ہتھیار استعمال کرتے تھے، وہ محض

دشنام دہی اور سخت کلامی تھی، اس کے ساتھ، روایت اور نقل مین جس قدر تحریف ہو سکتی تھی کر سکتے تھے، صرف داماسین نے یہ قصد کیا کہ ان عام تصنیفات کی مخالفت کرے، جس کی وجہ یہ تھی، کہ وہ شام مین پلا تھا، اور خلفاے اسلام کا مقرب تھا چنانچہ اس نے مذہب اسلام کے رد مین جو کچھ لکھا بلا تعصب لکھا، اس نے یہ راے ظاہر کی کہ اسلام عیسائی ہی مذہب کی بگڑی ہوئی صورت ہے، جیسا کہ ارلوی کا خیال تھا، با این ہمہ یورپ پر اسکی تصنیف کا کچھ اثر نہ ہوا، اور ان کے جو بیہودہ خیالات پیغمبر اسلام اور قرآن کی نسبت تھے اسی طرح قایم رہے، پیشوایانِ مذہب (یعنی پادری اور بشپ وغیرہ) بھی انھین خیالات کو قوت دیتے تھے اور لوگون کے ذہن مین بٹھاتے تھے، اسی پالیٹکس کا نتیجہ ہے کہ لوگ اسلام کے ساتھ مسخراپن کرتے ہین، ان خیالات کی اشاعت نے پوپون کو مذہبی لڑائیون سے بے نیاز کر دیا، چنانچہ لاطینی چرچ آٹھوین صدی مین اور کامون مین مشغول تھا، کیونکہ شرقی چرچ دو ضرر رسان مصیبتون مین گھرا ہوا تھا، ایک یہ کہ ایک ہی روح کے دو جسم بن گئے، دوسرے یہ کہ ایک روح تھی اور ایک ہی جسم بھی تھا

اسلام کے متعلق آزادانہ اور غیر متعصبانہ بحث ہمارے زمانہ سے آغاز ہوئی، کیونکہ انیسوین صدی مین لوگون نے اس مسئلہ کو ایک محقق کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے متعلق مختلف رائین قائم ہوگئین، کچھ لوگ قرآن کے فریفتہ ہوگئے اور بعضون نے نکتہ چینی کی، تاہم اس دوسری قسم کے لوگون مین اب بھی قدیم خیالات کی بو آتی ہے، مانسیو دروختی نے عرب کا سفرنامہ ۱۸۶۶ء مین شایع کیا، اسمین پیغمبر اسلام کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ ۔۔۔۔ تھے لیکن انکو یہ خیال نہین رہا، کہ اب یہ الفاظ کسی دعوی کی صحت کے دلیل نہین ہو سکتے،

پہلی بحث جو پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ پیغمبر اسلام صلعم اپنی رسالت مین سچے تھے یا نہین، حالانکہ ہم کہہ چکے ہین، کہ یہ امر مستشرقین اور متکلمین سب کے نزدیک مسلم ہے، یہ بھی ظاہر ہے کہ اس مسئلہ کو قرآن کے منزل من اللہ ہونے سے کوئی تعلق نہین ہے، کیونکہ پیغمبر کی سچائی ثابت کرنے کے لئے صرف اس قدر ثابت کرنا کافی ہے، کہ ان کو اپنی نبوت پر پورا یقین تھا اور وہ اپنے آپ کو سچا پیغمبر سمجھتے تھے، باقی آپ کی پیغمبری کا مقصد، تو خداے واحد کی پرستش کا قایم کرنا تھا، بجائے اُس بت پرستی کے جو آپ کے قبیلہ مین ابتدا سے قائم تھی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل ؑ پر جب سارہ خفا ہوئین اور اپنے گھر سے نکالدیا تو وہ عرب کو چلے آئے اور اپنے باپ ابراہیم کے مذہب کو عرب مین شایع کیا، لیکن عرب مین اس مذہب کا اثر بالکل ایک خیال سارہ گیا تھا، کیونکہ عرب مین ایسے لوگ نہ تھے جو یاد دلاتے رہتے کہ ابراہیم کا خدا عالی رتبہ خدا ہے، اور شرکت کو گوارا نہین کرتا، بخلاف اس کے بنو اسرائیل مین ایسے لوگ ہمیشہ پیدا ہوتے رہے بہر حال وہ اسماعیلی مذہب روز بروز زائل ہوتا گیا، اور بجائے اس کے ان خداؤن کی پرستش قایم ہوتی گئی جن کی پرستش اور قومون مین ہوتی تھی، یہان تک کہ اسمٰعیلی مذہب بالکل فنا ہو گیا، اس کے بعد بعض قبائل عرب مین جو شام کے ہمسایہ تھے، یہودیت کا رواج ہوا لیکن عیسوی مذہب نے ان مقامات مین ظہور نہین کیا چنانچہ تیٹ نے جو چوتھی صدی عیسوی مین بصرہ کا بشپ تھا خود اقرار کیا ہے کہ عرب کی خانہ بدوش زندگی عیسوی مذہب کو پھیلنے نہین دیتی،

عرب مین ساتوین صدی تک مذہب کی یہ حالت رہی، اس زمانہ کی نسبت مصنفون نے اپنے اپنے مذاق کے موافق مختلف خیالات ظاہر کئے ہین، اور جیسا کہ میرا اعتقاد ہے اسی بنا پر ان کے اقوال عرب اور اہلِ عرب کی حالت اور اعتبار کے متعلق باہم تناقض ہین،

مانسیو رنیان کا بیان ہے کہ تمدن کی تمام تاریخ مین عرب جاہلیت کے زمانہ سے زیادہ کوئی خوبصورت منظر نہین ہے، اس کی یہ بھی راے ہے کہ یہ قبائل یہودی یا عیسائی مذہب رکھتے تھے اور ایک عظیم الشان مذہبی اشتعال کے لئے تیار تھے، لیکن مانسیو بارتیلی سینٹ ہلیر کہتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے کہ ان لوگون مین ایک کامل تمدن پایا جاتا تھا تو وہ اس قسم کی اخلاقی تعلیم کے کیون محتاج ہوتے جس کے سننے سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہین مثلاً،

حرمت علیکم امهاتکم وبناتکم واخواتکم وعماتکم وخالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت

تم پر تمھاری مائین حرام ہین اور بیٹیان اور بہنین اور پھوپھیان اور خالائین اور بھتیجیان، اور بھانجیان،

اس مصنف کی یہ راے ہے کہ اہلِ عرب ایک وحشی قوم تھی اور ان کی حالت قریباً ویسی ہی تھی جیسی یہودیون کی، اس زمانہ مین جب حضرت موسیٰؑ مبعوث ہوئے تھے اور اسی قسم کے احکام لائے تھے،

ان دونون رایون مین مین کسی کے ترجیح دینے پر غور کرنا نہین چاہتا، لیکن میری راے ہے، کہ دونون مین افراط و تفریط ہے، عرب کی قوم پیغمبرؐ سے پہلے عموماً بت پرست تھی، اور وحدانیت کا اعتقاد خال خال بعض طبیعتون مین پیدا ہو چلا تھا، اس کے اعتقاد والے حنیفی کہلاتے تھے، جو ابراہیمی مذہب کے پیرو تھے، باقی عیسائی تو ان کے بہت کثرت سے فرقے تھے، اور سب کے سب کسی خدا کے قائل تھے پیغمبرؐ نے حنیفون کے مذہب کو ایک سطحی حالت مین پایا تھا، لیکن چونکہ ان کی فطرت مذہب سے لبریز تھی، اس لئے یہی خیال ان کے دل مین اعتقاد بن گیا، اور ایسا اعتقاد کہ اس کی نظیر اس سے پہلے بہت کم پائی گئی تھی، یہ وہی مضبوط اعتقاد تھا جس نے انسانی نوع مین ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا، اور یہ بالکل غلطی ہے کہ ہم دین حنیفی

کے سوا اور کسی مذہب مین اس مذہب کے عمیم الفیض مبدء کی جستجو کرین، کیونکہ محمدؐ پڑھے لکھے نہ تھے، بلکہ جیسا کہ خود انھون نے بار بار اقرار کیا ہے بالکل ان پڑھ تھے، اور اس وصف مین ان کے معاصرین مین سے کسی نے ان سے معارضہ نہین کیا، اور یہ ظاہر ہے کہ بلاد مشرق مین یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ کوئی شخص اس طرح علم حاصل کرے کہ کسی کو خبر نہ ہو، کیونکہ مشرقیون کی زندگی پردۂ خفا مین نہین رہتی، اس کے علاوہ اس زمانہ مین پڑھنا لکھنا ان ممالک مین بالکل معدوم تھا، اور ایک شخص کے سوا جس کا ذکر ڈیتاسے نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۶ء مین کیا ہے، کوئی شخص مکہ مین پڑھا لکھا نہ تھا، اسی طرح اس قرینہ کی بنا پر کہ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تجارت کے کام کے لئے انتخاب کیا تھا، یہ نتیجہ نکالنا کہ اگر آپ پڑھے لکھے نہ تھے تو وہ تجارت کا کام ان کو کیونکر سپرد کرتین، صحیح نہین، عرب اور غیر عرب قومون مین عموماً تجار کے ہان ان کے ایجنٹ اور نائب ان پڑھ ہوتے ہین، اور باوجود اس کے اورون کی بہ نسبت زیادہ دیانتدار ہوتے ہین،

غرض بیانات سابقہ سے ظاہر ہے کہ محمد (صلعم) نے نہ کوئی آسمانی کتاب پڑھی تھی اور نہ مذہب کے متعلق مذاہب سابقہ سے رہنمائی حاصل کی تھی، اگرچہ الگزنڈر دویون کا یہ بیان ہے، کہ وہ عیسوی مذہب کے قرأت اور کتابت دونون طریقہ پر واقف تھے،

بے شبہہ ان ماخذون کا پتہ لگانا جن سے یہ ثابت ہو کہ آپ نے عیسوی یہودی یا ستارہ پرستون کے عقائد کو زبانی سیکھا تھا، نہایت مفید ہوگا، کیونکہ قرآن اور توراۃ مین اکثر جگہ توافق پایا جاتا ہے، تاہم یہ بحث دوسرے درجہ کی بحث ہوگی، کیونکہ اگر یہ فرض بھی کرلیا جاوے کہ قرآن مجید دیگر کتب آسمانی سے ماخوذ ہے، تاہم یہ مشکل بحال خود باقی رہے گی، کہ آپ مین یہ مذہبی روح کہان سے آئی، اور وحدانیت کا ایسا مضبوط خیال کیونکر دل مین آیا، جو ان کے جسم

روح پرچھا گیا، ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ اظہار نبوت سے پہلے ان پر بڑی سختیان گذرین، اور انکو بہت سے مصائب جھیلنے پڑے، کیونکہ خدا نے ان کی فطرت ہی مذہب کے لئے بنائی تھی، اور یہی وجہ تھی کہ سب کو چھوڑکر انھون نے عزلت اختیار کی تاکہ بت پرستی اور تعدد آلہہ کی بدعت مین مبتلا نہ ہونا پڑے، جس کو عیسائیون نے خود ایجاد کیا تھا، ان دونون مذہبون کی نفرت ان کے دل مین بیٹھ گئی تھی، ان مذہبون کا وجود کانٹے کی طرح ان کے دل مین کھٹکتا تھا، اس غرض سے کہ جو عظیم الشان تفکر یعنی وحدانیت کا خیال ان کے دل مین اتر گیا تھا محض اسی سے سروکار رکھین، کوہ حرا مین گوشہ نشینی اختیار کی، یہان بیٹھ کر ان کے خیال نے دریاے فکر مین نہایت آزادی کے ساتھ جولانیان شروع کین، اس کے ساتھ وہ ہمیشہ عبادت اور تہجد مین مشغول رہتے تھے، اسی حالت مین کئی دن گذر گئے، ان مقامات کی راتین نہایت مفرح اور خوشگوار ہوتی ہین، یہان تک کہ عوام مین مشہور ہے کہ ملائکہ خدا سے اجازت مانگتے ہین کہ آسمان سے اتر کر دو ایک دن ان راتون کے سمان کا لطف اٹھائین،

اللہ اکبر! معلوم نہین یہ چہل سالہ شدید الذہن جوان جس کا شمار ان مشرقی لوگون مین ہے جو قوت ادراک اور حدت تخیل مین فرد ہین، اور جنکا یہ کام نہین کہ منصوبے ہی گھڑا کرین اس وقت کیا سوچ رہا تھا، وہ ہر بار یہی کہتا تھا اور برابر کہے جاتا تھا "خدا ایک ہے" "خدا ایک ہے" یہ وہ الفاظ ہین، جنکو اس کے بعد تمام مسلمان ہمیشہ دہرایا کئے، اور جن کو ہم عیسائیون نے اس وجہ سے فراموش کر دیا کہ توحید کے خیال سے ہم بہت دور پڑ گئے ہین،

پیغمبرؐ کا خیال برابر اسی دُھن مین مشغول رہا، یہان تک کہ یہی خیال مختلف صورتون مین جلوہ گر ہوکر ان کے سامنے آیا، لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد، عربی زبان مین مترادف الفاظ کی کثرت نے محمد صلعم کو اس بلند خیال کے بار بار ادا کرنے مین بہت مدد دی

جس کو وہ ظاہر کرنا چاہتے تھے اور انھین افکار اور اسی طرز پرستش سے اسلام کا یہ جملہ پیدا ہوا کہ لا الہ الا اللہ یہی اصلی اعتقاد ہے، اُس یکتا خدا بے نیاز کا جو عیوب سے پاک ہے عقل کا اس اعتقاد کو خیال مین لانا بآسانی ممکن ہے، یہ ایک ایسا قوی اعتقاد ہے جس پر مسلمان ہمیشہ یقین کرتے آئے ہین اور جس کی وجہ سے وہ تمام اور قبایل اور اقوام سے ممتاز ہین، درحقیقت انھی کے ایمان کو ایمان کہا جا سکتا ہے، جیسا کہ انکا خود دعوی بھی ہے، یہ بالکل ناممکن ہے کہ یہ اعتقاد محمد صلعم کو توراۃ اور انجیل سے پہونچا ہو، کیونکہ وہ اگر ان کتابون کو پڑھتے تو اٹھا کر پھینکدیتے، کیونکہ وہ دیکھتے کہ اسمین تثلیت موجود ہے، جو ان کی فطرت اور ان کے مذاق طبعی کے خلاف ہے، ایسے اعتقاد کا دفعۃً انکی زبان سے ظاہر ہونا، ان کی زندگی کا بڑا مظہر ہے، اور فی نفسہ یہی آپکی پیغمبری اور آپ کی دیانت فی النبوت کی دلیل اعظم ہے،

قرآن کی وحی کا مسئلہ اور بھی زیادہ مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے، کیونکہ ارباب بحث اسکو معقول طور پر حل نہین کر سکے، عقل بالکل حیرت زدہ ہے کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا جو بالکل ان پڑھ تھا، تمام مشرق نے اقرار کیا ہے، کہ یہ وہ کلام ہے کہ نوع انسانی لفظاً و معناً ہر اعتبار سے اسکی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، یہ وہی کلام ہے، کہ جب عتبہ بن ربیعہ نے اس کو سنا تو اس کے حسن پر حیرت زدہ رہگیا، یہ وہی کلام ہے جسکی بلند انشا پردازی نے عمر بن خطاب رضؓ کو مطمئن کر دیا، اور وہ خدا کے معترف ہوگئے یہ وہی کلام ہے، کہ جب یحییٰ کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفر ابن ابی طالب نے نجاشی کے سامنے پڑھے تو اس کی آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے، اور بشپ چلا اٹھا کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے، جس سے عیسیٰ کا کلام نکلا تھا،

عربون کی صلح پسندی اور بے تعصبی،

جب عرب ایمان قبول کر چکا، اور لوگون کے دل اسلام سے منور ہو چکے، تو اب اسلام دنیا کو ایک دوسرے لباس مین نظر آیا، یعنی نرمی، اور آزادی خیالات، یا تو قرآن مین تہدید آمیز آئینین نازل ہوتی تھین یا اب پے در پے اس قسم کے احکام آنے لگے،

لا اکراہ فی الدین، قد تبین الرشد من الغی، — مذہب مین زبردستی نہین راستی گمراہی سے صاف الگ ہے،

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم، — یہ لوگ خدا کے سوا جن لوگون کو پکارتے ہین (یعنی معبودان باطل) انکو گالی ندو ورنہ جہالت سے وہ بھی خدا کو گالی دین گے،

واصبر علی ما یقولون واہجرھم ھجرا جمیلا، — اے محمدؐ! ان کی باتون پر صبر کر اور ان سے کنارہ کر معقول طریقہ سے،

عرب کے اسلام لانے کے بعد پیغمبر صلعم کی تعلیمات اسی طرح کی تھین، اور آپ کے خلفا نے بھی اسی کی تقلید کی، اس بنا پر ہم کو راہلیسن کے اس قول کے ساتھ متفق ہونا پڑتا ہے، کہ صرف محمد صلعم ہی کے پیروون مین یہ بات پائی جاتی ہی، کہ انھون نے جوش مذہب اور حسن سلوک کو ساتھ ساتھ رکھا، یہ جوش مذہب عرب کی فتوحات کا سبب ہوا، لیکن اس قسم کے سبب مین کوئی ہرج نہین،

جب اسلام کی کامیاب فوجون نے شام پر چھاپہ مارا، اور رحیلی کی طرح شمالی افریقہ

پر بحر احمر سے لیکر، اٹلانٹک تک چلین، تو قرآن اپنے دونون شہپرون کو پھیلائے ہوئے، ان کے
پیچھے پیچھے تھا، اس بنا پر اسلامی فوج کے طریق عمل مین کہین ظلم کا نشان نظر نہین آتا، بجز ان
امور کے جن سے مفر نہین ہو سکتا، مسلمانون نے کسی قوم کو اس بنا پر قتل نہین کیا، کہ وہ اسلام
لانے سے انکار کرتے تھے، اگر ہم بربریون اور مسلمانون کی حملہ آوری کا مقابلہ کرین، تو ہم
مانین گے کہ مسلمان نقصان کم پہونچاتے تھے، اور نرمی زیادہ کرتے تھے، مسلمانون کو جن
قومون سے سابقہ پڑا انھون نے انکو تین باتون کا اختیار دیا، اسلام، یا جزیہ، یا جنگ،
ابوبکر صدیقؓ نے خالدؓ کو جب شام کی طرف بھیجا تو یہی ہدایت کی، یہ احکام عموماً عمل مین آئے
تھے، لیکن بت پرست اس سے مستثنیٰ تھے، کیونکہ ان کے ساتھ اور طرح کا برتاؤ کیا جاتا تھا
جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین[1]،

بہتر ہوگا کہ ہم اس موقع پر، ابوبکر صدیقؓ کے احکام اور زبور کی پانچوین کتاب
مین جو مدائن کے محاصرہ اور کلدانیون کے معاملہ کے متعلق ہے، موازنہ کرین زبور مین ہے:-

"جب تو کسی شہر کا محاصرہ کرے، تو ان پر امان پیش کرے، اگر وہ لوگ امان قبول
کرین، تو سب لوگ محفوظ رہین گے، لیکن اگر وہ لوگ انکار اور دشمنی کا اظہار کرین تو
ان کا سخت محاصرہ کر اور فتح حاصل ہونے کے بعد ہر شخص (مرد) کو قتل کر دے"

مسلمانون کو افریقہ اور ایشیا مین عیسائیون کی طرف سے بہت مقابلہ پیش آیا، جس کے
بعد وہ نئے مذہب کی طرف مائل ہو گئے،

ایسے باعظمت کلیساؤن کا جیسے کہ کارتھج کے کلیسا تھے، اسلام کے زیر اثر آجانا
ایک ایسا واقعہ ہے، جس کی وجہ ایک زمانۂ دراز سے لوگ یہ بیان کرتے ہین، کہ اسلام

---

[1] یہ مصنف کی غلطی ہے، اسلام نے بت پرستون کو بھی یہی اختیارات دیئے ہین،

نے تعصب اور سختی کا برتاؤ کیا، لیکن خود اس زمانہ کے معاصرین اس کی وجہ اقتضاے زمانہ کے موافق یہ بیان کرتے ہین، کہ عیسائی خدا کے غضب کے مستوجب تھے اس لئے خدا نے انکی کجروی کی سزا دی، عیسائی عابدون مین سے بعضون نے اس خیال کی تائید مین لوگون کو توبہ کی ترغیب دلانی چاہی، انھون نے نہایت مبالغہ سے کام لیا، اور عیسائیون پر سخت دار و گیر کی اور لوگون کو یہ یقین دلانا چاہا، کہ اسلامی فوجین ایک آلہ ہین، جن کے ذریعہ سے خدا نے عیسائیون پر عذاب نازل کیا ہی،

چونکہ اسلامی فتوحات اور کلیسا کا باہمی اختلاف، دونون واقعات ایک ہی زمانہ مین پیش آئے، اس لئے اگر مورخون نے دونون کو ایک ساتھ ملا دیا، تو ان پر نکتہ چینی نہین ہو سکتی، خود فاتحین بھی قبول اسلام اور اطاعت و حکومت مین فرق نہین کرتے تھے، لیکن یہ امر عموماً غلط مانا جاتا ہے، کہ ان دونون واقعات مین سے ایک کو دوسرے کا معلول قرار دیا جائے، ان دونون واقعات مین نہایت خفیف اثر پذیری کا تعلق ہے، جس طرح فتوحات اسلام نے عیسائیون کو ترک مذہب پر آمادہ کیا، اسی طرح کلیساؤن کے باہمی اختلاف نے اسلامی فتوحات کے لئے راستے صاف کر دیئے،

بشپ **آریوس** نے حضرت عیسیٰؑ کے خدا ہونے سے انکار کیا تھا، اس بنا پر اس نے گویا پیغمبر عرب کے لئے فوج طلایہ کا کام دیا، کیونکہ اس سے اسلام کے لئے راستہ صاف ہو گیا، کیونکہ اسلام بھی حضرت عیسیٰؑ کے متعلق یہی کہتا ہے، کہ وہ محمد (صلعم) کے قبل آخر الانبیا تھے [1]؛ یہ گویا خرق عادت تھا، کہ اسکندریہ کا بشپ جس کا نام آریوس تھا، عیسائی مذہب کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہوا، یہانتک کہ اس مذہب کی بنیادین متزلزل ہو گئین، اور تمام عیسائیون پر

[1] یہان تقریباً دو تین سطرون کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہی جسکی وجہ یہ ہی کہ انکے معنی میری سمجھ مین نہین آئے،

ناامیدی سی چھاگئی، مقدس جیروم نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا، کہ "عالم کون، اس بات سے حیرت زدہ ہے، کہ تمام لوگ کافر ہو گئے ہین، اور اب کسی کا یہ عقیدہ نہین رہا، کہ باپ (خدا) نے بیٹے کا جسم اختیار کر لیا تھا"

اگرچہ ان عیسائیون نے جو منس کے پیرو تھے، اس مذہب جدید کو دبا لیا، تاہم افریقہ اور ایشیا کے کلیساؤن مین سخت اختلاف پیدا ہو گیا، اسلام جب لمبے لمبے قدم بڑھاتا آیا تو ان لوگون (پیروان آریوس) نے اسکو کوئی نیا مذہب نہین سمجھا، بلکہ عیسائی مذہب سمجھ کر اسکو قبول کر لیا،

اسلام کی وسعت کا ایک اور بھی سبب ہے، یعنی قسطنطنیہ کی جابرانہ حکومت، یہ سلطنت انتہادرجہ کی ظالم تھی، حکام کا ظلم اس حد تک پہونچ گیا تھا کہ لوگ جان سے عاجز آگئے تھے، جب اسلام کا قدم آیا، تو لوگون نے اسلام کے سایہ مین پناہ لی، کیونکہ جو شخص اسلام لاتا تھا، وہ ٹیکسون اور تاوانون سے بچ جاتا تھا، اور مال مسلوبہ اسکو واپس مل جاتا تھا، جو لوگ اسلام نہین قبول کرتے تھے ان سے بھی یہی برتاؤ کیا جاتا تھا صرف جزیہ ان سے لیا جاتا تھا جس کی مقدار نہایت کم ہوتی تھی، یعنی آمدنی کا دسوان یا بارھوان حصہ (یہ غلط ہے، جزیہ کی مقدار بڑے سے بڑے دولتمند کے لئے بھی کبھی ۴۸ درہم سے زیادہ نہین ہو سکتی تھی، جزیہ کی یہ انتہائی تعداد تھی، آمدنی کے حصہ سے اسکو کوئی نسبت نہ تھی، مترجم)

اسلام کے سایہ مین عیسائی مطمئن ہو گئے، دعاۃ اسلام مین کوئی شخص ان کے مذہب سے متعرض نہین ہوتا تھا، اور نہ اصلی عیسائی اور مرتدون مین کوئی فرق نہین کیا جاتا تھا، یہ برتاؤ وہ تھا جس کا خود قرآن نے حکم دیا تھا، اور خلفائے اولین اس پر کاربند تھے، یہودی اور عیسائی ذمی کہلاتے تھے غیر مذہب والون کی تین قسمین تھین، ذمی، مستامن، حربی، ذمی اس کو کہتے تھے جو اسلام کے زیر حکومت ہو، اور جزیہ ادا کرتا ہو، اس کو یہ

حقوق حاصل تھے، کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اپنے خدا کی عبادت کرسکتا تھا، اس کو اسلام پر مجبور نہین کیا جاتا تھا، وہ قوانین سلطنت کا پابند ہوتا تھا، اور شخصی قانون مثلاً نکاح، طلاق وراثت مین اس کے مذہب کے موافق عمل کیا جاتا تھا، البتہ جب کسی معاملہ مین اسکا فریق ثانی مسلمان ہوتا تھا تو مذہب اسلام کے مطابق عمل ہوتا تھا،

یہ سخت غلطی ہے کہ ذمی کے لفظ سے دنی اور بزدل کے معنی مراد لئے جائین، درحقیقت اس لفظ کے معنی امان یافتہ کے ہین،

مستامن اُس شخص کو کہتے ہین، جو سفر مین ہو، اور احکام سلطنت و قوانین حکومت کے زیر حمایت زندگی بسر کرتا ہو،

حربی وہ ہے، جو اس ملک مین رہتا ہے جو علانیہ اسلام کا دشمن اور حریف جنگ ہے، یا جہان مسلمانون کو امن نہین، ایسا شخص جب اسلامی شہر مین آئے، اور آمادۂ جنگ ہو تو وہ قتل کردیا جائیگا، مگر اس حالت مین کہ اسلام قبول کرلے، اس حالت کے سوا، باقی سب مستامن ہین، بشرطیکہ جزیہ ادا کرین، حضرت علیؓ کا قول ہے، کہ جزیہ اس لئے ہے، کہ ذمی کی جان و مال مسلمانون کے جان و مال کے برابر ہوجائے،

اس نرمی اور حسن معاملت کی وجہ سے اسلام کو ترقی ہوئی، کیونکہ ممالک مشرقی کے سلاطین کے ظلم نے تمام لوگون کو بیزار کردیا تھا، اور لوگ ان سے سخت نفرت کرنے لگے تھے،

اب اگر ہم ابتداے فتح کے زمانہ کو چھوڑکر اس زمانہ کی طرف آئین، جب کہ اسلام کی حکومت نے استقلال حاصل کرلیا، تو ہم کو صاف نظر آئیگا، کہ اسلام، مشرقی عیسائیون کے مقابلہ مین کہین زیادہ نرم خو اور صلح جو تھا،

عرب نے عیسائی رسوم مذہبی کا کبھی معارضہ نہین کیا، اہل روما نہایت آزادی سے

اُن پیشوایان مذہبی سے خط کتابت جاری رکھتے تھے، جو اُن کے ہی حاکم تھے، ۱۰۵۳ء مین پوپ نے جس کا نام لیون تھا، افریقہ کے عیسائیون کو ایک خط لکھا جسمین تاکید کی تھی، کہ کارتھیج کے بشپ کو لارڈ بشپ تسلیم کرین، اس زمانہ مین مسلمانون اور عیسائیون مین کامل اتحاد تھا یہان تک کہ گریگیورس ہفتم نے ۵ ستمبر ۱۰۷۶ء مین عیسائیون کو ایک خط لکھا، جسمین انکو ملامت کی تھی، کہ انھون نے بشپ کے دربار مین مسلمانون کی شکایت کیون پیش کی،

اس غیر معمولی صلح جوئی کے ساتھ بھی جو مسلمان فاتحون کی طرف سے مفتوحین کے مقابلے مین عمل مین آتی تھی، عیسائی مذہب نہایت کمزور ہوتا جاتا تھا، یہان تک کہ شمالی افریقہ سے یہ مذہب بالکل معدوم ہو گیا، حالانکہ اسلام مین دعوتِ اسلام کے لئے کوئی فرقہ مخصوص نہ تھا جیساکہ عیسائیون مین ہے، اگر اسلام مین بھی داعیان مذہب ہوتے تو ہم کو اسلام کی ترقی کے سبب کے دریافت کرنے مین کوئی مشکل پیش نہ آتی، کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ شارلمین اپنی لڑائیون مین ہمیشہ پادریون اور رہبانون کا ایک گروہ ساتھ رکھتا تھا، کہ جس طرح وہ خود اپنی ان فوجون سے شہرون کو فتح کرتا پھرتا تھا جو قیامت انگیز لڑائیان لڑتی تھین؛ اسی طرح پادری لوگون کے قلوب اور طبایع کو مسخر کرلین، لیکن اسلام مین نہ کوئی مذہبی انجمن ہے، نہ رسول ہین، نہ احبار ہین، نہ راہب ہین، جو فوجون کے ساتھ ساتھ رہین، کوئی شخص تلوار یا زبان کے ذریعہ سے اسلام لانے پر مجبور نہین کیا گیا، بلکہ اسلام نے خود لوگون کے دلون مین گھر کرلیا، اور یہ اس اثر کا نتیجہ تھا، جو قرآن کی دلآویزی اور فریفتگی کا خاصہ ہے،

بے شبہہ ان لوگون نے بھی اسلام قبول کیا، جنکی غرض دنیاوی تمتع تھی، لیکن انکی تعداد ان لوگون کے مقابلہ مین بہت کم ہے، جو دلی اور سچی خواہش سے اسلام لائے،

قبول اسلام مین اس لئے بڑی آسانی ہوئی، کہ مذہب اسلام ایک سیدھا سادھا مذہب ہے، جس کیلئے کلمۂ توحید پڑھنا کافی ہے، ان باتون کے ساتھ بھی یہ نظر نہین آتا، کہ استقلال حکومت کے بعد عیسائیون کے کسی گروہ نے دفعۃً واحدۃً اسلام قبول کیا ہو، بلکہ یہ ضروری تھا، کہ جو شخص اسلام لانا چاہے وہ قاضی کے ہاتھ پر اسلام لائے، اور ایک محضر لکھے، جسمین یہ تصریح ہو کہ وہ سچے اعتقاد سے بغیر کسی دباؤ اور خوف کے اسلام قبول کرتا ہے، کیونکہ کوئی شخص تبدیل مذہب پر مجبور نہین کیا جا سکتا، (یہ محضر ضمیمہ سوم مین درج ہے)

دولت بنو امیہ کے زمانے مین، نہایت کثرت سے عیسائیون نے اسلام قبول کرنا شروع کیا، یہان تک کہ خود خلفا نے اس ترقی کو اس لحاظ سے پسند نہین کیا، کہ بیت المال کی آمدنی کو نقصان پہونچتا تھا، چنانچہ امیر معاویہؓ کے زمانہ مین، مصر مین جزیہ کی آمدنی حضرت عثمانؓ کے زمانے کی نسبت سے آدھی رہگئی تھی، اس بنا پر خلفائے قبول اسلام کی وسعت کو اس طریقہ سے تنگ کر دینا چاہا، کہ نومسلم بھی جزیہ سے معاف نہ کئے جائین، چنانچہ حیان نے عمر بن عبد العزیزرح کو خط لکھا کہ اگر یہی حالت رہی تو اس ملک کے تمام عیسائی مسلمان ہو جائین گے، اور نتیجہ یہ ہوگا کہ خزانہ شاہی کو سخت نقصان پہونچیگا، لیکن عمر بن عبد العزیز نے خط پڑھکر ایک شخص کو حکم دیا، کہ حیان کے پاس جاکر اس کو تیس درے لگائے، اور اس سے کہے کہ اس سے بڑھکر کیا سعادت ہو گی، کہ تمام عیسائی مسلمان ہو جائین، خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلئے بھیجا تھا کہ وہ اسلام کی تبلیغ کرین نہ اس لئے کہ خراج اور ٹکس لگائین،

مسلمان اگر بیت المال کے خالی ہو جانے سے خوف کرتے تھے، تو یہ کچھ تعجب کی بات نہین الجزائر (مقبوضۂ فرانس) مین ٹکس کا بار زیادہ تر مسلمانون پر ڈالا جاتا ہے، فرض کرو، کہ تمام مسلمان عیسائی ہو جائین، اور ان کو وہ تمام حقوق دیدیئے جائین جو عیسائیون کو حاصل ہین،

توآمدنی کے گھٹ جانے سے ہمکو سخت پریشانی ہوگی،

اسپین مین مسلمانون نے عیسائیون کے ساتھ اور بھی زیادہ نرمی کا برتاؤ کیا، یہانتک کہ انکی جو حالت قدیم جرمینیون کی سلطنت کے زمانے مین تھی، اس سے کہین بڑھکر وہ خوش حال ہوگئے، پروفیسر دوزی کہتاہے کہ مسلمانون کی فتح نے اسپین کو کچھ نقصان نہین پہونچایا، ابتدائے فتح کے زمانہ مین جو برہمی اور اضطراب پیدا ہوا تھا، وہ استقلال سلطنت کے بعد جاتا رہا، مسلمانون نے تمام باشندون کے مذہب، شریعت، اور عدالت کو قایم رکھا، انکو ملکی عہدے دیے یہانتک کہ بعض خود خلفاء کے دربار مین ملازم تھے، اکثرون کو فوجی عہدے دیئے گئے، اس رحیمانہ سیاست نے اسپین کے عقلا کو مسلمانون کی طرف مائل کردیا، یہانتک کہ مسلمانون اور عیسائیون مین کثرت سے نکاح اور رشتہ داریان ہوگئین، سیکڑون عیسائی اپنے مذہب پر قائم رہنے کیساتھ عرب کی تہذیب وتمدن کے دلدادہ ہوگئے، یہانتک کہ انھون نے عربی زبان اور عربی علوم وفنون کی تحصیل شروع کی، بشپ اور پادری انکو ملامت کرتے تھے کہ وہ گرجا کے گیت چھوڑتے جاتے اور مسلمانون کا شعار اختیار کرتے جاتے ہین،

اس زمانہ مین مذہبی آزادی انتہا درجہ کو پہنچ گئی تھی، اسی بنا پر جب یورپ نے یہودیون پر جبر کرنا چاہا، تو انھون نے خلفاے اندلس کے سائے مین پناہ لی، بخلاف اس کے جب چارلس نے سرقوسہ پر قبضہ کیا، تو حکم دیا کہ یہودیون اور مسلمانون کی تمام عبادتگاہین برباد کردیجائین، ہم کو معلوم ہے، کہ صلیبی لڑائیون کے زمانہ مین عیسائی جہان پہونچے انھون نے مسلمانون اور یہودیون کو ایک طرف سے قتل کردیا، اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہی کہ یہودیون نے اگر کوئی اپنا ملجا و ماوی پایا، تو مسلمانون ہی کو پایا، اور آج دنیا مین جو یہودی موجود ہین، یہ مسلمانون ہی کی عنایت ہی، اخیڈ یگر شا یلین نے اسکی وجہ یہ بیان کی ہے کہ مسلمان

اور یہودی نسب مین، زبان مین، مذہب مین متحد ہین، یہ غلط ہے،

مسلمانون نے اندلس کے عیسائیون سے صرف جزیہ طلب کیا جو معمول عام تھا، اس موقع پر ایک لطیفہ کا بیان کرنا موزون ہوگا جس کو ایک عرب مورخ نے لکھا ہے، اور جس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ جزیہ کے بارے مین ان کا کیا خیال تھا، اور یہ کہ مسلمانون اور عیسائیون مین کیسے تعلقات تھے،

دولتِ فرانس اور اسلام

اسلام اپنی قوت اور زندگی پر یہ استدلال پیش کرتا ہے کہ اس نے وسط افریقہ، حبش کے شرقی حصہ سوڈان، سرنیاق، ان تمام مقامات مین بت پرست قومون کو قرآن کے علم کے نیچے مجتمع کر دیا، جو اس کی عجیب و غریب طاقت اور حیرت انگیز رفتار کی دلیل ہے، پچاس برس ہوئے ان ممالک مین مہدی اور امام جنبوب کی سلطنتین اس نمونہ کے موافق قائم ہوگئی ہین، جو مذہبی حکومت کی تصویر ہے، اور جس کو پیغمبر اسلام نے پیش نظر رکھا تھا، اسی طرح اس کے مقابل جانب ایک اور تیسری حکومت شمالی افریقہ مین قایم ہوئی ہے، جو عیسوی مذہب کے حملون کا کامیابی سے مقابلہ کر رہی ہے، یعنی مراکو کی سلطنت گو اس ملک کی بعض قومین اس سلطنت کی مطیع نہین ہین، تاہم اگر کوئی آفت آئی تو کچھ شبہہ نہین کہ تمام مغرب مین یہ سلطنت حامی اسلام ثابت ہوگی،

یہ وہ ممالک ہین، جہان مذہب اور پالٹیکس دونون کی باگ ایک شخص کے ہاتھ مین ہے، جیسا کہ قرآن کی تعلیم ہے، یہ وہ ممالک ہین، جن کے لئے اہل مکہ نے دار السلام کا لقب خاص کر دیا ہے، اور یہ وہ لقب ہے، جس کی ہوس مصر اور ٹرک کے دل مین ہے،

لیکن بے فائدہ، کیونکہ ان مقامات مین اصلی مذہب کو مغربی تمدن نے غبار آلود کر دیا ہی لیکن ابھی ہم ان ممالک کی حالت سے بحث نہین کرتے بلکہ ہم صرف الجیریا، اور فرنچ افریقہ سے بحث کرتے ہین، جہان عیسوی مذہب اور عیسوی سلطنت اسلام سے ٹکرا رہی ہے، یہ وہ ممالک ہین جس کو مسلمان دار الحرب یعنی دار الجہاد کہتے ہین، یہان اسلام کی جو حالت ہے، اس کے متعلق تین حیثیتون سے بحث ہو سکتی ہے،

کیا انجیل نے قرآن مین کوئی تبدیلی پیدا کی ہے،

اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اسلام ہمیشہ اپنی حالت کو قائم رکھے گا، تو یہ سوال ہے کہ آیا عیسائیون اور مسلمانون مین کسی قسم کا ربط پیدا ہوا ہے، جس سے آیندہ یہ امید ہو کہ دونون مین امتزاج تام پیدا ہو جائیگا،

اور کیا یہ خوف ہمیشہ قایم رہے گا، کہ مسلمان کسی دن جہاد پر آمادہ ہو کر ان ممالک پر غالب نہ آجائین،

پہلے سوال کا جواب یہ ہے، کہ کوئی مسلمان اپنا مذہب چھوڑ کر دوسرے مذہب کی طرف مائل نہین ہو سکتا، مسلمانون کے خیال مین بھی یہ بات نہین آسکتی، یہان تک کہ ان کو اپنی زبان مین کوئی لفظ نہین ملتا جس کے ذریعہ سے وہ ایسے شخص کے اوصاف بیان کر سکین، جن مسلمانون نے فرنچ وضع اختیار کر لی ہے، چونکہ اس مین بھی ارتداد کی بو ہے، اس لیے مسلمان انکی نسبت بھی متحیر ہین، کہ ان کو کس نام سے پکارین، چنانچہ اُنھون نے مجبوراً فرنچ زبان کا ایک لفظ انتخاب کیا ہے، جس کو وہ ان لوگون کے حق مین استعمال کرتے ہین،

یہ لفظ متورنی ہے، جس کے معنی مرتد کے ہین، اگر کوئی عیسائی کسی مسلمان کو عیسائی بنانا چاہے، تو اس وقت کی کیفیت کا بیان کرنا سخت مشکل ہے، اس کا اندازہ کسی قدر اس حالت

ہین ہو سکتا ہے، جب کسی عیسائی کو بت پرست بنانے کا ارادہ کیا جائے، لیکن یہ تشبیہ بھی پوری نہین، مسلمان کا عیسائی ہونا اس وجہ سے سخت مشکل ہے، کہ وہ عیسائیون کو سخت ذلیل سمجھتا ہے، اس کو اپنے موحد ہونے پر بے انتہا ناز ہے،

مسلمانون کا یہ یقین ہے، کہ ان کا مذہب عیسائیت سے اس قدر افضل ہے، کہ یہ ناممکن ہے کہ عیسائی اسلام کی صحت کا قائل نہ ہو، یہان تک کہ ہم عیسائی جو مسلمانون سے بے تعصبانہ ملتے ہین، تو مسلمان سمجھتے ہین، کہ یہ اسی خیال کا اثر ہے، مسلمان کو اس پر ناز ہے، کہ وہ خدا کی عبادت ذہنی طریقہ سے کرتا ہے، اس کے مذہب کو ظاہری علامتین اور رسر و سامان درکار نہین، اسکو عیسائیون کے مذہبی جلسون مین بت پرستانہ عبادتین نظر آتی ہین، مسلمان عیسائیون کو اہل کتاب کہتے ہین، لیکن ان کو اپنا ہمسر نہین سمجھتے بلکہ اکثر تو عیسائیون کو بت پرستون سے بدتر سمجھتے ہین، کیونکہ وہ سمجھتے ہین کہ خدا نے جو مذہب ان پر اتارا تھا، اس کو عیسائیون نے جان بوجھ کر بدل دیا،

مذہب عیسوی کے متعلق، مسلمانون کے یہ خیالات ہین، ظاہر ہے، کہ یہ خیالات عیسائیت کی ترقی کے کس قدر سد راہ ہین، پادریون کو مختلف قومون کے عیسائی بنانے مین ہر جگہ کامیابی ہوئی وحشی قومون مین بھی اور شائستہ قومون مین بھی، لیکن مسلمانون مین وہ جہان گئے، انکو کامیابی کا دروازہ ہر طرف سے بند ملا، بت پرست قومین جب مہذب ہوئین تو انھون نے اپنے وحشیانہ مذہب کو فوراً چھوڑ دیا، کیونکہ وہ ان کی عقل کے موافق نہ تھا، ان کی شائستگی نے ان کو آمادہ کر رکھا تھا، کہ وہ خالص عقلیات کو قبول کر لین، اس لئے جب پادریون نے منطقی دلائل سے اپنا مذہب ان کے سامنے پیش کیا، تو انھون نے فوراً قبول کر لیا، مقدس پولوس کو اکثر بت پرستون سے سابقہ پڑتا تھا، جو اپنے خدا کو اس لئے چھوڑ دیتے تھے، کہ ان کا جھوٹا ہونا ان پر ثابت ہو جاتا تھا، یونانی بھی اکثر دلیل اور برہان کی طرف مائل نظر آتے تھے، وحشی

بت پرستون کا عیسائی ہونا اس لئے آسان تھا کہ پادریون کو ان پر علمی تفوق حاصل تھا، لیکن یہ کس پادری کے امکان مین ہے، کہ کسی مسلمان کو اس کے مذہب کی طرف سے متزلزل کردے، اور اس چیز کی اس سے عبادت کرالے، جس کو وہ حقیر سمجھ رہا ہے، یا اصل مذہب کو اسکی نظر مین بے وقعت کردے جس کو وہ منتہاے عزت خیال کرتا ہے،

مسلمانون کے دل مین عیسائیت کے خلاف جو خیال جم گیا ہے، وہ ابدی ہے، پادری اس کو کیونکر اس کے دل سے دور کرسکتے ہین، دران حالیکہ مسلمان اس مسئلہ کے متعلق، گفتگو کرنا بھی پسند نہین کرتا، اور نہ کسی قسم کی بحث کی برداشت کرسکتا ہے،

یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ اگر مسلمان، استدلال اور حجت سے عیسائیت کے قبول کرنے پر آمادہ نہین، تو یہ کیا ممکن نہین کہ زورِ شمشیر سے کام لیا جائے، اس کا جواب یہ ہے، کہ فرنچ مین فتح کے وقت بھی مسلمانون کو عیسائی نہین بنا سکتے تھے، جیسا کہ شارلمین نے کیا تھا، اس لئے مجبوراً کلیسا کو سکوت سے کام لینا پڑا، جیسا کہ آج تمام قومون نے سالمت کا پہلو اختیار کرلیا ہے، لیکن کلیسا اس سالمت کو مذہب عیسوی کا کوئی مسئلہ مسلمہ نہین قرار دیتا، بلکہ اس سے صریح انکار کرتا ہے،

الجیریا مین جو معاہدہ ہوا، اس کی رو سے کسی پر مذہبی جبر کرنا بالکل ممنوع ہے، کیونکہ فرنچ گورنمنٹ نے جنرل بورمان کے توسط سے معاہدہ کیا تھا، کہ اہل عرب کے مذہب سے تعرض نہین کیا جائیگا، اور اس کی عزت کیجائے گی، اس معاہدہ کے خلاف بطور استثنا کے ایک واقعہ پیش آنے کے قریب تھا، اسکی تفصیل یہ ہے، کہ ۱۸۶۸ء مین الجیریا کے بشپ کو مذہبی حمیت کا جوش پیدا ہوا، اور اس نے چاہا کہ بہت سے مسلمانون کو عیسائی بنا لے، چنانچہ الجیریا کے عظیم الشان قحط کے بعد اس نے بہت سے یتیمون کو اس غرض سے جمع کیا، لیکن جنرل

ٹمسوہن نے جو الجیریا کا گورنر تھا بشپ کی مخالفت کی، اور اس کوشش کو اس بنا پر چلنے نہ دیا کہ یہ معاہدہ کے خلاف ہے،

ایک عجیب متناقض بات یہ ہے، کہ الجیریا مین آج ایسے لوگ بھی موجود ہین، جنکو اس پر افسوس ہے، کہ یہ طریقہ کیون نہین اختیار کیا گیا، لیکن یہی لوگ، اگر پائے تخت (فرانس) مین ہوتے تو ان لوگون کی صف مین کھڑے ہوتے، جو بڑے زور سے اس بات کے حامی ہین، کہ تمام مذہبون کو آزاد رہنا چاہیے، گویا کہ وہ ایسی سلطنت کے آرزومند ہین، جو ایک طرف تو غیر مذاہب کو زر و مال کی دلفریبی سے منتشر کرنے کی کوشش کرے، اور دوسری طرف موحد مسلمانون سے جنگ کی تیاری کرے، اگر کوئی چالاک پادری ہمت کر کے ابتدائے زمانۂ فتح مین کھڑا ہوتا، اور اس کے اس مشن کا امرائے سلطنت مین سے کوئی ایسا پرجوش ممبر ہوتا جس کو خود بھی عیسائی مذہب کی اشاعت کی طرف توجہ ہوتی، یا دلفریب عورتون کے ذریعہ سے مذہبی اشاعت کی طرف اسے التفات دلایا جاتا، اور ان سے جاہ و منزلت کا بھی اقرار کیا جاتا تو بہت آسانی سے ہزارون عرب اپنے اپنے مذہب کو خیرباد کہہ کے فرانسیسی مذہب کے پیرو بنجاتے، مسلمانون کا کمیشن کے اشارہ سے عیسائی مذہب کی مخالفت اور کسی دباؤ سے ان کا متاثر نہ ہونا یہی وہ سبب ہین جو عیسائیت کو اسلام مین قدم رکھنے کی اجازت نہین دیتے، گو کہ کیتھلک مشنری نے پہلے ہی یہ سمجھا دیا کہ اس وعظ و نصیحت سے مسلمانون کے قلوب عیسائیت کے طرف مائل نہین ہو سکتے، مگر باوجود ان دقتون کے انھون نے اپنے مقصد سے کنارہ کشی نہ کی، اور نہ انھون نے جد و جہد سے ہمت ہاری، اور نہ اسلام کے شکست دینے کی دشوارئیون کا خیال کر کے ان کی ہمتین پست ہوئین، جہان پہونچے اپنے مقاصد مین کامیاب ہونے کی تدبیرین کین، فقرا او مساکین کی مالی امداد کی، چھوٹے بچون مین تعلیم

پھیلائی، بیمارون کی خدمتین کین، مسٹر سر لیفار یا لکھتا ہے، کہ انھون نے باوجود ان تمام احسانات کے ان کے مذہب مین کبھی دست اندازی نہ کی، بلکہ انھون نے اپنا مقصد ان کو مذہبی خیالات سے علیحدہ رکھنا قرار دیا، کیونکہ ان کا اب یہ خیال تھا کہ اگر ہم انجیل کو عرب مین شایع نہ کر سکے تو اس مین کچھ شک نہین، کہ سلطنت فرانس کے اقتدار کو ان لوگون مین اس بہانے سے عمدہ طریقہ سے پھیلا سکین گے، اور ان احسانات کے ذریعہ سے ان کے دلون مین سلطنت سے ہمدردی کا بیج بو سکین گے،

تعدد ازواج

قرون وسطیٰ مین عام خیال تھا کہ پیغمبر اسلام کی زندگی کا سب سے بڑا کام تعدد ازواج ہے، کیونکہ انھون نے اس کے ذریعہ سے لوگون کو اسلام کی طرف مائل کیا، پیرون ستم ظریفی سے کہتا ہے کہ "اسلام نے عورتون کے لئے بھی متعدد شوہرون کا وعدہ کیا ہے" عیسائی واعظون نے انھین جھوٹی روایتون پر اعتماد کر کے اسلام کو یہ خطاب دیئے ہین "چارپایون، اونٹون اور جانورون کا مذہب" رینان نے ابن رشد کی جو سوانحعمری لکھی ہے، اسمین لکھتا ہے کہ "یہ مذہب ..... کا یا ان لوگون کا ہے، جو غریق شہوت ہین"

تعدد ازواج ہم تہذیب یافتہ لوگون کے اخلاق اور بالخصوص ہماری مذہبی سوم پر نشتر کا کام دیتا ہے، شریعت موسوی مین تعدد ازواج موجود تھا، اور گو حضرت موسیٰؑ کی شریعت بھی حضرت عیسیٰؑ کی شریعت کی طرح الہامی شریعت ہے، تاہم ہم اس مسئلہ کو نہین سمجھ سکتے، پادری بردغلی کہتا ہے کہ "یہ ایک ایسا حکم ہے جس کا مقصد سمجھنا مشکل ہے، خدا نے خاص حالتون مین اسکو جائز کر دیا تھا جسکو ہم نہین سمجھ سکتے،، مین سمجھتا ہون کہ پادری موصوف

اور ان کے ہم خیالون کو یہ ڈر پیدا ہوتا ہوگا کہ مذہب عیسوی کو ایسے دو مذہبون کے ہمسایہ مین رہکر داغ نہ لگ جائے، جو منزل من اللہ ہین، اور جن کے مسائل مذہب عیسوی کے مخالف ہین، لیکن ہم اگر یہ تسلیم کر لین کہ شریعت الٰہی بھی اُن مصلحتون کو ملحوظ رکھتی ہی، جو شریعت انسانی مین ہوتی ہین، تو کیا ہرج ہے، انسانی قانون احکام مین نہایت احتیاط سے کام لیتا ہی، اور وقت اور موقع کی تمام ضرورتون کا لحاظ رکھتا ہی، تو پھر شریعت الٰہی مین اس قسم کی احتیاط اور مراعات نہ ہونے کی کیا وجہ ہی، مانسیو وولسٹ جو ایک بڑا متکلم شخص ہی، اسکی بھی یہی راے ہی، کہ سب سے پہلے جو اخلاقی شریعت خدا نے نازل کی وہ لوگون کے حالات، اخلاق اور زمانہ کی ضرورتون کے موافق تھی، ہمیشہ قومون کے اخلاق مین ایک نقص پایا جاتا ہی، جو انکی اصل فطرت مین موجود ہی، اور جسکی تلافی ابد تک نہین ہو سکتی یعنی کثرتِ شہوت، بے شبہہ ایک اخلاقی عیب ہی، لیکن بہرحال جسم کی قوت اور صحت کی دلیل ہی، مشرق کے مردون مین مغرب کی بہ نسبت زیادہ قوت اور جوش پایا جاتا ہی، اس لئے بعض علماے علم طبائع الامم کی راے ہے، کہ چونکہ مشرقی لوگون مین غایت درجہ کی قوت پائی جاتی ہی، اسلئے تعددِ ازدواج ان قومون کے لئے ایک ضروری چیز ہی،

عجائباتِ قدرت جنکے خیال سے عقل حیرت زدہ ہو جاتی ہی، ان مین ایک یہ بھی ہے کہ مغرب مین خدا متعدد ہین، لیکن بیوی صرف ایک بخلاف اس کے مشرق مین خدا ایک ہے، اور بیویان متعدد، متعدد خدا اور جورو ایک اہل مغرب کے مناسب ہی، اور متعدد جورو اور ایک خدا اہل مشرق کے لئے موزون ہی،

چونکہ اہلِ مغرب و اہلِ مشرق کے مذہب، تمدن اور نوعیت مین کلیۃً اختلاف ہی، اسلئے ہم مغربی لوگ قرآن کے احکام کو جو تعددِ ازدواج کے متعلق ہین اچھی طرح سمجھ نہین سکتے"

ایک بڑا ضروری پہلو جسکو محققین نے ہمیشہ نظر انداز کردیا، یہ ہی کہ تعددِ ازدواج عرب کی قدیم عادت ہی، جو اسلام سے بہت پہلے بھی موجود تھی، عرب مین تعددِ ازدواج مساجد کے وجود پر مقدم ہے، اس لئے پادری بروغلی کا یہ قول کلیۃً غلط ہی، کہ تعددِ ازدواج اسلام کیسا تھ پیدا ہوا، یہ قطعی ہے کہ قبائل عرب جو اسلام لائے وہ اسلام سے پہلے بھی اسی طریقہ پر تھے جیسا کہ آج حبشی قومون کا حال ہی، جو عموماً اسلام کی طرف مائل ہین، قرآن مجید مین جس حد تک تعددِ ازدواج ہی، قبائل عرب اور سوڈان مین اس سے کہین زیادہ رواج تھا قرآن مجید مین صرف چار بیویون کی اجازت ہی، اسی بنا پر اہل عرب اور سوڈان آنحضرت صلعم کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہین کہ آپ سختی پسند پیغمبر تھے، اسمین بھی شبہہ نہین کہ ابتدا مین آنحضرت صلعم کا میلان ایک ہی زوجہ کی طرف تھا جیسا کہ آپ کی ابتدائی زندگی شاہد ہی، لیکن قریش کو اس کا پابند کرنا سخت مشکل تھا، ان مین ایسے لوگ تھے جو دس دس بیبیان رکھتے تھے (مثلاً حارث وغلمان) انکو اگر یہ حکم دیا جاتا کہ صرف ایک بیوی پر اکتفا کرین تو ان کو سخت ناگوار ہوتا، اور وہ اس کے متحمل نہ ہو سکتے، ممکن تھا، کہ اسکا یہ اثر ہوتا کہ ان کے جدید عقائد متزلزل ہوجاتے، اس لئے آنحضرت صلعم نے انکو حکم دیا کہ دس بیویون مین سے صرف چار کو ترجیح کے اعتبار سے انتخاب کرلین، اور باقی کو طلاق دیدین،

ذیل کی آیت سے پایا جاتا ہی کہ اسلام ایک بیوی پر اکتفا کرنے کو ترجیح دیتا ہی،

وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامی	اور اگر تم کو ڈر ہو کہ تم یتیمون مین انصاف نہ کر سکوگے
فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ	تو جو عورتین پسند آئین ان سے نکاح کرلو دو دو خواہ تین تین خواہ
وثلاث وربٰع فان خفتم ان لا	چار چار لیکن اگر تم کو یہ خوف ہو کہ تم عدل نہ کرسکوگے تو صرف
تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم	ایک یا جو تمھاری مملوکہ ہون،

اس آیت کے دوسرے ٹکڑے کے معنی جیساکہ علماء سے مروی ہے، یہ ہین، کہ اگر آدمی کو خوف ہو کہ وہ اپنی بیویون مین عدل نہ کرسکے گا، اور کسی بیوی کو اورون پر ترجیح دیگا، اس کے ساتھ اس کی حالت اس کی مقتضی نہ ہو کہ دونون کے حقوق ادا کرسکے تو اس پر فرض ہوگا کہ ایک ہی بیوی پر اکتفا کرے،

بعض علما کی یہ بھی راے ہے کہ انسان تعدد ازواج کی نسبت خود مختار نہین ہو بلکہ یہ قاضی کا کام ہے کہ ہر شخص کے حالات کے لحاظ سے مناسب حکم دے، اگر اس کے نزدیک اس سے عدل نہین ہوسکتا، تو وہ اس کو تعدد ازواج کی اجازت نہ دیگا،

ان علمانے سند مین یہ روایت پیش کی ہے کہ خلیفہ منصور اپنی بیوی کو حد سے زیادہ چاہتا تھا، اور اس بنا پر اس نے دوسری شادی کا ارادہ نہین کیا، لیکن جب چند برس عیش و عشرت سے گذری تو اس کو جدت کی ہوس ہوئی اور دوسری شادی کرنی چاہی، منصور کی بیوی کو یہ حال سنکر سخت رنج ہوا، اور اس نے کہا کہ ایک سے زیادہ شادی ناجائز ہے، منصور نے امام ابوحنیفہ کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ مسلمان کے لئے کے بیویان جائز ہین؟ امام صاحب بول اٹھے کہ چار، منصور نے اپنی بیوی کی طرف (جو پردہ سے سن رہی تھی) دیکھا اور بہ آواز کہا کہ کیون امام صاحب کی راے سنی، امام صاحب نے یہ دیکھکر فرمایا کہ لیکن منصور کو ایک سے زیادہ شادی جائز نہین" منصور نے پوچھا کیون؟ امام صاحب نے کہا تم نے اپنی بیوی کی طرف جس انداز سے دیکھا اور جس طرح گفتگو کی، اس سے مین قیاس کرتا ہون کہ تم اس کے ساتھ عدل نہین کرتے اس لئے مین حکم دیتا ہون کہ اسی پر قناعت کرو، مجھ کو معلوم نہین کہ منصور نے امام ابوحنیفہ کے اس حکم کی اطاعت بھی کی یا نہین،

جو لوگ تعدد ازواج کی خواہش ظاہر کرتے ہین ان کی حالت منصور سے مشابہ ہے، کیونکہ

حقیقت یہ ہے، کہ ازواج مین عدل نہین ہو سکتا، اسی بنا پر بہت کم ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ قضاۃ کے سامنے اس قسم کے مقدمات پیش ہوتے ہون، لیکن نان و نفقہ کے لحاظ سے یہ حالت نہین ہی،

تعدد ازواج کو جن چیزون نے روک رکھا ہے، ان مین ایک یہ بھی ہے، کہ متعدد بیویون کی کفالت نہین ہو سکتی، مشرق مین تعدد ازواج، امارت پسندی مین داخل ہے، اسی بنا پر اس سے صرف دولت مند لوگ متمتع ہوتے ہین، اور یہ امر گویا دولتمندی کا ایک لازمہ خیال کیا جاتا ہی جیسا کہ قدیم جرمن لوگون مین خیال تھا، اور چونکہ مسلمان اختلافِ حالت کو نہایت رضامندی اور حسن اعتقاد کے ساتھ قبول کرتے ہین، اس لئے فقرا کو امرا کے تعدد ازواج پر رشک نہین پیدا ہوتا جس طرح وہ امرا کی اور امتیازی باتون پر رشک نہین کرتے، اور وہ قرآن مجید کے تمام احکام کا جس طرح ادب کرتے ہین، اسی طرح اس حکم (یعنی جو عدل کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ متعدد شادیون کا مجاز نہین) کی بھی اطاعت کرتے ہین اسکے علاوہ، وہ اس سے ناواقف نہین کہ کئی بیویون والے کو کیا کیا مصائب اور رنج پیش آتے ہین، اور یہ کہ عیش کامل انھین کا حصہ ہے، جو ایک بیوی پر قانع ہین،

مانیو کاروز کا یہ خیال غلط ہے، کہ تعدد ازواج، غربا کے لئے حرام ہے، اور امرا کے لئے قابلِ عفو گناہ ہے، تعدد ازواج کی نسبت مسلمانون کا وہی خیال ہے جو پولوس مقدس اکثر کہا کرتا تھا کہ ہر مباح چیز لائق عمل نہین، شریعت اسلامی نے گو تعدد ازواج کو جائز کہا ہے، لیکن اکثر مسلمان اس اجازت سے فائدہ نہین اٹھاتے، وہ جانتے ہین کہ اس سے تنگی معاش اور فقدانِ صحت کا ڈر ہے، کثیر الازواج اشخاص کی بیویان اکثر شاکی رہتی ہین، کہ ان کے ازواج ان سے قطع تعلق کر لیتے ہین، رات دن کے جھگڑون سے گھر مصیبت کدہ

بنجاتا ہے، عربی زبان مین اکثر ایسے جملے پائے جاتے ہین، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کثرت ازدواج ان کو پسند نہین، مثلاً دو گھوڑون پر سوار ہونے والے شخص کو گرنے سے ڈرنا چاہیے،

محبت کے لئے دو بیویان بہت ہین اور اگر عافیت درکار ہے تو صرف ایک، جو قانون معاملات ازدواج مین امیر و غریب کو یکسان حق نہین دیتا، ہمارے موجودہ خیالات اس کی تائید نہین کرسکتے، لیکن جو شخص مسلمانون کے حالات سے واقف ہے، وہ سمجھ سکتا ہے کہ مسلمانون مین اس قسم کا قانون وہ نتائج نہین پیدا کرتا جو ہم خیال کرتے ہین،

مسلمان غربا اپنی حالت پر قانع اور رضامند ہین، خدا نے انکی قسمت مین جو کچھ لکھدیا ہے وہ دل سے اس پر راضی ہین، گو مانسیو دوبرجلی اس امر کو تسلیم نہین کرتے،

قرآن مجید مفلس کے لئے حکم دیتا ہے کہ جب تک اس کو نکاح کا مقدور نہ ہو وہ انتظار کرے، (دیکھو کتاب کا ضمیمہ ششم) با اینہمہ مسلمانون مین ایسے بہت کم ہوتے ہین جو شادی سے محروم ہون، عموماً لوگ ۱۸ برس کے سن مین شادی کرتے ہین اہل مشرق عزوبت (شادی نہ کرنا) سے بالکل ناواقف ہین، یہ مصیبت تمدن حال نے پیدا کی ہے رسول اللہ صلعم صحابہ سے جب باتین کرتے تھے تو یہ فقرہ اکثر فرماتے تھے کہ "اسلام مین رہبانیت نہین ہے، ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ جورو والے کی ایک سانس، ساٹھ شادی نہ کرنے والون کی نماز سے بہتر ہے"

(یہ حدیث خدا جانے کہان سے نقل کردی ہے)

ناظرین کو تقریرات بالا سے معلوم ہوا ہوگا کہ جو لوگ تعدد ازواج کے نقصانات بیان کرتے ہین، انھون نے اگر غلط بیانی نہین کی ہے، تو کم از کم مبالغہ ضرور کیا ہے، پادری بردجلی کا یہ بیان بالکل غلط ہے، "کہ مشرق مین جو شرمناک برائیان پھیلی ہین، تعدد ازواج کی بدولت ہین" بلکہ سچ یہ ہے کہ اس رسم نے ان برائیون کو نرم کردیا ہے، اس کے علاوہ یہ فیصلہ کرنا

بھی مشکل ہے کہ مشرق مین یہ برائیان مغرب سے زیادہ ہین، حقیقت یہ ہے کہ اسلام پر یہ داغ ان یورپین سیاحون نے لگایا ہے، جنکی عادت ہے کہ بغیر تحقیق کے جزئی واقعہ سے کلیات بنا لیتے ہین، اگر یہ تعمیم نہ ہوتی توان کو اپنی تصنیفات کے لئے کچھ سرمایہ ہاتھ نہ آتا، شرمناک برائیان ہر قوم مین ہوتی ہین، پیرس، لندن، برلن مین یہ برائیان مشرق سے زیادہ ہین، جس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے ان کو بڑی سختی سے حرام قرار دیا ہی، اور ان کو معمولی گناہ نہین قرار دیا ہے، جیساکہ بعض لوگ اس آیت سے استنباط کرتے ہین،

واللذان یاتیانھا منکم فاذوھما فان تابا و اصلحا فاعرضوا عنھما ان اللہ کان توابا رحیما،

آیت مذکورہ سے یہ استنباط کرنا کہ شارعِ اسلام نے بدکاری کو ایک معمولی گناہ قرار دیا ہے، آیت کے معنی بدل دینا ہے، اس کے علاوہ اس مضمون کے متعلق قرآن مین صرف یہی ایک آیت نہین ہی، بلکہ اور بہت سی آیتین ہین، مثلاً سورۂ اعراف کی یہ آیت

ولوطا اذ قال لقومہ اتاتون الفاحشۃ ما سبقکم بھا من احد من العالمین،

اسلام کے احکام جو اس بدکاری کے متعلق ہین خواہ قرآن سے ماخوذ ہون یا حدیث سے تمام دنیا کی شریعتون کے مقابلہ مین نہایت سخت ہین، شریعتِ اسلام نے خلاف وضع فطری جرم کے لئے قتل کی سزا مقرر کی ہے، اگر مرتکبان جرم دونون بالغ ہون تو دونون قتل کردیئے جائین گے، ایک ہو تو ایک، اور دونون نابالغ ہون توانکو سو سو درے لگائے جائین گے، اور بدکاریان جو قریب البلوغ لوگون مین پائی جاتی ہین مشرق مین بجز استثنائی حالتون کے ان کا وجود نہین، جس کی وجہ یہ ہے کہ شادی کرنے مین نہایت

آسانیاں ہین، یہ خیال سخت غلط ہے، کہ مسلمانون کے مذہب مین عقد نکاح ایک قسم کی خرید وفروخت کا معاملہ ہے، جس کے ذریعہ سے عورت بیچ ڈالی جاتی ہے، اور شوہر اس پر مالکانہ قابض ہوجاتا ہے" شریعت اسلام مین نکاح کے ذریعہ سے عورت کو بہت سے اخلاقی اور عملی حقوق حاصل ہوتے ہین، جو عورت کا درجہ سوسائٹی مین بلند کردیتے ہین، عورت کو اختیار ہے کہ وہ شوہر سے یہ شرطین کرائے کہ وہ کسی اور عورت سے شادی نہ کریگا، نہ لونڈی لائیگا، نہ بہت دنون تک گھر سے غائب رہیگا، نہ اس کو کسی طرح کی تکلیف دیگا، نہ اس کو گھر کے مشکل کامون مین پھنسائیگا، شوہر اگر شرائط کی پابندی نہ کریگا تو عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ طلاق لیلے اگر وہ طلاق کو نہین پسند کرتی تو اس کو اختیار ہے، کہ قاضی سے درخواست کرے کہ شوہر اسکے سوکن کو طلاق دیدے، اور لونڈی کو آزاد کردے تاکہ وہ اس سے متمتع نہ ہونے پائے.....

قرآن نے صرف یہی نہین کیا کہ چار کی قید لگا کر تعداد ازواج کے دائرہ کو گھٹا دیا بلکہ اس نے اس طریقہ کو بھی مٹادیا، جو عرب مین عام طور سے مروج تھا یعنی چندروزہ نکاح متعہ

مانسیو ریفیل کہتے ہین کہ اگر ہم پیغمبر اسلام کے زمانہ کی طرف رجوع کرین تو معلوم ہوگا کہ عورتون کے لئے جو مفید احکام پیغمبر اسلام نے صادر کئے، کسی نے نہین کئے، عورتون پر آپ کے بہت سے احسانات ہین، قرآن مین عورتون کے حقوق کے متعلق بہت سی مہتم بالشان آیتین ہین، بعض آیتون مین یہ بیان ہے کہ عورتون سے کس قسم کے تمتعات ناجائز ہین، بعض مین یہ تفصیل ہے کہ کس حشمت و وقار سے ان سے معاملہ کرنا چاہئے.

الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین	آج تمہارے لئے پاک چیزین حلال کردی گئین اور
اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل	اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا
لھم والمحصنات من المومنات	کھانا ان کے لئے اور مسلمان عفیفہ عورتین

والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم اذا اتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخدان،

اور اس قوم کی عفیفہ عورتین جن پر تم سے پہلے کتاب نازل ہو چکی ہے، جبکہ تم ان کے مہر ادا کردو، اور عفت مقصود ہو، نہ عیاشی اور داشتہ بنانا،

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون،

مسلمانون سے کہدو کہ اپنی نگاہین نیچی رکھین، اور فحش سے بچے رہین، یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی ہی اور خدا ان کے کامون سے واقف ہے،

قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون والذین ھم عن اللغو معرضون والذین ھم للزکوۃ فاعلون والذین ھم لفروجھم حافظون

وہ مسلمان کامیاب نہین، جو نماز مین خشوع کرتے ہین اور بیہودہ باتون سے بچتے ہین، اور زکوۃ دیتے ہین، اور پاک دامن رہتے ہین،

رسول اللہ صلعم نے صحابہ کو بہت سے ایسے احکام تلقین کئے جنمین شہوت رانی سے روکا اور عفت و عصمت کی تاکید کی آپ نے حکم دیا کہ منگیتر کو بھی عورت کا صرف چہرہ اور ہاتھ دیکھنا جائز ہے، اور بیگانہ عورت کو نظر اٹھا کر دیکھنا بھی حرام ہے، انجیل مین ہی، کہ جو شخص کسی عورت کو نظر شہوت سے دیکھتا ہے، وہ دل سے زنا کرتا ہے، مسلمانون کا مقولہ ہی کہ آنکھ کا زنا ظاہری زنا سے زیادہ برا ہے، ان احکام نے بدنظری کو زنا کے برابر قرار دیدیا اور اس کی پابندی صرف مسلمان کر سکتے ہین، جنکی عورتین پردہ مین رہتی ہین،

آیات مذکورۂ قرآن سے معلوم ہوگا کہ پیغمبر کو ان خرابیون کے روکنے کا کس قدر خیال تھا، جو عشق و ہوس سے پیدا ہوتی ہین، یہ بندشین، اس غرض سے تھین کہ اولاد و ازواج والے امن و راحت سے رہین، غالباً انجیل مین اس سے زیادہ سخت احکام ہین، لیکن

ان پر صرف وہ لوگ عمل کرتے ہین جنکو خدا نے کمالات اخلاقی مین ممتاز کیا ہے، اور وہ بہت کم ہین، باقی عام لوگ تو اخلاقی حیثیت سے ان کو دوسری قومون پر کچھ ترجیح نہین بخلاف اس کے قرآن کے احکام نرم ہین، عام مسلمان ان کا لحاظ رکھتے ہین، اور اس پر عمل کرتے ہین قرآن مین صفائی اور صحت کی تاکید ہے، مسلمان اس پر کاربند ہین اور اس وجہ سے ان کے اخلاق ممتاز ہین، ان باتون نے ان کی طبیعتون مین متانت اور وقار پیدا کر دیا ہی، اگر اس قسم کے احکام نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ مسلمان بھی شہوت پرست بنجاتے، جیسا کہ آج کل تہذیب یافتہ قومون کا حال ہے،

مسلمانون اور عیسائیون مین غیرت وحمیت کے لحاظ سے آسمان وزمین کا فرق ہی، مسلمان جب یورپ کے اشتہارات پڑھتا ہے، یورپین عورتون کو ننگے لباس مین ناچتے دیکھتا ہے، رقص کے جلسون مین عورتون کو بیحیائی کے ساتھ، بازو کھولے ہوئے دیکھتا ہی، اور اس قسم کے بیہارے اور تفریحی جلسون مین شریک ہوتا ہی تو اسکی نظر پر زخم لگتا ہے، مین نے ایک دن وزیر مصطفیٰ کے گھر مین شیوخ عرب کو دیکھا، جن کے پاکیزہ اخلاق وعادات ان کے سر کے تاج اور تمغائے امتیاز تھے، وہ اس لیے بلائے گئے تھے کہ ان کی شرکت سے جلسہ کی شان بڑھے، ان کے سامنے عیسائی عورتین مردون کی بغل مین ہاتھ ڈالے سینے کھولے ہوئے ٹہلتی پھرتی تھین، یہ شیوخ ان کی طرف سخت حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کو یہ نہین خیال ہوتا تھا، کہ وہ کسی تفریحی جلسہ مین شریک ہین، بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ ایک ایسا تماشا گاہ ہی جسمین شہوت پرستی کو بالکل آزادی دیدی گئی ہی، اور چہرون سے شرم کی نقاب اٹھا دیگئی ہے، اس لئے ہر شخص جو چاہتا ہے کرتا ہے، جیسا کہ سال مین ایک دن حبشی اور بعض اور کمینہ قومون مین اس قسم کی بیہودگیون کا رواج ہے، لیکن جب وہ دیکھتے ہین کہ جلسہ مین وہ عزت

افسر شریک ہین، جن کے وہ ماتحت ہین تو ان کو اپنے خیال سے باز آنا پڑا، اور سمجھے کہ ہم جو کچھ دیکھ رہے ہین یہ اصلی حالت ہے، اور اہل یورپ کا یہ عام معمول ہے، اس وقت ان کو اپنی شریعت کے احکام یاد آئے اور جب انھون نے اس شرمناک منظر کا ان احکام سے مقابلہ کیا تو دفعۃً قرآن مجید کی عظمت ان کے دلون مین بڑھ گئی، جسمین یہ احکام ہین:-

قل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن،

مسلمان عورتون سے کہدو کہ اپنی نگاہین نیچی رکھین، اور اپنے ناموس کی حفاظت کرین اور اپنی آرایش نہ دکھلائین بجز اس حصہ کے جو خود دکھلا رہتا ہے، اور اپنے دوپٹے اپنے گریبانون پر ڈال لین، الی آخرہ [1]

---

[1] یہ پوری آیت نقل کرنے کے بعد مصنف نے اس مضمون کی اور آیتین بھی نقل کی ہین،

مسلمانون کو غیر مذہب حکومت کا محکوم ہوکر کیونکر رہنا چاہئے

مسلمانون نے چار دانگ عالم مین بارہ تیرہ سو برس تک حکومت کی، حکومت کا آغاز عین بانیِ اسلام کے زمانہ مین ہوا، اور آج تک جا بجا اسلامی حکومتین قائم ہین، سیکڑون غیر قومین اسکی محکوم ہوئین، ان اسباب سے یہ بدیہی ہے کہ اسلام نے غیر مذہب والون پر حکومت کرنیکے دستور اور آئین مفصل منضبط کئے ہونگے،

لیکن اسلام کو محکوم ہوکر بہت کم رہنا پڑا، اس لئے بعض لوگون کا خیال ہو کہ اس حالت کے متعلق حدیث سے فقہ سے تاریخ سے ہم کو کوئی ہدایت نہین مل سکتی، اور فقہ کا یہ حصہ بالکل اچھوتا رہگیا،

چونکہ یہ نہایت سخت خطرناک غلطی ہے، اس لئے ہم تفصیل سے بتانا چاہتے ہین کہ اسلام مین اس کے متعلق کافی قواعد اور احکام موجود ہین، اور حدیث فقہ تاریخ سب اس قسم کے مسائل اور واقعات سے لبریز ہین،،

اس مسئلہ کے متعلق اصل مین سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ جب کوئی غیر مذہب حلکومت مسلمانون کے ملک اور زمین پر قابض ہوجائے تو،

(۱) یہ قبضہ حقیقی ہوتا ہے، یا غاصبانہ،

(۲) مسلمانون کو حکومت کی اطاعت فرض ہوتی ہو یا نہین،

فقہ مین اس کا ایک مستقل باب ہی جسکی سرخی یہ ہے، باب استیلاء الکفار، اس کے

ذیل مین یہ حکم ہین :-

وان غلبوا علی اموالنا واحرزوھا بدارھم ملکوھا، — اگر غیر مذہب والے ہمارے مال پر غالب آجائین، اور اُس کو اپنے گھر مین جمع کرین تو وہ اُسکے مالک ہونگے،

ویجب علینا اتباعھم (درمختار) — اور ہم پر اُن کی اطاعت فرض ہوگی،

چونکہ اسلامی احکام کی اصلی بنیاد قرآن اور حدیث ہے، اس لئے فقہی روایتون سے پہلے ہم قرآن وحدیث کی طرف متوجہ ہوتے ہین،

قرآن مجید مین اُن صحابہ کو جو دولتمند تھے، اور اپنی دولت چھوڑکر ہجرت کر کے چلے آئے تھے اور اُن کے مال ودولت پر اہلِ مکہ نے قبضہ کر لیا تھا، خدا نے **فقیر** فرمایا ہی، للفقراء المھاجرین اس سے فقہا نے یہ استدلال کیا ہے کہ جب اہل مکہ نے ان کے مال واسباب پر قبضہ کر لیا تو وہ اُس کے حقیقی مالک ہوگئے، اس بنا پر صحابہ کو خدا نے فقیر فرمایا، شاید کسی کو خیال ہو کہ چونکہ صحابہ کا قبضہ جاتا رہا تھا، اس لئے خدا نے ان کو مفلس کہا، لیکن ایسے شخص کے لئے جو گھر سے نکل آئے اور اس کے مال واسباب پر اور لوگ قابض ہوجائین اصطلاحِ شرع مین ایک دوسرا لفظ موجود ہے یعنی ابن السبیل،

شامی شرح درمختار مین جہان یہ مسئلہ لکھا ہے کہ قبضہ کی حالت مین قابض لوگ حقیقی مالک ہوجاتے ہین یہ استدلال کیا ہی،

لقولہ تعالی للفقراء المھاجرین سماھم فقراء فدل علی ان الکفار ملکوا اموالھم التی ھاجروا عنھا ومن لا یصل الی مالہ لیس فقیرا بل — کیونکہ خدا نے فرمایا ہی للفقراء المھاجرین اس آیت مین خدا نے مہاجرین کو فقیر کہا، اس سے معلوم ہوا کہ کفار صحابہ کے مال کے حقیقی مالک ہوگئے تھے، کیونکہ جو شخص اپنے مال کا مالک ہوتا ہے، اور صرف اُس کا قبضہ

ھو ابن السبیل، جاتا ہو تو اسکو فقیر نہین بلکہ ابن السبیل کہتے ہین،

فقہا کے نازک اور دقیق استدلال کی ہم داد دیتے ہین لیکن ہمارے نزدیک اس قدر موشگافی اور دقیقہ سنجی کی ضرورت نہین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین اس قسم کا واقعہ پیش آچکا تھا، اور اس طرز عمل سے صاف معلوم ہوسکتا ہو، کہ مسلمانون کو غیر مذہب کی حکومت مین کیونکر رہنا چاہئے، مکہ مین جب مخالفون نے مسلمانون کو حد سے زیادہ ستانا شروع کیا تو آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ لوگ ہجرت کرکے حبش ابی سینا کو چلے جائین، چنانچہ بہت سے صحابہ جنمین حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ بھی تھے حبش مین چلے گئے، حبش کا بادشاہ عیسائی تھا، جس کو اہل عرب نجاشی کہتے تھے، صحابہ جب حبش مین آئے تو اتفاق سے چند روز بعد کسی بادشاہ نے اس ملک پر چڑھائی کی، اور نجاشی نے اس کے مقابلہ کے لئے فوجین بھیجین صحابہؓ نے خود بلا کسی کی تحریک کے اپنی طرف سے ایک قاصد بھیجا کہ فوج کے ساتھ جائے اور دم دم کی خبرین بھیجتا رہے، تاکہ اگر ضرورت ہو تو خود ہم لوگ نجاشی کی مدد کو آئین، صحابہؓ نے اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ پنج وقتہ نمازون مین نجاشی کی فتح کی دعائین مانگتے تھے، چنانچہ یہ واقعہ محدث طبری نے اپنی تاریخ مین پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہو، کوئی رعایا حکومت کے ساتھ اس سے زیادہ اور کیا وفاداری، اور اطاعت شعاری کرسکتی ہے،؟ کیا آج گورنمنٹ کو اس سے زیادہ کچھ درکار ہے،

اسلام کی تاریخ مین اکثر غیر قومین اسلامی ملکون پر قابض ہوگئین، اس وقت ہزارون فقہا اور علما موجود تھے، کیونکر ممکن تھا کہ وہ اس کے متعلق فقہی احکام نہ مرتب کرتے، تاتاریون نے جب تمام ایران اور عراق پر قبضہ کرلیا تو اس وقت جس قدر فقہ کی کتابین تصنیف ہوئین سب مین اس کے متعلق تفصیلی احکام موجود ہین اصل بحث یہ پیدا ہوئی کہ یہ ممالک دارالاسلام ہوگئے یا دارالحرب، تمام فقہا نے بہ اتفاق لکھا کہ جب تک اسلامی احکام یعنی نماز روزہ وغیرہ جاری

ہین، اُس وقت تک دارالاسلام باقی رہیگا، اور مسلمانون کی وہی حالت ہو گی جو اسلامی ملک مین ہوتی ہو، فتاویٰ بزازیہ مین یہ ہے،

واما البلاد اللتی علیہا ولاۃ کفار فیجوز فیہا ایضا اقامۃ الجمع والاعیاد والقاضی قاض بتراضی المسلمین وقد تقرران ببقاء شی من العلۃ یبقی الحکم وقد حکمنا بلاخلاف بان ھذہ الدیار قبل استیلاء التتار کان من دیار الاسلام وبعد استیلا ئھم اعلان الاذان والجمع والجماعات والحکم بمقتضی الشرع والفتوی والتدریس شائع بلا نکیر من ملوکھم فالحکم بانہا من دار الحراب لا جہۃ لہ

باقی وہ مقامات جن کے حاکم کافر ہین تو وہان بھی جمعہ اور عیدین کا ادا کرنا جائز ہوگا، اور قاضی مسلمانون کی رضامندی سے قاضی ہوگا، کیونکہ یہ طے ہوچکا ہے کہ جب تک علت باقی رہتی ہے حکم باقی رہتا ہی، اور یہ متفقاً ہم لوگ طے کرچکے کہ یہ مقامات تاتاریون کے آنے سے پہلے دارالاسلام تھے، اوران کے قابض ہونے کے بعد اذان جمعہ اور جماعت یہ اعلان ہوتی ہی، اور فیصلے شریعت کے موافق کیے جاتے ہین، اور درس وتدریس بغیر روک ٹوک کے جاری ہے، تو ایسی حالت مین ان مقامات کو دارالحرب کہنے کی کوئی وجہ نہین ہی،

غور کرو فقہا نے تاتاریون کے زمانہ مین یہ فتویٰ دیا، جو بت پرست تھے اور جنکو مسلمانون کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت نہ تھی، آج جب کہ عیسائی حکومت ہے، جو اہلِ کتاب ہین مسلمانون کے فرائض مذہبی مین کوئی تعرض نہین کیا جاتا، مسلمان خود عیسائی مذہب کا زور شور سے سربازار رد کرتے ہین، تو ایسی حالت مین کیا شبہہ ہوسکتا ہے کہ حکومت کی وہی پوزیشن ہوگی جو اکبر و جہانگیر کے زمانہ مین تھی، اور فقہا کا یہ حکم واجب العمل ہوگا کہ:۔

ویجب علینا اتباعھم (درمختار)

اور ہم پر انکی اطاعت واجب ہو گی،

یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ یہ محض تھیوری یعنی زبانی باتین تھین، کثرت سے تاریخی واقعات شہادت دے رہے ہین کہ مسلمانون کا ہمیشہ طرزِ عمل یہی رہا، وہ جو کچھ کہتے تھے کرتے بھی تھے ہانوین صدی مین جزیرہ سسلی پر عیسائی حکومت قابض ہوگئی تھی، اور راجر تخت نشینِ حکومت تھا اوس وقت تک وہان کثرت سے مسلمان موجود تھے، ان کا طرزِ عمل یہ تھا کہ بادشاہ کے نہایت مطیع اور وفادار تھے یہان تک کہ بادشاہ کو جس قدر اُن پر اعتماد تھا، خود اپنی عیسائی رعایا پر نہ تھا، علامہ ابن جبیر نے اسی زمانہ مین سسلی کا سفر کیا تھا، وہ ان واقعات کو لکھکر لکھتا ہے کہ یہان پر تمام بڑے بڑے عہدون پر مسلمان مامور ہین، یہان تک کہ شاہی باورچیخانہ کا اہتمام بھی مزید اعتماد کی وجہ سے مسلمانون ہی کے ہاتھ مین ہو،

تاتاری جس زمانہ مین ایران اور عراق پر قابض تھے، اکثر بڑے بڑے عہدون پر مسلمان ہی مامور تھے، **ہلاکو خان** کی سفاکی اور اسلام کی دشمنی مسلمہ عام ہے، بغداد جو مسلمانون کے جاہ وجلال کا کعبہ تھا اسی کے ہاتھون برباد ہوا تھا تاہم اس کے حکومت کے دست و بازو خواجہ **رشید الدین** اور **علاء الدین جوینی** تھے خواجہ **رشید الدین** وزیر اعظم تھے اور درحقیقت کاروبارِ حکومت انھین کے ہاتھ سے انجام پاتے تھے،

ہلاکو خان کے بعد جب اس کا بیٹا اباقاآن خان بادشاہ ہوا تو اُس کے دور مین بھی ان دونون بھائیون کا وہی احترام رہا، علامہ شاکر کبتی نے **فوات الوفیات** مین جہان علاء الدین جوینی کا تذکرہ لکھا، لکھتے ہین :-

صاحب الدیوان الحسن اساتی اخوا	وزارتِ خراسان کے مالک اور وزیر اعظم شمس الدین
الصاحب الکبیر شمس الدین کان لھما	کے بھائی تھے اور اباقا کی سلطنت مین یہی دونون
الحل والعقد فی دولۃ ابغا و نالا	بھائی سیاہ وسپید کے مالک تھے، اور اس قدر دولت

من الجاه و الحشمة ما يجاوز الوصف — وحشمت ان لوگون نے حاصل کی، جو بیان سے باہر ہی،

روضۃ الصفا مین جہان خواجہ شمس الدین (وزیر ہلاکو خان) کا تذکرہ کیا ہے، لکھا ہی:-

"چون اباقاخان بر سریر سلطنت قرار گرفت، خواجہ مشار الیہ (خواجہ شمس الدین) زیادہ

از معہود و منظور سیورغاتشی یافت، و شغل خطیر وزارت بر قرار سابق باو مفوض گشت

و خدمتش بہ عزمے صائب و رائے ثابت و اقبال مساعد در اتمام مہام مملکت و ترفیہ احوال

سپاہی و رعیت و اصلاح خلل و تدارک ذلل بہ نوعی شروع نمود کہ مزیدے بر آن

متصور نبود، ملوک و سلاطین و اکابر خراسان و عراق و بغداد و شام و روم و ارمن

را الملجا و ماوی شد"

یہ اعتماد یہ رتبہ ان لوگون نے اسی وجہ سے حاصل کیا تھا کہ جس وفاداری، دیانت

اور لیاقت سے یہ لوگ بادشاہی خدمات بجا لاتے تھے، خود ہلاکو خان کے ہمقوم اور عزیز

بجا نہین لا سکتے تھے،

محقق طوسی، جنکی شہرت محتاجِ بیان نہین، وہ بھی ہلاکو خان کے معتمد خاص تھے،

اور اوقاف اسلامی کل انھین کے زیر اہتمام تھے، فوات الوفیات مین لکھا ہی،

کان ذا حرمۃ وافرۃ و منزلۃ عالیۃ — ہلاکو کے دربار مین ان کی بڑی عزت اور نہایت

عند ہلاکو و کان یطیعہ فیما یشیر بہ — قدر تھی، ہلاکو ان کے مشورون پر عمل کرتا تھا، اور مال

علیہ و الاموال فی تصرفہ — اُن کے تصرف مین تھا،

گو ہم پسند نہین کرتے لیکن محقق طوسی نے ہلاکو خان کی وفاداری مین اسلام تک کو برباد

کر دیا یعنی بغداد کا حملہ اور اُس کی بربادی صرف محقق طوسی کے اشارہ سے تھی، ورنہ ہلاکو خان

اس پر آمادہ نہین ہوتا تھا، چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین مین اس واقعہ

کو محقق طوسی کے مفاخر مین شمار کیا ہے،

واقعات مذکورۂ بالا سے تم کو معلوم ہو گا، کہ رسول اللہ صلعم کے عہد زرین سے لیکر آج تک مسلمانون کا ہمیشہ یہ شعار رہا کہ وہ جس حکومت کے زیر اثر رہتے اس کے وفادار اور اطاعت گذار رہتے یہ صرف ان کا طرز عمل نہ تھا، بلکہ ان کے مذہب کی تعلیم تھی، جو قرآن مجید، حدیث، فقہ سب مین کنایۃً اور صراحۃً مذکور ہے،

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از من بجز حکایت مہر و وفا مپرس

غیر قومون کی شاہبت

ہماری قوم مین نئے علوم وفنون اور نئے تمدن اور شائستگی کے نہ پھیلنے کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ بہت سے مسلمانون کا ابتک خیال ہے، کہ ہم کو غیر قومون کا تشبہ شرعاً ناجائز ہے، یہی وجہ ہے کہ ابتک قوم کے مقدس حضرات، یورپین علوم وفنون، یورپین زبان، یورپین تمدن، یورپین طرز معاشرت سے جہان تک ہوسکتا ہی، اجتناب کرتے ہین، اور بضرورت کوئی بات اختیار کرنی پڑتی ہے تو ان کا دل انکو ملامت کرتا رہتا ہے،

ہمارا خیال ہے کہ اس قسم کی غلطیون کے پیدا ہونے کی بڑی وجہ یہ ہی، کہ قدیم تعلیم مین تاریخ کا حصہ شامل نہ تھا، اور اس وجہ سے اکثر مسلمان آنحضرت صلعم اور خلفاے راشدینؓ اور صحابہؓ کے طرز معاشرت کے تفصیلی حالات سے بالکل آشنا نہین، جس شخص نے سلف کی تاریخ سرسری نظر سے بھی پڑھی ہوگی، وہ اس بات سے کیونکر انکار کرسکتا ہے کہ آنحضرت صلعم اور خلفاے راشدین نے تمدن اور معاشرت کے متعلق غیر قومون کی بہت سی باتین پسند فرمائین، شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین نہایت تفصیل کے ساتھ اصلاح رسومات پر ایک مضمون لکھا ہے، اس مین ایک موقع پر وہ تحریر فرماتے ہین کہ "انبیاء اور پیغمبرون کا یہ طریقہ تھا، کہ کھانے، پینے، لباس، تعمیرات، آرایش، خرید و فروخت وغیرہ کے متعلق وہ اُن معمولات پر نظر ڈالتے تھے، جو ان کی قوم مین پہلے سے جاری تھے اگر وہ معقول ہوتے تھے، تو بحال خود رہنے دیتے تھے، اور جن باتون مین کسی قسم کی برائی

ہوتی تھی ان کی اصلاح کردیتے تھے"

اس کے بعد شاہ صاحب نے، دیت، خمس، قسامۃ وغیرہ کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ قاعدے زمانۂ جاہلیت مین جاری تھے، اور آنحضرت صلعم نے اسی طرح رہنے دیئے" پھر فرماتے ہین، "وکان قباد وابنہ نوشروان وضعا علیھم الخراج والعشر فجاء الشرع بنحو من ذلک" یعنی قباد اور اس کے بیٹے نوشیروان نے لوگون پر خراج اور عشر مقرر کیا تھا، پس شریعت بھی قریب قریب اسی کے مطابق آئی" شاہ صاحب نے تو چونکہ شریعت کا نام لیا، اس لئے قریب قریب کا لفظ لکھا، لیکن امام ابوجعفر طبری نے جو محدث اور مجتہد دونون تھے، جہان نوشیروان کے قانونِ خراج وجزیہ کا ذکر کیا ہے، صاف یہ الفاظ لکھے ہین:-

اقتدیٰ بہا عمر بن الخطاب، یعنی "حضرت عمر رضؓ نے نوشیروان کے ان قاعدون کی اقتدا اور پیروی کی"

یہ مسلم ہے کہ نوشیروان مذہبًا مجوسی اور قوم کے لحاظ سے ایرانی تھا، پھر جب حضرت عمرؓ کو تمدن اور امور ملکی کے متعلق ایک مجوسی اور ایرانی کی اقتدا سے عار نہ تھا، تو آج ہلوگون کو یورپ کی عمدہ باتون کے اختیار کرنے مین کیا مضایقہ ہو سکتا ہی؟

یہ بحث کلی طور پر تھی، اب ہم اس آرٹکل مین اُن باتون کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھنا چاہتے ہین، جو قرن اول مین دوسری قومون سے لی گئین، لیکن قبل اس کے اُن حدیثون سے تعرض کرنا ضرور ہی، جن سے ثابت ہوتا ہی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دوسری قومون کی مشابہت سے منع فرماتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی پیغمبر یا بانیٔ مذہب، کسی نئے مذہب کی بنیاد ڈالتا ہی، تو اُسکو خواہ مخواہ بعض ایسی مخصوص علامتین قایم کرنی پڑتی ہین، جو اس کے پیرؤون اور عام لوگون مین امتیاز اور شناخت کا ذریعہ ہون، اس قسم کی علامت کو "شعار" کہا جاتا ہی،

اور اردو مین اس کا ترجمہ "وردی" یا "تمغہ" کیا جا سکتا ہی، بے شبہہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بعض چیزون مین اس قسم کا امتیاز قائم کیا تھا، اور ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے، کہ ان باتون مین غیر مذہب والون کی مشابہت نہ اختیار کرو، لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ دوسری قومون اور دوسرے مذہب والون کی ہر بات سے اجتناب کیا جائے سخت غلطی ہی،

آنحضرت صلعم کے طریق عمل اور متعصب علماء کی نافہمی کی ایک عمدہ مثال یہ ہے کہ غزوۂ احزاب مین جب قریش نے بڑے سر و سامان سے مسلمانون پر چڑھائی کی، تو سلمان فارسی رضی نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین عرض کیا، کہ "ایران مین یہ دستور ہے کہ جب دشمن کی تعداد زیادہ ہوتی ہی، تو خندق کھود کر پناہ لیتے ہین" آنحضرت صلعم نے ان کے مشورہ کے مطابق خندق تیار کرائی اور عربی زبان مین خندق کا لفظ اول اسی وقت استعمال ہوا "خندق" کا لفظ "کندہ" کا معرّب ہی، جس کے معنی کھودے گئے کے ہین، معرب کرنے کا عام قاعدہ ہی کہ اخیر کی ہائے ہوز کو ق سے بدل لیتے ہین، جس طرح پیادہ سے بیدق، خورنگہ سے خورنق، اسی طرح منجنیق اور دبابہ جو لڑائی کے آلات ہین، عرب مین مستعمل نہ تھے، لیکن فارس اور یونان مین اسکا عام رواج تھا، سب سے پہلے طائف کے محاصرہ مین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رومی نژاد صحابی کے اشارہ سے اس کا استعمال کیا، ان واقعات کے مقابلہ مین "جان نثاری فوج کا واقعہ خیال کرو،

سلطنت ترکی کی ایک مشہور فوج تھی جس نے یورپ اور ایشیا مین بے شمار فتوحات حاصل کی تھین، سلطان محمود کے زمانہ مین جب یورپ نے فنونِ جنگ، اور فوجی قواعد مین نئے نئے قاعدے ایجاد کئے، تو سلطان موصوف نے اپنی فوج کو بھی اُنھین اصول کے موافق مرتب کرنا چاہا، لیکن "جان نثاری" فوج نے اس بنا پر انکار کیا کہ ہم کافرون کی تقلید نہین

کرتے، یہ انکار در اصل فوج کی طرف سے نہ تھا، بلکہ در پردہ شیخ الاسلام کی سازش تھی، اور وہ پیشواے مذہب ہونے کے لحاظ سے اس تقلید کو ناجائز خیال کرتا تھا، سلطان محمود سمجھتا تھا، کہ نئے اصول کے اختیار کئے بغیر یورپ کی ہمسری نہیں ہو سکتی، ادھر شیخ الاسلام اور فوج کو اپنے تعصب پر اصرار تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ فوج نے بغاوت کی اور کل کی کل لڑ کر تباہ ہو گئی، اسی قسم کی غلطی ہے، جو آج کل ہمارے علمار اور متعصب مسلمان کر رہے ہین، اور جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ عہدِ نبوت اور خلافت کے حالات سے بہت کم واقف ہین، اور زیادہ سچ یہ ہے کہ بالکل واقف نہین،

اب ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ بتاتے ہین، کہ معاشرت اور تمدن کے متعلق کیا کیا باتین غیر قومون کی اختیار کی گئین، اور کب اور کس وقت اختیار کی گئین، اس حیثیت سے یہ آرٹکل ایک تاریخی آرٹکل ہو گا، اور عام ناظرین کو اس سے زیادہ دلچسپی ہو گی،

لباس کے متعلق یہ تو ظاہر ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص لباس نہین اختیار کیا تھا، بلکہ جاہلیت مین جو لباس مستعمل تھا وہی اسلام مین بھی باقی رہا، لیکن زیادہ تفتیش سے ثابت ہوتا ہے، کہ مجوسیون اور عیسائیون کی بہت سی چیزین اختیار کر لی گئی تھین، عرب مین پاجامہ کا مطلق وجود نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ عربی زبان مین اس کے لئے کوئی لفظ نہ تھا، عرب مین جب اس کا استعمال ہوا تو فارسی لفظ "شلوار" کو معرب کر کے "سروال" بنا لیا اور وہی لفظ آج تک مستعمل ہے، حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت مین اگرچہ قومی خصوصیت قایم رکھنے کے لحاظ سے لوگون کو عرب کے قدیم لباس یعنی تہمد کا پابند رکھنا چاہا، چنانچہ عتبہ بن فرقد کو فرمان لکھا، اسمین صاف یہ الفاظ لکھے، کہ "پاجامہ پہننا چھوڑ دو" لیکن قبول عام پر کس کا زور ہے؟ پاجامہ کا رواج ہوا، اور اس عمومیت کے ساتھ ہوا کہ تمام عرب مین

تہمد کا نام بھی نہین رہا، عینیؒ شرح بخاری مین لکھا ہی، کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پاجامہ پہنا تھا،

برنس ایک قسم کی لمبی ٹوپی تھی، جس کو خاص عیسائی استعمال کرتے تھے صحابہ مین سے اکثرون نے اس کا استعمال کیا اور خود حضرت عمر فاروقؓ اس کو استعمال کرتے تھے، رفتہ رفتہ جب تعصب کی ابتدا ہوئی تو لوگون کو اس کے استعمال مین تامل ہوا لیکن بڑے بڑے ائمۂ مذہب نے جواز کا فتویٰ دیا، عینی شرح بخاری مین ہے کہ امام مالک سے لوگون نے پوچھا کہ کیا برنس کا پہننا، اس بنا پر مکروہ ہے کہ عیسائیون کے لباس کے مشابہ ہے" انھون نے جواب دیا کہ نہین، یہان (یعنی مدینہ مین) لوگ عموماً اس کو استعمال کرتے تھے"

لباس کے سوا، معاشرت کی اور بہت سی چیزون مین غیر قومون کی تقلید کی گئی، عرب مین پہلے تابوت کا طریقہ نہین تھا حضرت زینبؓ کا جب انتقال ہوا، تو حضرت عمرؓ نے لوگون سے کہا کہ جنازہ کے اٹھانے مین کافی پردہ پوشی نہین ہوتی، کیا اس کی کوئی تدبیر نہین ہوسکتی؟" اسماء بنت عمیسؓ بھی اس موقع پر تشریف رکھتی تھین، انھون نے کہا کہ مین نے حبش مین دیکھا ہے کہ مردون کے لئے تابوت بناتے ہین" چنانچہ انکی راے کے مطابق تابوت تیار ہوا حضرت عمرؓ نے دیکھا تو بہت پسند فرمایا، اور اس وقت سے یہ طریقہ جاری ہو گیا،

معاشرت کے متعلق غیر قومون کی رسوم و عادات کے پھیلنے کا ایک بڑا سبب یہ ہوا کہ مسلمانون نے روم و فارس کی فتوحات کے ساتھ عیسائیون اور یہودیون کے یہان رشتے ناتے شروع کر دیئے، مدائن کی فتح کے بعد، سیکڑون صحابہ نے عیسائی عورتون کے ساتھ شادیان کر لین، حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انھون نے سپہ سالار کو خط لکھا، اور اپنی ناراضی کا اظہار کیا، انھون نے جواب مین لکھا کہ آپ کا یہ حکم آپ کی ذاتی راے ہے، یا منصب خلافت

؎ عینی جلد دہم صفحہ ۱۳۰ مطبوعہ قسطنطنیہ،

سے متعلق ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب لکھا کہ "اسکو منصب خلافت سے کچھ تعلق نہین، بلکہ میری ذاتی رائے ہے، اور اس بنا پر ہے کہ تم لوگ اپنی قوم کی عورتون کو چھوڑ کر غیر قومون کے نہ ہو رہو" چونکہ اس وقت تمام مسلمانون مین آزادی کا جوہر موجود تھا. لوگون نے حضرت عمرؓ کی ذاتی رائے کی کچھ پروا نہ کی، اور اپنے ارادون پر قایم رہے، رفتہ رفتہ ہزارون عیسائی اور یہودی عورتین مسلمانون کے نکاح مین آگئین، اور قدرت کے قاعدہ کے مطابق، ان کی معاشرت اور رہنے سہنے کے طریقے مسلمانون مین پھیل گئے، اگرچہ اس سے قومی خصوصیتون کو کچھ نقصان پہونچا، لیکن بڑا فائدہ یہ ہوا کہ رات دن کے ملنے جلنے سے اسلام کے عقیدے ان کے دلون مین جگہ پکڑتے گئے، اور ان مین سے سیکڑون مسلمان ہوگئین، بلکہ سچ پوچھئے تو غیر قومون مین اسلام کے پھیلنے کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا،

ملکی نظم ونسق اور طریقۂ جنگ تو گویا بالکل فارس اور یونان کے انداز پر قائم ہوا، حضرت عمرؓ نے خراج اور جزیہ کے متعلق جو قاعدے جاری کئے وہ بالکل نوشیروان کے مرتب کردہ تھے، چنانچہ امام طبری، اور ابن الاثیر وغیرہ نے صاف تصریح کی ہے، آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ تک خزانہ اور دفتر کا بالکل وجود نہ تھا، فتوحات مین جو روپیہ آتا تھا وہ اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا، حضرت عمرؓ کے زمانہ مین جب روپیہ کی افراط ہوئی، تو انھون نے صحابہؓ کو جمع کر کے رائے لی کہ یہ زر کثیر کیا کیا جائے، بعض صحابہؓ جو رومیون کے دفتر اور حساب کتاب کے طریقے دیکھ آئے تھے، انھون نے کہا کہ ہم نے شام مین رومیون کے یہان دیکھا ہے کہ خزانہ اور فوج کا دفتر مرتب رہتا ہے، آج کل کا زمانہ ہوتا تو ہمارے علما من تشبہ بقوم کا مسئلہ پیش کرتے، لیکن حضرت عمرؓ نے اسی وقت چند حساب دان اشخاص کو بلا کر دفتر کی تیاری کا حکم دیا،

اسی طرح عدالتون کا انتظام، پولیس کا محکمہ، صوبجات اور اضلاع کی تقسیم، پبلک ورک ڈاک کا بندوبست، وغیرہ وغیرہ یہ تمام انتظامات خود خلفاے راشدین کے عہد مین قایم ہوئے اور ٹھیک عجم اور یونان کے نمونہ کے موافق قائم ہوئے، زمانہ مابعد مین جب فلسفہ وغیرہ کی کتابون کا ترجمہ ہوا، تو عربی زبان بالکل غیر قومون کے علوم وفنون سے بھر گئی، یہان تک کہ خود مذہبی علوم بھی ان کے اثر سے نہ بچ سکے،

یونانی علوم وفنون کی تقلید اور اتباع کا اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہوگا، کہ آج یونانی طب کو ہم مسلمانی طب سمجھتے ہین، حدیث کی کتابون مین اکثر امراض کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاج مذکور ہین، یہان تک کہ طب نبوی ایک مستقل مضمون بنگیا ہے، لیکن تمام اسلامی دنیا مین بیماریون کا جو علاج کیا جاتا ہے، وہ ارسطو اور بقراط کے قاعدہ کے مطابق کیا جاتا ہے، اور طب نبوی کا ذکر تک نہین آتا، ایک طرف تو یہ بے تعصبی اور آزادخیالی، اور ایک طرف یہ تعصب اور ضد کہ یورپ کی کسی بات پر عمل نہ کیا جائے، ورنہ غیر مذہب والون کی مشابہت لازم آئیگی، اور من تشبہ بقوم کا مصداق بننا پڑیگا ع

بہ بین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

خلافت

منجملہ اُن الفاظ کے جو مسلمانون مین مذہبی حیثیت سے مستعمل ہین، ایک یہ لفظ بھی ہے، لیکن چونکہ یہ لفظ پالٹیکس سے بھی تعلق رکھتا تھا، اور پولٹیکل اغراض نے اکثر اس کے مفہوم اور حقیقت کو بدل کر تعبیر کرنا چاہا، اس لئے بعض اوقات عوام مین اس کے متعلق غلط فہمیان پھیل گئین، اور کم سے کم یہ کہ اس کے معنی مین ابہام اور اشتباہ آگیا، سال دو سال سے زیادہ نہین گذرے کہ اردو اخبارات مین یہ بحث ایک اتفاقی واقعہ کی وجہ سے چھڑ گئی تھی، اور اس نے کسی حد تک طول بھی پکڑ لیا تھا، لیکن پھر بعض اسباب سے رک گئی، اس زمانہ مین سر سید مرحوم نے ایک نہایت دلچسپ آرٹکل لکھا تھا، جو علی گڈھ گزٹ مین شایع ہوا تھا، مین نے بھی ایک ضمنی موقع پر اپنے سفرنامہ مین اس بحث کی طرف اشارہ کیا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس بات کی ضرورت ہے کہ یہ مسئلہ نہایت تحقیق کے ساتھ بالکل صاف کر دیا جائے، اس مسئلہ پر دو حیثیتون سے بحث ہو سکتی ہے،

(۱) مذہب کے رو سے منصب خلافت کی کیا حقیقت ہے؟

(۲) شروع اسلام سے آج تک یہ لفظ کس معنی مین، اور کن لوگون کے لئے استعمال کیا گیا؟

خلافت یا امامت مرادف الفاظ ہین، اور یہ الفاظ احادیث اور عقائد کی کتابون مین ایک ہی معنی مین استعمال کئے جاتے ہین، خلافت یا امامت کی جو تعریف عقائد کی کتابون مین مذکور ہے، وہ یہ ہے، مسلمان پر ایک عام تصرف کا اختیار، جسکی اطاعت تمام مسلمانون

پر ضرور رہو" شرح مواقف مین خلافت کی تعریف ان الفاظ سے کی گئی ہے، "آنحضرت صلعم کی قایم مقامی دین کے قائم رکھنے، قوم کی حفاظت کرنے مین" شرح مقاصد مین یہ الفاظ ہین" دین اور دنیا کی افسری بحیثیت قائم مقامی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

اس منصب کے حاصل ہونے کے لئے اسلام کے تمام فرقون کے نزدیک جو شرطین ہین، ان مین سے ایک بڑی مقدم شرط یہ ہے کہ وہ شخص قریش کے خاندان سے ہو، اس شرط سے مسلمانون کے فقط ایک گروہ یعنی معتزلہ نے انکار کیا ہے، لیکن یہ گروہ کئی سو برس سے دنیا سے بالکل معدوم ہوگیا ہے، اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ آج تمام دنیا کے مسلمانون کے مذہبی اعتقاد کے مطابق صرف وہ شخص خلیفہ یا امام ہوسکتا ہے، جو قریش کے خاندان سے ہو، جس بناپر خلافت کے لئے یہ شرط ضروری سمجھی گئی ہے، وہ وہ حدیثین ہین جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف پیرایون مین نہایت کثرت سے منقول ہین، چنانچہ ان کو ہم اس موقع پر تفصیل کیساتھ نقل کرتے ہین:-

(۱) اَلائمۃُ مِنْ قُرَیْشٍ	امام قریش مین سے ہونگے۔ (مسند امام احمد بن حنبل)
(۲) الملکُ مِنْ قریشٍ	حکومت قریش مین رہیگی، ترمذی (صحیح)
(۳) الخلافَۃ فِی قُرَیشٍ	خلافت قریش مین ہوگی، مسند امام احمد بن حنبل (اس کے تمام راوی ثقہ ہین)
(۴) یکون اثنا عشر امیرا کلھم من قریش،	بارہ امیر ہون گے جو سب کے سب قریش سے ہون گے صحیح البخاری، (صحیح)
(۵) الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃً ثم یکون ملکاً،	خلافت تیس برس رہیگی پھر اس کے بعد سلطنت ہوجائیگی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ترمذی (ابن حبان نے بھی اسکو صحیح لکھاہی)

ا۔ دیکھو عینی شرح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۴۳،

(۶) لایزال امر الناس ماضیاً ما ولا هم اثنا عشر رجلاً کلهم من قریش، | لوگون کا کام اُس وقت تک ٹھیک رہیگا جب تک بارہ شخص حکمران رہین گے جو سب کے سب قریش سے ہونگے

صحیح مسلم (صحیح)

ان احادیث مین سے بعض کا توصریح مطلب یہ ہے کہ خلافت قریش کا حق ہے" اور بعض مین بظاہر پیشین گوئی کے طور پر یہ بیان کیا گیا ہے، کہ خلافت ہمیشہ قریش مین رہیگی، لیکن چونکہ کئی سو برس ہو چکے کہ تمام دنیا مین کوئی حکمران قریش کے خاندان سے نہین ہے، اس لئے ان احادیث کا یہ مطلب قرار دیا گیا ہے کہ خلافت کا حق درحقیقت صرف قریش کو ہے، اور خاندان کے لوگ جو حکمران ہین وہ بادشاہ ہین، مگر خلیفہ نہین ہین لیکن جس حدیث مین یہ مذکور ہے کہ خلافت صرف تیس برس رہیگی، پھر سلطنت ہو جائیگی" اس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ تیس برس کے بعد جو فرمانروا ہوئے، وہ باوجود قریش ہونے کے خلیفہ نہ تھے، بلکہ بادشاہ تھے،

بہرحال تمام روایات کا قدر مشترک یہ ہے کہ خلافت کے لئے قریش ہونا ضرور ہے، اور جو شخص قریش کے خاندان سے نہ ہو وہ کسی طرح تمام مسلمانون کے اعتقاد کے مطابق خلیفہ نہین ہو سکتا،

مسلمانون نے کبھی اور کسی زمانہ مین اُس شخص کو خلیفہ نہین مانا، جو قریش کے خاندان سے نہ ہو، سب سے اول جس موقعہ پر یہ مسئلہ زیر بحث آیا، وہ آنحضرت صلعم کی وفات کا دن تھا، عین آپ کی وفات کے دن انصار نے یعنی جو لوگ مدینہ کے رہنے والے تھے، یہ دعویٰ کیا کہ خلافت ہمارا حق ہے، لیکن جب مہاجرین نے اُن کے مقابلہ مین یہ استدلال پیش کیا کہ خلافت صرف قریش کا حق ہے، تو اُنھون نے سر تسلیم خم کر دیا، اور اپنے دعوے سے دست بردار ہو گئے، چنانچہ یہ واقعہ نہایت تفصیل کے ساتھ تاریخ طبری، ابن اثیر، ابن خلدون مین مذکور ہے،

عباسیون کی سلطنت مین جب ضعف آگیا تو ہر طرف دعویداران حکومت پیدا ہوگئے،
جنمین سے بعض بعض خاندانون نے وہ جبروت واقتدار حاصل کیا، اور اُن کے حدودِ سلطنت
اس قدر وسیع ہوگئے کہ خود دولت عباسیہ کے زمانہ مین کبھی نہین ہوئے تھے، تاہم ان مین
سے کبھی کسی نے خلافت کا دعویٰ نہین کیا، اور ہمیشہ عباسی خلیفہ کے آگے (باوجود اس کے
کہ وہ دلی کے بہادر شاہ سے زیادہ رتبہ نہین رکھتے تھے) سر جھکاتے رہے، اور اس کی
صرف یہ وجہ تھی کہ وہ خود قریش کے خاندان سے نہ تھے، اور اس لئے اگر وہ خلافت کا
دعویٰ کرتے تو مسلمانون مین سے ایک شخص بھی ان کے دعویٰ کو تسلیم نہ کرتا،
عضد الدولہ، محمود غزنوی، ملک شاہ سلجوقی، دنیا کے بہت بڑے عظیم الشان شاہنشاہ
گذرے ہین، لیکن یہ سب کے سب بغداد کے دربار سے لقب اور خطاب حاصل کرتے تھے،
اور اس پر فخر وناز کرتے تھے، عضد الدولہ جسکو شاہنشاہ کا لقب حاصل تھا، اور جو بڑی
سطوت واقتدار کا بادشاہ گذرا ہی، سنہ ۳۶۹ ہجری مین جب بغداد مین طائع اللہ خلیفہ عباسی
کے دربار مین لقب لینے کے لئے حاضر ہوا، تو سب سے پہلے اُس نے زمین چومی، پھر پیچھے ہٹ کر دوبارہ
زمین چومی، اس طرح سات دفعہ زمین بوسی کی، اور جب خلیفہ نے مہربانی سے اُس کو زیادہ
تقرب کی اجازت دی، تو اُس نے بڑھکر خلیفہ کے پاؤن چومے، اس وقت خلیفہ نے اُس کو
کرسی پر بیٹھنے کا حکم دیا، لیکن اُس نے باربار معذرت کی، اور جب خلیفہ نے اُس کو مجبور کیا تو
الامر فوق الادب کے لحاظ سے کرسی کو بوسہ دیکر اُس پر بیٹھ گیا، اور کہا کہ "مین خدا سے دعا
مانگتا ہون کہ حضور کی اطاعت مجھ سے اچھی طرح بن آئے"، ان تقریبات کے ادا کرنے کے
اثنا مین عضد الدولہ کا ایک افسر جو اس کے ساتھ تھا، اس بت پرستی سے گھبرا کر بول اٹھا
کہ "کیا یہ خدا ہی؟ جو آپ اس طرح تعظیم بجالاتے ہین" عضد الدولہ نے کہا کہ "ہان یہ خدا

کا خلیفہ ہے"

مصر مین جب فاطمیہ خاندان نے ایک وسیع سلطنت قائم کرلی، اور خاندان عباس اُسکو دبا نہ سکا، تو عباسیون سے بجز اس کے اور کوئی تدبیر بن نہ آئی، کہ ایک محضر لکھوایا جسمین فاطمیہ کے نسب کا انکار تھا، اور اس پر تمام علماء سے دستخط کرائے، اور اس طرح لوگون کو ان کی طرف سے برگشتہ کیا، جس کا یہ اثر ہوا کہ ایک مدت مدید کے بعد فاطمیہ کے ایک افسر نے خلیفۂ فاطمی کو تخت سے اتار دیا، اور عباسیہ کی سلطنت قائم کردی، یہ افسر صلاح الدین ایوبی تھا، جو آج "فاتح بیت المقدس" کے نام سے تمام عالم مین مشہور ہے،

۶۵۶ھ مین بغداد کی سلطنت جب ہلاکو کے ہاتھ سے تباہ ہوگئی، اور خاندان بنی عباس برباد کردیا گیا، تو اس خاندان مین ایک شخص جسکا نام احمد ابو القاسم تھا، اور جیلخانہ مین مقید تھا، بھاگ کر مصر پہونچا، یہان اس وقت ملک ظاہر بیبرس کی حکومت تھی، احمد کے پہونچنے کے ساتھ ظاہر نے ایک بہت بڑا دربار کیا، اور بڑے عجز و نیاز کے ساتھ احمد کے ہاتھ پر بیعت کی احمد کی وفات کے بعد، چونکہ اس کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے ایک اور عباسی شہزادہ جو بغداد کی تباہی مین بچ گیا تھا، خلیفہ کیا گیا، اور ایک مدت تک اس کے خاندان مین یہ (برائے نام) خلافت رہی، یہ خلفاء اگرچہ اس قدر بے اختیار اور بے حقیقت تھے، کہ انکو بجز مقررہ وظیفہ کے کسی قسم کی حکومت حاصل نہ تھی، تاہم مذہبی عظمت یہ تھی کہ بادشاہ وقت ہمیشہ ان کے آگے سر جھکاتا تھا، ہندوستان کے مشہور بادشاہ تغلق نے اسی خاندان کی سلطنت کا فرمان منگوایا تھا اور اس پر اس قدر خوشی کا اظہار کیا تھا، کہ تمام شہر کی آئینہ بندی کرائی، اور شعرا نے مبارکبادی کے قصیدے لکھے، بدر چاچ کے ایک قصیدے کا مطلع یہ ہے،

جبرئیل از طاق گردون بشیر و گویان رسید   کز خلیفہ سوے سلطان خلعت و فرمان رسید

غرض تیرہ سو برس سے آج تک کسی ایسے خاندان نے کبھی خلافت کا دعویٰ نہین کیا
جو قریش کے خاندان سے نہ رہا ہو، ناظرین کو حیرت ہو گی کہ اگر ایسا ہی تو ٹرکی خاندان کو
کیون خلافت کا دعویٰ ہے بحالانکہ یہ عموماً مسلم ہے کہ ترک قریش کے خاندان سے نہین ہین
یہ واقعہ درحقیقت تعجب انگیز ہے، اور واقعہ کا سبب اس سے زیادہ تعجب انگیز ہی، ترکون
مین سلطان بایزید ثانی تک جو اس خاندان کا آٹھوان بادشاہ تھا کسی حکمران نے خلافت
کا لقب نہین اختیار کیا تھا، چنانچہ آج بھی ترک مصنفین اس زمانہ تک کسی ترکی بادشاہ
کو خلیفہ کے لقب سے یاد نہین کرتے، سلطان سلیم اول نے جو ۹۱۸ھ مین تخت سلطنت
پر بیٹھا، جب مصر فتح کیا، تو اس وقت وہان عباسی خاندان کا ایک برائے نام خلیفہ موجود
تھا، جس کا نام المتوکل تھا، (یہ وہی خاندان تھا جس کا ابھی ہم ذکر کر چکے ہین) سلطان
سلیم اسکو بجبر قسطنطنیہ لایا، اور اس کو مجبور کیا کہ خلافت کے لقب سے دست بردار ہو جائے
اور یہ لقب سلیم کے نام منتقل کر دے، متوکل اگرچہ اس پر راضی نہ تھا، لیکن مجبوراً اسکو قبول
کرنا پڑا، چنانچہ مسجد ایا صوفیہ مین جا کر اس نے اس بات کا اعلان کیا، اور یہ پہلا دن ہی
کہ ٹرکی خاندان کے ساتھ یہ فرضی لقب اضافہ کیا گیا، یہ واقعہ اگرچہ بظاہر مضحکہ آمیز ہے۔
لیکن خود ترک مورخین اس کے معترف ہین، اور ترکی تاریخون مین جہان سلیم کا ذکر ہی،
یہ واقعہ بھی ساتھ ہی مذکور ہی،

حقوق الذمیین

یعنی

اسلام مین غیر مذہب والون کے حقوق

دنیا کے عجیب سے عجیب واقعات کی اگر ایک فہرست تیار کیجائے تو یہ واقعہ ضرور اسمین درج کرنے کے قابل ہوگا، کہ مسلمانون کے متعلق اگرچہ یورپ کی واقفیت کے ذریعے نہایت وسیع ہوگئے ہین، اور ہوتے جاتے ہین، اسلامی آبادیون کا بہت بڑا حصہ اُس کے قبضے مین آگیا ہی سیکڑون عربی دان علما پیدا ہوگئے ہین، عربی تصنیفات کثرت سے یورپین زبانون مین ترجمہ ہوتی جاتی ہین مسلمانون کے نہایت نایاب تاریخی ذخیرے اصلی زبان مین شائع ہوتے جاتے ہین، اورنٹیل کانفرنس نے مشرق اور مغرب کا ڈانڈا ملادیا ہی، تاہم غلط معلومات کا بادل جو آج سے کئی سو برس پہلے یورپ کے افق پر چھایا تھا، اب تک نہین ہٹا بہت سے بہت یہ ہوا ہے کہ وہ کسی قدر ہلکا ہوگیا ہے۔ لیکن فضا مین اب بھی اس قدر تاریکی ہے کہ اذا اخرج یدہ لم یکد یرٰہا (ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہین دیتا) یہ غلط معلومات اول اول مذہبی راستے سے آئے تھے، اور چونکہ یورپ مین مذہب کا زور خود گھٹ گیا ہے، اس لئے مذہبی حیثیت کے لحاظ سے اب انکا اثر بھی چندان قوی نہین رہا، تاہم جب کبھی پولٹیکل ہوا چلتی ہے، تو یہ دبی چنگاریان اس قدر جلد بھڑک اٹھتی ہین، کہ تمام یورپ مین ایک

آگ سی لگ جاتی ہے،

آرمینا کے جھگڑے مین ترکون پر جو شنیعہ الزامات لگائے گئے ابھی اس کی تحقیق بھی نہین شروع ہوئی تھی کہ یورپ کے اہلِ قلم نے دنیا مین غلغلہ ڈالدیا کہ خود مسلمانون کے مذہب مین عیسائی رعایا سے ایسا سلوک کرنا جائز بلکہ ضروری قرار دیا گیا ہی، اور اس وجہ سے یہ یقین کرنا کہ ترکون نے وہ تمام ظالمانہ کارروائیان کی ہونگی، گویا اس بات کا یقین کرنا ہی کہ ترک اپنے مذہب کے پابند ہین اور پورے پابند ہین،

اسی سلسلہ مین ٹائمس کے پرچہ مورخہ ۲ جنوری ۱۸۹۵ء مین پادری ملکم مکال نے بڑے دعوے کے ساتھ ایک آرٹیکل لکھا جسمین یہ ثابت کرنا چاہا کہ مذہب اسلام عیسائیون کے حق مین نہایت سخت ظالمانہ قانون ہے، اور اسلامی حکومتون مین ہمیشہ اس قانون پر عمل درآمد رہا ہے، دلی کے مشنریون نے اس آرٹیکل کا ترجمہ چھاپ کر شایع کیا، اور دیباچہ مین یہ تمہید لکھی کہ "یہ آرٹیکل اس قدر مدلل اور پر زور ہے کہ خود ٹائمس کا وہ مسلمان مضمون نگار جو مذہب اسلام کی حمایت مین مضامین کا سلسلہ لکھ رہا تھا، اس آرٹکل کے بعد بالکل بند ہوگیا، اور کچھ جواب نہ دے سکا،

آج کل کے مصنفین اسلام نے یورپ کی بہت سی غلط فہمیون کو دور کیا ہے لیکن افسوس ہے، کہ انھون نے اس عظیم الشان مسئلہ پر توجہ نہین کی، کتبخانہ اسکندریہ، عورتون کے حقوق، جزیہ، یہ سب جزئی مباحث ہین لیکن ذمیون کے حقوق کا مسئلہ ایسا اہتم بالشان اور وسیع ہے کہ اگر اس کا قطعی فیصلہ کردیا جائے تو یورپ کی غلط فہمیون کا سارا طلسم ٹوٹ جائیگا، مین یہ مضمون اسی خیال سے لکھتا ہون، اور امید کرتا ہون کہ یہ بھی اسی طرح اپنے مقصد مین کامیاب ہوگا جس طرح اس سے پہلے کتبخانہ اسکندریہ و الجزیہ کو اپنے

مقصد مین کامیابی ہو چکی ہے،

اس رسالہ کا موضوع جس پر بحث کا تمام سلسلہ قائم ہے یہ ہی کہ اسلام مین ذمیون کے کیا حقوق ہین؟ یہ جملہ تین لفظون پر مشتمل ہی، اسلام، ذمی، حقوق، اسلام سے ہماری مراد قرآن یا وہ احادیث نبوی ہین جن کی صحت اصول حدیث کی روسے ثابت ہو چکی ہے، ذمی اُن رعایا کو کہتے ہین جو اسلامی حکومت مین آباد ہون، اور جنکا مذہب اسلام نہ ہو لفظ حقوق کی تفسیر کی ضرورت نہین، موضوع کے جو الفاظ ہین اگرچہ انکی تشریح یہی ہے، جو ہم نے کی لیکن ہمارا دعویٰ اُس سے زیادہ وسیع ہے جو موضوع سے مفہوم ہوتا ہے، یعنی جس طرح ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ مذہب اسلام نے ذمیون کے حقوق نہایت فیاضی سے قائم کئے اسی طرح ہمارا یہ بھی دعویٰ ہے کہ یہ صرف تحریری قانون نہ تھا بلکہ تیرہ سو برس کی وسیع مدت مین من حیث الاغلب طریق عمل بھی اسی کے مطابق رہا،

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ مین یعنی آغاز نبوتؐ سے فتح مکہ تک جو ۸ھ مین واقع ہوئی، لڑائیون کا ایک ایسا متصل سلسلہ قائم رہا جسکی وجہ سے یہ موقع ہی نہین نصیب ہوا کہ اسلام کو حکومت اور سلطنت کی حیثیت حاصل ہوتی اور رعایا کے ساتھ سلطنت کو جو تعلقات ہونے چاہئین، اُس کے متعلق قانون اور قاعدے منضبط ہوتے، قرآن مجید اور احادیث نبویؐ سے اس باب مین جن احکام کا پتہ لگتا ہی، وہ خاص مسلمانون سے متعلق ہین یعنی غیر مذہب والون سے ان کو واسطہ نہین، اس وقت تک غیر مذہب والون سے جو تعلقات پیدا ہوئے تھے، وہ اسی قدر تھے کہ کسی قوم سے کچھ معاہدہ ہو گیا، کسی سے چند شرائط کے ساتھ صلح ہو گئی، مختصر یہ کہ اس وقت تک غیر مذہب والے اسلام کی رعایا نہین کہلاتے تھے، خیبر کی آبادی فتح ہو کر بھی صرف اسی قدر رہوا کہ یہودیون سے بٹائی پر معاملہ ہو گیا،

اور زمین اُن کے قبضہ مین چھوڑ دی گئی، فتح مکہ کے بعد یمن، بحرین، عمان، عدن، وغیرہ فتح ہوئے[1]
ان اضلاع مین کثرت سے دوسری قومین یعنی یہود، عیسائی، پارسی آباد تھے، چونکہ اس وقت
امن وامان قائم ہوچکا تھا، اور اسلام کو پوری قوت حاصل ہوچکی تھی، اسلام نے صاف
صاف اُن کو رعایا کے لقب سے پکارا اور خود اُن کو بھی اس لقب سے عار نہین رہا، لیکن
ان کے متعلق کسی قسم کے مجموعۂ احکام نافذ ہونے کے بجائے اس سے زیادہ کچھ نہین ہوا کہ ان
پر جزیہ مقرر کیا گیا، اور اُس کے معاوضے مین اُنکو چند حقوق دیئے گئے، سب سے پہلے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین تقریباً ۹ھ مین نجران کے عیسائیون پر جزیہ مقرر ہوا، اُن کے
بعد ایلہ، اذرح، اذرعات وغیرہ وغیرہ پر بھی جزیہ لگایا گیا، یہ ظاہر ہے کہ اس وقت تمدن
سلطنت کا آغاز تھا، اور اس وجہ سے تاریخون مین مسلمان یا ذمی رعایا کے حقوق کی تفصیل
نہین مل سکتی، تاہم اس معاملہ کے متعلق جس قدر سرمایہ مل سکے اُس کو نہایت تلاش سے
مہیا کرنا چاہیے، کیونکہ گو وہ مختصر اور سادہ ہون، لیکن اُن سے حقوق الذمیین کے قانون کے
اصول معلوم ہوتے ہین، اور اس کا فیصلہ ہوسکتا ہے کہ زمانۂ مابعد مین ذمیون کے متعلق جو مفصل
قانون بنا، اُس کا مایۂ خمیر کیا تھا؟

بانی اسلام یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن قومون پر جزیہ لگایا اُن کو
تحریر کے ذریعہ سے مفصلۂ ذیل حقوق دیئے،

(۱) کوئی دشمن اُن پر حملہ کریگا تو اُن کی طرف سے مدافعت کیجائے گی، رسول اللہ صلعم
کے خاص الفاظ یہ ہین، یمنعوا[2]

(۲) اُن کو اُن کے مذہب سے برگشتہ نہین کیا جائیگا، خاص الفاظ یہ ہین الا یفتنوا

[1] فتوح البلدان صفحہ ۷۰، [2] ایضاً صفحہ ۵۹،

عن دینہم،

(۳) جزیہ جو اُن سے لیا جائیگا، اُس کے لئے محصّل کے پاس خود جانا نہین پڑیگا،

(۴) اُن کی جان محفوظ رہیگی،

(۵) اُن کا مال محفوظ رہیگا،

(۶) اُن کے قافلے اور کاروان (یعنی تجارت) محفوظ رہین گے،

(۷) اُنکی زمین محفوظ رہیگی،

(۸) تمام چیزین جو اُن کے قبضے مین تھین بحال رہینگی،

(۹) پادری رہبان، گرجون کے پجاری اپنے عہدون سے برطرف نہین کئے جائینگے،

(۱۰) صلیبون اور مورتون کو نقصان نہین پہونچایا جائیگا،

(۱۱) اُن سے عشر نہین لیا جائیگا،

(۱۲) اُن کے ملک مین فوج نہ بھیجی جائیگی،

(۱۳) پہلے سے ان کا جو کچھ مذہب اور عقیدہ تھا وہ بدلوایا نہین جائیگا،

(۱۴) اُن کا کوئی حق جو ان کو پہلے سے حاصل تھا زائل نہین ہوگا،

(۱۵) جو لوگ اس وقت حاضر نہین ہین یہ احکام اُن کو بھی شامل ہونگے،

پہلی اور دوسری دفعہ کے سوا باقی تمام حقوق جس معاہدے سے قائم ہوتے ہین وہ ذیل مین بعینہ منقول ہین،

ولنجران وحاشیتها جوار الله وذمة محمد النبی رسول الله[۲] علی انفسهم وملتهم وارضهم واموالهم وغائبهم وشاهدهم وعیرهم وبعثهم وامثلتهم لا یغیر ما

---

[۲] فتوح البلدان صفحہ ۶۴،

كانوا عليه ولا[10] بغير حق من حقوقهم وأمثالهم ولا[11] يفتن أسقف من أسقفيته ولا راهب من رهبانيته ولا واقه من وفاهيته على[12] ما تحت أيديهم من قليل أو كثير وليس[13] عليهم رهق ولا[14] دم جاهلية ولا[15] يحشرون ولا[16] يعشرون ولا[17] يطأ أرضهم جيش الخ[1]

ذمیون کے متعلق اسلام کا جو اصلی قانون ہے، وہ اس سے زیادہ نہین کیونکہ اسلام صرف اُن مسائل اور احکام کا نام ہے جو قرآن مجید یا احادیث صحیحہ سے ثابت ہون، اس کے سوا جو کچھ ہے، گو اس نے قوم مین اور ملک مین کوئی اعتبار حاصل کر لیا ہو، لیکن وہ اسلام کا اصلی قانون نہین ہے،

ذمیون کے حقوق کے متعلق اگرچہ یہ مختصر قواعد ہین اور اسلام کو ابتدائی زمانے مین غیر قومون کے ساتھ جسقدر کم تعلق پیدا ہوا تھا، اُس کے لحاظ سے اس سے زیادہ ضرورت بھی نہ تھی، تاہم انھین قواعد مین نہایت مہتم بالشان امور کا ماخذ موجود ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ذمیون کے حقوق کے متعلق گو کتنا ہی مفصل مجموعۂ قوانین بنایا جاوے، لیکن اُسکی جزئیات ان اصول سے باہر نہین جا سکتین،

اب ہم نہایت تفصیل کے ساتھ بتانا چاہتے ہین کہ زمانۂ مابعد مین جب کہ غیر قومون سے نہایت وسیع اور قوی تعلقات قائم ہو گئے ذمیون کے ساتھ اسلامی حکومتون کا طرزِ عمل کیا رہا، سب سے زیادہ جس زمانے کے واقعات اس بحث کے تصفیہ کے لئے کام آ سکتے ہین، وہ خلافت فاروقی کے واقعات ہین، اُن کی خلافت کا زمانہ ایک ممتد زمانہ ہے، اول اول انھین کے وقت مین غیر قومون کے ساتھ سلطنت و رعیت کے تعلقات قائم ہوئے، ان کی نسبت مخالفون نے کہا ہی کہ وہ غیر مذہب والون کے ساتھ سختی سے

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۶۵، قاضی ابو یوسف نے بھی اس معاہدہ کو کتاب الخراج مین نقل کیا ہی،

برتاؤ کرتے تھے، اُن کے عہد مین رعایا کے جس قدر حقوق قائم ہو سکتے ہین، ہو چکے تھے، اور ہر ایک حق کی نسبت صاف صاف فیصلہ کر دیا گیا تھا، اور سب سے بڑھکر یہ کہ اُن کی حکومت اسلامی حکومت کی اصلی تصویر خیال کیجاتی ہی،

حقوق مین سب سے مقدم قصاص کا حق ہے یعنی یہ کہ قتل وخون کے معاملے مین فاتح اور مفتوح کے حقوق برابر سمجھے جائین، آج جن ملکون مین تمدن اور تہذیب کی حکومت ہے، اُن کا یہ دعویٰ ہے کہ انھون نے اس مساوات کو قائم رکھا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ الفاظ کے ذریعہ سے یا عمل کے ذریعہ سے؟ مین اس کا فیصلہ اُن لوگون پر چھوڑتا ہون جو رات دن اپنی آنکھون سے اس کی مثالین دیکھتے رہتے ہین، اس کے مقابلہ مین دیکھو اسلام نے کیا کیا،

قبیلۂ بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا تھا حضرت عمرؓ کو اسکی اطلاع دی گئی، انھون نے لکھ بھیجا کہ "قاتل مقتول کے وارثون کو حوالہ کر دیا جائے" چنانچہ قاتل حنین نام ایک شخص کو جو مقتول کے وارثون مین تھا سپرد کر دیا گیا، اور اُس نے اُسکو قتل کر دیا[1]، جہان تک ہمکو معلوم ہے، حضرت عمرؓ کے اس طریق عمل سے کسی زمانہ مین اختلاف نہین کیا گیا، بلکہ حضرت علی علیہ السلام نے صاف صاف لفظون مین فرمایا کہ من کان لہ ذمتنا فدمہ کدمنا ودیتہ کدیتنا، یعنی "جو لوگ ذمی ہو چکے اُن کا خون ہمارا خون ہے، اور اُن کا خون بہا ہمارا خون بہا ہے" حضرت علی علیہ السلام کو یہ موقع خود بھی پیش آیا، اور انھون نے صاف حکم دیدیا کہ قاتل جو مسلمان تھا قتل کر دیا جائے، اس سے بڑھ کر یہ کہ جب مقتول کے وارثون نے آکر عرض کیا کہ ہم نے خون معاف

[1] زیلعی تخریج ہدایہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۳۳۸ و ۳۳۹،

کردیا، توآپ نے فرمایا کہ تم پر کچھ دباؤ تو نہین ڈالا گیا،[1]

عمر بن عبدالعزیز جنکو دوسرا عمرؓ کہا جاتا ہی، اُن کے عہد مین بھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا، اور انھون نے بھی یہی حکم دیا کہ قاتل مقتول کے وارثون کے حوالہ کردیا جائے، چنانچہ وارثون نے اُسکو بے تکلف قتل کر دیا،[2]

حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین ولید بن عقبہ جو صحابی تھے کوفہ کے گورنر تھے، ایک دفعہ ایک یہودی نے ان کے سامنے شبدہ بازی کے تماشے دکھائے، اس وقت اور بہت سے تماشائی موجود تھے، ان مین جندب بن کعب ازدی بھی تھے، جو بڑے مشہور تابعی ہین، اور صحیح ترمذی مین اُن کی روایتین منقول ہین، وہ ان شبدون کو شیطان کا اثر سمجھے اور یہودی کو قتل کر دیا، ولید نے اُسی وقت اُنکو گرفتار کر لیا، اور یہودی کے قصاص مین قتل کر دینا چاہا، لیکن چونکہ وہ بڑے جتھے کے آدمی تھے، ان کے قبیلہ والے ان کی حمایت کو کھڑے ہو گئے، ولید نے اس وقت دفع الوقتی کے لئے ان کو قید خانہ بھیجدیا اور ارادہ کیا کہ موقع پا کر قتل کر دین گے، داروغۂ جیل کو ان پر رحم آیا اور کہا کہ تم چپکے سے بھاگ جاؤ، انھون نے کہا کیون؟ کیا درحقیقت مین قتل کر دیا جاؤنگا؟ داروغۂ جیل نے کہا خدا کی خوشنودی کے لئے تمھارا قتل کر دینا کچھ بڑی بات نہین، غرض وہ بھاگ گئے، صبح کو ولید نے جندب کو قصاص کیلئے طلب کیا، داروغہ نے کہا کہ وہ تو چھپ کر بھاگ گیا، ولید نے اسکے بدلے داروغہ کی گردن ماردی،[3] ہم کو اس امر سے بحث نہین کہ داروغۂ جیل کا قتل کردینا جائز تھا یا نہین، بلکہ یہ دکھانا منظور ہی کہ باوجودیکہ جندب بڑے رتبہ کے آدمی

---

[1] زیلعی صفحہ ۸۰، [2] ایضاً صفحۂ مذکورہ بالا، [3] مسعودی ذکر خلافت عثمانؓ کتاب الاوایل مین اس واقعہ کو کسی قدر اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہی،

تھے، اور یہودی ایک معمولی بازیگر تھا، تاہم ولید کو ایک حکم شرعی کی تعمیل کے لحاظ سے جندبؓ کے قتل کر دینے مین کچھ تامّل نہ ہوا،

اسی سلسلہ مین حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کا واقعہ بھی سننے کے قابل ہے، حضرت عمرؓ کے قاتل کا نام **فیروز** تھا، جو مجوسی النسل تھا، اور عیسائی مذہب رکھتا تھا، حضرت عمرؓ کے بڑے بیٹے عبید اللہ سے لوگون نے بیان کیا کہ اور لوگ بھی اس سازش مین شریک تھے، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے عبد الرحمنؓ نے چشم دید واقعہ بیان کیا، عبید اللہؓ تلوار ہاتھ مین لیکر نکلے، اور فیروز کے بیٹے اور حفینۃ و ہرمزان کو جن پر سازش کا شبہہ تھا قتل کر دیا، ان مین سے ہرمزان مسلمان ہو گیا تھا، باقی عیسائی تھے، عبید اللہؓ اسی وقت گرفتار کر لئے گئے، اور حضرت عثمانؓ جب مسندِ خلافت پر بیٹھے تو پہلا مسئلہ یہی پیش کیا گیا کہ عبید اللہؓ کی نسبت کیا کرنا چاہیے، حضرت **عثمانؓ** نے صحابہ کو بلا کر رائے طلب کی، تمام مہاجرین یعنی اُن بزرگون نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وطن چھوڑ کر چلے آئے تھے، اور تمام صحابہ کی بہ نسبت افضل سمجھے جاتے تھے، یک زبان ہو کر کہا کہ عبید اللہؓ کو قتل کر دینا چاہیئے، حضرت علی علیہ السلام بھی اس مجمع مین موجود تھے، اور انھون نے بھی یہی رائے دی، اگرچہ حضرت عثمانؓ بعض مصلحتون کی وجہ سے اس فیصلہ کی تعمیل نہ کر سکے اور (جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے) حضرت عثمانؓ کی خلافت کی یہ پہلی کمزوری تھی، تاہم انھون نے تینون مقتولون کے بدلے بیت المال سے خون بہا دلایا، شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ لوگون نے عبید اللہ کا قتل کیا جانا جو تجویز کیا تھا، وہ ہرمزان کے قصاص مین تھا، اور ہرمزان مسلمان ہو چکا تھا، لیکن یہ قیاس صحیح نہین، اولاً تو روایتون مین اس قسم کی تخصیص کا

لہ مسعودی ذکر خلافت عثمانؓ کتاب الاوائل مین بھی اس واقعہ کو کسی قدر اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے،

کوئی اشارہ نہین پایا جاتا، اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے تینون کا جو خون بہادلایا اسمین کسی قسم کی تفریق نہین کی،

ہم کو جہان تک معلوم ہے اسلام کی تمام تاریخ مین اس کے خلاف کوئی مثال نہین ہے بعض مسلمان مورخون نے لکھا ہے، کہ ہارون الرشید کے زمانہ مین ایک مسلمان نے کسی ذمی کو مار ڈالا، قصاص مین مسلمان ماخوذ ہوا، لیکن کسی خاص وجہ سے ہارون الرشید کو اس کی رعایت منظور تھی، اور اس لئے اس نے چاہا کہ وہ قتل سے بچ جائے، چنانچہ قاضی ابو یوسفؒ صاحب کو بلا کر اس کی تدبیر پوچھی، قاضی صاحب نے فرمایا کہ "شہادت سے یہ ثابت نہین کہ وہ مارے جانے کے وقت بھی قانوناً ذمی تھا" اگرچہ ہمارے نزدیک یہ واقعہ ثابت نہین تاہم اگر اس کو مان لیا جائے تب بھی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ذمی کے قصاص مین مسلمان کو قتل سے بچانا ایک ایسا عظیم واقعہ تھا جس کے حیلہ پیدا کرنے کے لئے قاضی ابو یوسفؒ جیسے شخص کی ضرورت پڑی، اور وہ بھی اس کے سوا کچھ حیلہ نہ بتا سکے کہ اسکا ذمی ہونا مشتبہ ٹھہرائین،

مال اور جائداد کے حقوق جنکو انگریزی مین "رائٹ آف پراپرٹی" اور "رائٹ آف لینڈ" سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان مین بھی مسلمان اور ذمی برابر درجہ رکھتے تھے، ذمیون کے قبضہ مین جس قدر زمینین تھین اسلام کے بعد عموماً بجال رکھی گئین، یہان تک کہ اگر خلیفۂ وقت یا بادشاہ کو مسجد یا کسی اور عمارت کی غرض سے زمین لینے کی ضرورت ہوتی تھی تو معاوضہ دیکر لیجاتی تھی،

حضرت عمرؓ کے زمانہ مین ایک شخص نے دجلہ کے کنارے گھوڑون کے پالنے کے لئے ایک رمنہ بنانا چاہا، آپ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو بصرہ کے گورنر تھے،

لکھ بھیجا کہ اگر وہ زمین ذمیون کی نہ ہو، اور اسمین ذمیون کی نہرون اور کنوون کا پانی نہ آتا ہو تو سائل کو زمین دیدیجائے[1]، خلیفہ منصور عباسی نے جب بغداد کو دار الخلافہ بنانا چاہا تو آس پاس کی قومین جو وہان کی زمیندار تھین اُن سے قیمت دیکر زمین مول لی[2]
حیرہ مین قدیم زمانہ کے محل اور ایوان تھے جو اسلام کے زمانہ مین ویران ہوچکے تھے حضرت عمرؓ کے عہد مین کوفہ مین جو جامع مسجد بنی اسمین کچھ ملبہ وہان کے مکانات سے آیا تھا اگرچہ ان کا کوئی قانونی وارث نہ تھا تاہم چونکہ ذمیون کی زمین مین تھا، اس لئے ذمیون کو ان کی قیمت ان کے جزیہ مین مجرا دی گئی[3]، اس کے سوا سیکڑون واقعات ہین، جن سے صاف ثابت ہوتا ہی، کہ ذمیون کے مال اور جائداد سے کبھی تعرض نہین کیا گیا،

آغاز اسلام ہی مین یہ مسئلہ بڑے معرکہ کے ساتھ طے ہو گیا تھا، کہ غیر مذہب والے جو اسلام کی رعایا بنگئے ہین، اُنکی مقبوضہ زمینین اُن کے قبضہ سے نکالی نہین جاسکتین،
حضرت عمرؓ کے عہد مین جب عراق فتح ہوا تو عبد الرحمٰن بن عوفؓ، اور حضرت بلالؓ نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ جس قدر مفتوحہ زمین ہے اہلِ فوج کو تقسیم کردیجائے حضرت عمرؓ نے انکار کیا، اور دیر تک بحث رہی، آخر یہ ٹھہرا کہ تمام مہاجرین اور انصار سے مشورہ کیا جائے، چنانچہ ایک بڑا مجمع ہوا اور انصار مین سے دس شخص جو اپنے اپنے قبیلے کے وکیل اور قائم مقام تھے مجمع مین حاضر ہوئے، تمام بڑے بڑے مہاجرین صحابہ یعنی حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، طلحہؓ، عبد اللہ بن عمرؓ وغیرہ بھی موجود تھے، حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر نہایت توضیح سے اس مسئلہ کو بیان کیا، بلالؓ اور عبد الرحمٰن بن عوفؓ اب بھی مخالف رہے، لیکن عام رائے یہ ہوئی کہ ذمی اپنی زمینون سے بیدخل نہین کئے جاسکتے

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۵۱، [2] ایضاً صفحہ ۲۹۵، [3] ایضاً صفحہ ۲۸۶،

حضرت بلالؓ اس پر بھی قائل نہین ہوتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے جب قرآن مجید کی ایک آیت استدلال مین پیش کی تو اُن کو مجبور ہونا پڑا اور بلا اختلاف تمام صحابہؓ کے اتفاق سے یہ مسئلہ طے ہوگیا[1]،

اسی بناپر فقہ کا یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ اگر بادشاہ یا امام وقت کسی زمانہ مین زمین کو ذمیون کے قبضہ سے نکالنا چاہے، تو نہین نکال سکتا، قاضی ابویوسف کتاب الخراج مین لکھتے ہین،

وَلَیْسَ لَہٗ اَنْ یَّاْخُذَ مَا بَعْدَ ذَالِکَ مِنْھُمْ وَھِیَ مِلْکٌ لَھُمْ یَتَوَارَثُوْنَھَا وَیَتَبَایَعُوْنَھَا

یعنی امام وقت کو یہ اختیار نہین کہ اس کے بعد ان سے زمین کو چھین لے، وہ زمین انکی ملک ہے، ان مین نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہیگی، اور وہ اس کو خرید و فروخت کر سکتے ہین،

حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت مین جاگیرات کا ایک صیغہ قائم کیا تھا، یعنی حقوق اسلامی کے لحاظ سے جسکو مناسب سمجھتے تھے اُس کو جاگیر عطا کرتے تھے، لیکن چونکہ آراضیات بالکل ذمیون کی مملوکہ تھین، اور حضرت عمرؓ کو ان مین کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہ تھا، اس لئے اس غرض کے لئے خاص وہ زمینین مخصوص کی تھین جو کسی کی ملک نہ تھین، چنانچہ اس قسم کی زمینین حسب ذیل تھین، جاگیرات خالصہ جو نوشیروان نے خاندانِ شاہی کے لئے مخصوص کی تھین، لاوارث اشخاص کی زمین، دریا بر آمد، ڈاک خانہ کے متعلق زمین،

اس کے ساتھ یہ اصول بھی قرار پایا کہ جو ملک بزور فتح کیا جائے، وہان کے باشندون کی جائداد فروخت کرنے پر بھی مسلمانون کے ہاتھ منتقل نہین ہو سکتی، یہ قاعدہ اگرچہ

[1] یہ پوری تفصیل کتاب الخراج صفحہ ۱۴، ۱۵ مین ہے،

اس لحاظ سے مقرر ہوا تھا کہ مسلمان کے قبضہ مین آجانے سے زمین دہ یکی ہو جاتی ہو اور خراج کو نقصان پہونچتا ہے، تاہم اس قاعدے نے ذمیون کو بہت بڑا فائدہ یہ پہونچایا کہ زمین کسی حالت مین ان کے خاندان اور ان کی قوم کے قبضہ سے باہر نہین جا سکتی تھی، چنانچہ اس کے خلاف اگر کبھی عمل ہوا تو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھا گیا، امام لیث بن سعد نے مصر مین تھوڑی سی زمین مول لی تھی، اس پر وہان کے بڑے بڑے علماء مثلاً ابن لہیعہ اور نافع بن یزید سخت معترض ہوئے[1]، عقبہ بن عامر ایک بڑے بزرگ صحابی تھے، اور امیر معاویہ نے اُن کو مصر کا گورنر مقرر کیا تھا، وہ مصر کے ایک گاؤن مین اپنی سکونت کے لئے مکان بنوانا چاہتے تھے، چنانچہ امیر معاویہؓ نے اس غرض سے انکو ایک ہزار جریب زمین عطا کی، اُنھون نے خراب اور افتادہ زمین جو کسی کے قبضہ مین نہ تھی انتخاب کی، اور جب ان کے نوکر نے کہا کہ کوئی عمدہ قطعہ لیجئے، تو انھون نے کہا یہ نہین ہو سکتا، کیونکہ معاہدہ مین جو شرطین ہین ان مین ایک یہ بھی ہے کہ ذمیون کی زمین ان کے قبضہ سے نکالی نہین جائیگی[2]، ان سب سے بڑھکر یہ کہ اکثر ممالک مین جو خراج ذمیون پر مقرر کیا گیا، اُس کے ساتھ یہ شرط بھی لکھدی گئی کہ آیندہ کبھی اس پر اضافہ نہ کیا جائے گا، خود مصر کے معاہدہ مین یہ شرط داخل تھی، چنانچہ امیر معاویہؓ نے جب مصر کے عامل وردان کو لکھا کہ خراج کی مقدار مین اضافہ کیا جائے تو اس نے صاف انکار کیا اور جواب مین لکھا کہ معاہدہ مین شرط ہو چکی ہو کہ خراج مقررہ پر اضافہ نہ ہوگا۔ اگرچہ اسمین شبہہ نہین ہو سکتا کہ زمانۂ مابعد مین خراج کی مقدار بدلتی رہی، لیکن اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہین کہ اصل جمع پر اضافہ ہوا، بہت سی زمینین نئی آباد ہو گئی تھین اور

[1] مقریزی صفحہ ۲۹۵، [2] ایضاً صفحہ ۳۰۰،

ان پر اضافہ ہونا خود مقتضائے انصاف تھا،

سب سے مقدم اور ضروری بحث مذہبی حقوق کی ہے، یورپ مین جس گروہ نے اسلام کو نکتہ چینیون کا ہدف بنا رکھا ہی، اُن کی حوصلہ آزمائی کا بڑا جولانگاہ یہی ہے، اُن کا دعویٰ ہے کہ اسلام مین مذہبی آزادی بالکل نہین ہے، اور قدیم اسلامی حکومتون نے غیر قومون کے مذہبی حقوق بالکل پامال کر دیئے تھے، لیکن ہم دکھانا چاہتے ہین کہ اسلام نے تمام دنیا کی قومون کو جس حد تک مذہبی آزادی دی کبھی کسی قوم نے نہین دی، نہ اب دینے کا دعویٰ کر سکتی ہے، یورپ دو سو برس پہلے تو مذہبی آزادی کا نام بھی نہین لے سکتا تھا، آج بے شبہہ اُسکو یہ دعویٰ ہے، مگر کیون ہے؟ اس لئے کہ اُس کو خود مذہب کی پروا نہین رہی، بے شبہہ یورپ گرجا اور مسجد کے جھگڑے مین انصاف کا پلہ برابر رکھتا ہی لیکن اگر ایک سڑک اور مسجد کا معاملہ پیش آجائے تو مسجد بے تکلف برباد کر دیجاتی ہی، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ جس فیاضی پر نازہے، وہ مذہبی آزادی کا نہین بلکہ مذہبی بے پروائی کا اثر ہے،

مذہبی آزادی کے متعلق اسلام کا جو اصول ہے، اُن الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجرانیون کے معاہدون مین تحریر فرمائے تھے، اور جس کو ہم اس مضمون کے پہلے حصہ مین نقل کر چکے ہین، یعنی یہ کہ پادری وغیرہ اپنے منصب پر بحال رہین گے، اور مذہب سے کچھ تعرض نہ کیا جائیگا، یہ خاص رسول اللہ صلعم کے احکام ہین، اور اس لئے دوسرے لفظون مین کہا جا سکتا ہے کہ یہ خاص اسلام کے احکام ہین، اس سے یہ بھی قیاس ہو سکتا ہی کہ خلفائے راشدین جو رسول اللہ صلعم کے افعال و اقوال کے یادگار تھے، اس باب مین اُن کا طرز عمل کیا رہا ہوگا؟ لیکن ہم صرف قیاس پر قناعت نہین کرتے، تاریخ کی مستند کتابون، مثلاً بلاذری، طبری، ازدی، وغیرہ مین سیکڑون

معاہدے اصلی الفاظ مین مذکور ہین، جنکا قدر مشترک یہ ہے کہ کسی کے مذہب سے تعرض نہ کیا جائیگا، چنانچہ مزید اطمینان کے لئے ہم بعض معاہدون کو اس مقام پر نقل کرتے ہین، خالد نے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین جب حیرہ پر فتح حاصل کی تو یہ معاہدہ لکھدیا،

لا یھدم لھم بیعۃ ولا کنیسۃ ولا یمنعون من ضرب النواقیس ولا من اخراج الصلبان فی یوم عیدھم[1]	یعنی انکے گرجے برباد نہ کئے جائین گے نہ انکو سنکھ بجانے سے منع کیا جائیگا، نہ عید کے دن صلیب کے نکالنے سے روکا جائیگا'

عانات پر جب خالدؓ کا گذر ہوا تو وہان کا پادری ان کے پاس حاضر ہوا، اور انھون نے ان شرائط پر اس سے صلح کرلی،

لا یھدم لھم بیعۃ ولا کنیسۃ وعلی ان یضربوا النواقیسھم فی ای ساعۃ شاؤا من لیل او نھار الا فی اوقات الصلوٰۃ وعلی ان یخرجوا الصلبان فی ایام عیدھم[2]،	یعنی اُن کے گرجے برباد نہ کئے جائین گے، وہ نماز کے وقتون کے سوا، رات دن مین جس وقت چاہین ناقوس بجائین، اور تمام تیوہارون مین صلیب نکالین،

قاضی ابویوسف صاحب نے کتاب الخراج مین ان احکام کو نقل کرکے لکھا ہے کہ "خالدؓ کے ان معاہدون پر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کسی نے کبھی اعتراض نہین کیا" اس لحاظ سے اگر فقہی اصطلاح کے موافق کہا جائے تو کہہ سکتے ہین کہ اس مسئلہ پر صحابہؓ کا اجماع ہوگیا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ زمانہ مابعد مین جب کبھی کسی متعصب فرمان روا نے اس کے خلاف کرنا چاہا، تو مذہبی پیشواؤن نے

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۴، [2] ایضاً صفحہ ۸۶،

فوراً مخالفت کی، اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے یہ جرات نہ کرسکے تو اس کے مرنے کے بعد اسکی تلافی کردی گئی، ہارون الرشید، جب نائس فورس قیصر روم کی بار بار بغاوت سے نہایت برہم ہوا تو عیسائیون کی طرف سے اُس کے خیالات بہت کچھ بدل گئے تھے، غالبًا اسی کا اثر تھا کہ اس نے قاضی ابو یوسف صاحب سے جو مذہبی صیغہ کے افسر کل تھے پوچھا کہ عیسائیون کے گرجے اسلام مین کیون محفوظ رہے، اور آج ان کو کیون یہ اجازت حاصل ہے، کہ وہ علانیہ صلیب نکالتے ہین، ؟ اس کا جواب جو قاضی صاحب نے لکھا اسکے خاص الفاظ یہ ہین، :-

انما کان الصلح جری بین المسلمین و اهل الذمة فی اداء الجزیة و فتحت المدن علی ان لا تهدم بیعهم و لا کنائسهم داخل المدینة و لا خارجها و علی ان یقاتلوا من ناواهم عن عدوهم و علی ان یخرجوا الصلبان فی اعیادهم فافتتحت الشام کلها و الحیرة الا اقلها علی هذا، فلذالك ترکت البیع و الکنائس و لم تهدم[1]،

یعنی مسلمانون اور ذمیون سے جزیہ کی بنا پر جو صلح ہوئی تھی، اس شرط پر ہوئی تھی کہ ان کی خانقاہین، اور گرجے شہر کے اندر ہون یا باہر، برباد نہ کئے جائین گے اور یہ کہ انکا کوئی دشمن ان پر چڑھ آئے تو ان کی طرف سے مقابلہ کیا جائیگا، اور یہ کہ وہ تیوہارون مین صلیب نکالنے کے مجاز ہین، چنانچہ تمام شام اور حیرۃ (باستثنا بعض مواضع کے) انھین شرائط پر فتح ہوا، اور یہی وجہ ہے کہ خانقاہین اور گرجے اسی طرح چھوڑ دیئے گئے، اور برباد نہین کئے گئے"

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۰،

خلیفہ ہادی کے زمانہ مین ۱۶۹ھ مین جب علی بن سلیمان مصر کا گورنر مقرر ہوا، تو حضرت مریم کے گرجا اور چند گرجون کو منہدم کرا دیا، ہادی نے ایک سال کی خلافت کے بعد وفات پائی اور ہارون الرشید تخت نشین ہوا، اس نے علی کو معزول کرکے ۱۷۱ھ مین موسیٰ بن عیسیٰ کو مصر کا گورنر مقرر کیا، موسیٰ نے گرجون کے معاملہ مین علماے استفتاء کیا، اس وقت مصر کے تمام علماء کے پیشوا الیث بن سعد تھے، جو بہت بڑے محدث اور نہایت مقدس اور بزرگ تھے، انھون نے علانیہ فتویٰ دیا کہ منہدم شدہ گرجے نئے سرے سے تعمیر کرا دیئے جائین، اور دلیل یہ پیش کی کہ مصر مین جسقدر گرجے ہین خود صحابہ اور تابعین کے زمانہ مین تعمیر ہوئے تھے، چنانچہ تمام گرجے سرکاری خزانہ سے تعمیر کرا دیئے گئے[۱]، علامہ مقریزی نے تاریخ مصر مین اس واقعہ کو ان الفاظ مین لکھا ہی،

فبنیت کلھا بمشورۃ اللیث بن سعد وعبد اللہ بن لھیعۃ وقالا ھو من عمارۃ البلاد واحتجا بان الکنایس التی بمصر لم تبن الا فی الاسلام فی زمن الصحابۃ والتابعین[۲]،

اسی طرح دمشق کا ایک گرجا ایک رئیس کی بیجا فیاضی سے خاندان بنی نصر کے قبضہ مین آگیا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے عہدِ خلافت مین اسکو بنی نصر سے چھین کر عیسائیون کے حوالہ کر دیا، اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالین ملتی ہین، لیکن اس موقع پر ہم ایک ایسا واقعہ نقل کرتے ہین، جو صرف ایک جزئی واقعہ کی حیثیت نہین رکھتا، بلکہ اس سے جانشینانِ اسلام کے عام طرزِ عمل کا اندازہ ہو سکتا ہی،

دمشق کی جامع مسجد ایک گرجا کے متصل تھی، جس کا نام یوحنا کا گرجا تھا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

---

[۱] النجوم الزاہرہ واقعات ۱۷۱ھ، [۲] مقریزی جلد دوم صفحہ ۵۱۱،

نے اپنے عہدِ خلافت مین ضرورت کی وجہ سے چاہا کہ گرجا کو مسجد مین شامل کرلین لیکن عیسائیون نے انکار کیا، امیر معاویہ رضؓ مجبور رہے، عبد الملک بن مروان نے اپنے زمانہ مین عیسائیون سے درخواست کی اور معاوضہ پیش کیا، عیسائی پھر راضی نہ ہوئے، اور عبدالملک کو باز رہنا پڑا، ولید نے اپنے زمانِ خلافت مین عیسائیون کے آگے ایک بہت بڑی رقم پیش کی، وہ اسی طرح انکار کرتے رہے، ولید نے غصہ مین آکر کہا، کہ تم خوشی سے نہین دیتے تو مین جبراً لونگا، عیسائیون نے کہا کہ جو شخص کسی گرجا کو نقصان پہونچاتا ہے، وہ پاگل یا کوڑھی ہوجاتا ہی، ولید کو اس پر زیادہ غصہ آیا خود اپنے ہاتھ مین کدال لیکر گرجا کی دیوار ڈھانی شروع کی، اور بالآخر گرجا مسجد مین شامل کرلیا گیا، حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانہ مین عیسائیون نے اس تعدی کی شکایت کی، حضرت عمر بن عبد العزیز نے دمشق کے عامل کو لکھ بھیجا کہ گرجا کا جو حصہ مسجد مین ملایا گیا ہے، وہ عیسائیون کو واپس کر دیا جائے، اس پر مسلمانون کو نہایت رنج ہوا، کہ ہم جس مسجد مین نماز پڑھ چکے اور اذانین دیچکے، اس کو کیونکر ڈھائین، آخر عیسائیون کے پاس جاکر خوشامد کی، اور کہا کہ "آغازِ فتح مین غوطہ دمشق کے جس قدر گرجے مسلمانون کے قبضہ مین رہ گئے تھے، اور اب تک ہین، وہ سب واپس کر دیئے جائین گے، اگر تم اس مسجد کے ڈھادینے سے باز آؤ" عیسائی اس پر راضی ہوئے، اور عمر بن عبد العزیز کو اسکی اطلاع دیگئی، انھون نے عیسائیون کی خواہش کے موافق مسجد کا منہدم کرنا روک دیا، اور ان کو غوطہ دمشق کے تمام گرجے دلا دیئے[1]،

اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ غیر مذہب والون کی کسی عبادتگاہ پر تصرف کرنا کس قدر پرخطر کام سمجھا جاتا تھا، اور مقدس خلفاء کہان تک گرجاؤن وغیرہ کا

[1] یہ پوری تفصیل فتوح البلدان صفحہ ۱۲۵ مین مذکور ہی،

لحاظ رکھتے تھے،

یورپین مصنفون کی طرف سے بڑا اعتراض یہ پیش کیا جاتا ہی کہ "مسلمانون کے عہد مین نئے گرجاؤن یا بتخانون کے بننے کی اجازت نہ تھی، لیکن یہ انکی سرسری معلومات کا نتیجہ ہی، یہ بحث خود صحابہؓ کے زمانہ مین پیش آچکی تھی، اور اس کا فیصلہ کر دیا گیا تھا، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تھا، تو انھون نے جواب دیا کہ جو شہر مسلمانون کے خاص آباد کردہ ہین، وہان غیر مذہب والون کو یہ حق حاصل نہین کہ گرجا اور بتخانہ بنائین، یا ناقوس بجائین، باقی جو قدیم شہر ہین وہان ذمیون سے جو معاہدہ ہے مسلمانون کو اسکا پورا کرنا ضرور ہوگا[1]، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا یہ فتوی بھی اس لحاظ سے تھا کہ اس وقت تک مسلمان، اور دوسری قومین اچھی طرح سلے جلے نہین تھے، لیکن جب یہ حالت نہین رہی تو وہ فیصلہ بھی نہین رہا، چنانچہ خاص اسلامی شہرون مین اس کثرت سے گرجا، بتخانے، آتشکدے بنے کہ انکا شمار نہین ہو سکتا، بغداد خاص مسلمانون کا آباد کیا ہوا شہر ہی، وہان کے گرجون کے نام معجم البلدان مین کثرت سے ملتے ہین، قاہرہ مین جو گرجے بنے وہ مسلمانون ہی کے عہد مین بنے، یوٹکیس نے جو ۳۲۳ھ مین اسکندریہ کا لارڈ بشپ تھا، اپنی کتاب مین جو عربی زبان مین ہے، اور جس کو پروفیسر پوکاک نے لاٹین ترجمہ کے ساتھ چھاپا ہی، اس قسم کے بہت سے گرجون کا نام اور ان کے حالات لکھے ہین،

خالد بن عبد اللہ قسری نے جو ہشام بن عبد الملک کے زمانے مین عراقین کا گورنر تھا، اور عرب کے نہایت نامآور لوگون مین شمار کیا جاتا ہی، اپنی مان کے لئے جو عیسائی مذہب رکھتی تھی، خود ایک گرجا تعمیر کرا دیا تھا، عضد الدولہ نے جو بہت بڑا نامور شہنشاہ

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۸،

گذرا ہے اور نہایت صاحب فضل وکمال تھا، اپنے وزیر نصر بن ہارون کو چرچ اور گرجاؤن کے بنانے کی عام اجازت دی تھی[1]، چنانچہ اس نے سنہ ۳۶۹ھ مین نہایت کثرت سے تمام ممالک اسلامیہ مین چرچ اور گرجے تعمیر کرائے،

مسلمانون نے صرف یہی نہین کیا کہ پرانے معبد قائم رکھے یا نئے معبدون کی تعمیر کی اجازت دی، بلکہ انھون نے نہایت انصاف سے معبدون کے متعلق تمام عہدے اور تمام وہ جائدادین بحال رہنے دین جوان معبدون پر وقف تھین، یہان تک کہ پجاریون اور مجاورون کے جو روزینے پہلے سے مقرر تھے، وہ بھی اپنے خزانے سے جاری رکھے، عمرو بن العاص رض نے حضرت عمر رض کے عہد مین جب مصر فتح کیا تو جس قدر آراضیات گرجاؤن پر وقف تھین، اسی طرح بحال رہنے دین، چنانچہ اس قسم کی جو آراضیات سنہ ۸۵۵ھ تک موجود تھین انکی مقدار ۲۵ ہزار فدان تھی[2]، محمد قاسم نے جب سندھ فتح کیا تو برہمنون کو بلاکر بتخانون کے متعلق انکو جو اختیار دیئے اسکو مورخ علی بن حامد نے اپنی تاریخ سندھ مین ان الفاظ مین لکھا ہے:-

"پس اکابر و مقدمان و براہمہ را فرمود کہ معبود خود را عبادت کنند و فقرائے برہمنان را باحسان و تعہد تیار دارند و اعیاد و مراسم خود بہ شرائط آبا و اجداد قیام نمایند، و صدقاتے کہ پیش ازین در حق براہمہ میدادند بر قرار قدیم بدہند"

بنیامین جو مصر کا پیٹریارک تھا، اور ایرانیون کے تسلط کے زمانے مین مصر سے بھاگ گیا تھا، اسکو خود عمرو بن العاص رض نے سنہ ۲۰ھ مین امان کی تحریر بھیجکر مصر مین بلوایا، اور پیٹریارک کے عہدے پر مامور کیا[3]، محمد فاتح نے جب سنہ ۱۴۵۳ء مین قسطنطنیہ فتح کیا تو یونانی

[1] ابن الاثیر واقعات سنہ ۳۶۹ھ، [2] دیکھو مقریزی جلد دوم صفحہ ۴۹۹، [3] ایضاً صفحہ ۴۹۲،

کلیسا کا خود محافظ بنا، اور تمام پادریون کو ہر قسم کے قانون کے احکام سے بری کر دیا،

اسلام مین غیر مذہب والون کے مذہبی احکام کا جو لحاظ کیا جاتا تھا، اس کا ثبوت اس سے بڑھکر کیا ہوگا کہ یہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی عیسائی ایک گرجا بنانے کی وصیت کر جائے، تو اسلامی عدالت اس وصیت کو جائز تسلیم کریگی اور مسجد بنانے کی وصیت کر جائے تو ناجائز، چنانچہ صاحب ہدایہ نے باب الوصیۃ مین امام ابو حنیفہؒ کا یہ مذہب نقل کرکے انکی طرف سے یہ دلیل پیش کی ہے، نحن امرنا بان نترکھم وما یدینون یعنی ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم غیر مذہب والون کو ان کے احکام مذہبی پر چھوڑ دین، ایک دفعہ جب حضرت ابوبکرؓ کے عہد مین ایک عورت نے مسلمانون کی ہجو کے اشعار گائے، اور ایک افسر نے اس جرم پر اس کے ہاتھ کاٹ ڈالے، تو حضرت ابوبکرؓ نے اس افسر کو خط لکھا کہ اگر وہ عورت مسلمان تھی تو کوئی معمولی سزا دینی چاہیے تھی، اور اگر ذمی تھی تو جب ہم نے اُس کے شرک اور کفر سے درگذر کی تو ہجو تو شرک سے بہر حال کم ہے[1]،

عیسائی نکتہ چینیون کی نسبت ہم کو صرف یہی شکایت نہین کہ وہ اسلامی تاریخون سے ناآشنا ہین، بلکہ افسوس یہ ہے کہ وہ خود اپنے قدیم عیسائی بزرگون کی روایتون سے واقفیت نہین رکھتے، حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین مرو کا جو پٹریارک تھا، اور جس کا نام (JESUJAH) یشوعیاہ تھا، اس نے ایران کے لارڈ بشپ (SIMEON) کو جو خط لکھا تھا، اسمین یہ الفاظ تھے "عرب جن کو خدا نے اس وقت جہان کی بادشاہت دی ہے، عیسائی مذہب پر حملہ نہین کرتے، بلکہ برخلاف اس کے وہ ہمارے مذہب کی امداد کرتے ہین، ہمارے پادریون اور خداوند کے مقدسون کی عزت کرتے ہین، اور گرجون اور خانقاہون کے لئے

---

[1] طبری واقعات سنہ ۱۱ھ،

عطیہ دیتے ہین"

مذہبی اور قانونی حقوق کے بعد جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے، یہ امر زیادہ قابل لحاظ ہے کہ ذمیون کو رتبہ اور اعزاز کے لحاظ سے اسلامی گورنمنٹ اور اسلامی پبلک مین کیا درجہ حاصل تھا، فاتح اور مفتوح کی تمیز ایک ایسا فطرتی اثر ہے، جو کسی طرح کسی کے مٹائے نہین مٹ سکتا، پچھلی دنیا مین تو یہ امتیاز اس حد تک پہونچا تھا، کہ فاتح قومون نے ہمیشہ مفتوحین کو جانورون سے کچھ ہی زیادہ سمجھا، ہندو آرین ہندوستان مین آئے تو یہان کے اصلی باشندون کو اس طرح خاک مین ملا دیا، کہ اُن کو شودر کے لقب سے خود عار نہین رہا، رومن نے تمام مفتوحہ قومون کو گویا غلام بنا رکھا تھا، دنیا اسی حالت مین تھی کہ اسلام کا قدم آیا، اُس کے گرد و پیش ہر طرف اسی قسم کی مثالین موجود تھین، لیکن اس نے کیا کیا؟ یہ کیا کہ دنیا کے اس رواج یافتہ قاعدے کو دفعۃً مٹا دیا، اور قول و فعل دونون سے بتا دیا کہ حقوق عامہ مین جسقدر آدمی آسمان کے نیچے ہین، سب برابر ہین، اسلام ہی نے یہ بات سکھلائی تھی کہ جب ایک یہودی نے حضرت علیؓ پر خود اُنکی خلافت کے زمانہ مین ایک زرہ کا دعوی کیا، تو جناب ممدوح کو اسکی جوابدہی کیلئے عدالت مین حاضر ہونا پڑا اور وہ بغیر کسی عذر کے معمولی فریق مقدمہ کی حیثیت سے عدالت مین حاضر ہوئے، یہ اسلام ہی کی تعلیم تھی کہ جب ایک عیسائی نے ہشام بن عبد الملک پر جو بڑی عظمت اور اقتدار کا خلیفہ گذرا ہے ایک جائداد کا دعوی کیا، اور حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے دربار مین مقدمہ پیش ہوا تو حضرت عمرؓ نے ہشام کو عدالت مین طلب کیا، اور کہا کہ مدعی کے برابر کھڑے ہو کر جوابدہی کرو، ہشام نے وکیل مقرر کرنا چاہا، حضرت عمرؓ نے کہا نہین، تم خود سامنے کھڑے ہو کر جواب دو، ہشام نے عیسائی کے ساتھ سخت کلامی شروع کی،

حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے ڈانٹا، اور کہا کہ دوبارہ یہ حرکت سرزد ہوئی تو بغیر سزا دیئے، نہ چھوڑون گا، چونکہ رودادسے عیسائی کا حق ثابت تھا، اسکو ڈگری دلائی اور حکم دیا کہ ہشام کی دستاویز جو اُس نے پیش کی تھی، چاک کر دیجائے[1]، تاریخ اسلام مین اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہین، لیکن ہم نے صرف اُن بزرگون کے نمونے پیش کئے ہین جو خود اسلام کے نمونے تھے،

اسلامی حکومتون مین مسلمان، اور ذمی عموماً برابری کی حیثیت سے رہتے تھے، سرکاری مناصب مین، مجالس عامہ مین، عام معاشرت مین، فاتح مفتوح کی کچھ تمیز نہ تھی، لیکن قبل اس کے کہ ہم اس دعویٰ کو تفصیلی طور سے ثابت کرین ہم کو اُن شبہات کا جواب دینا چاہئے جو اس موقع پر خواہ مخواہ پیدا ہونگے، عیسائی مصنفین نے ہمیشہ نہایت زور کے ساتھ اسلام پر یہ الزام لگایا ہی، کہ اُس نے دوسری قومون کو نہایت ذلت کی نگاہ سے دیکھا اور ذلت کی محسوس علامتین قایم کین، اسلام نے یا اسلام کے جانشینون نے یہ قاعدے بنائے کہ ذمی ایک خاص قسم کا لباس اختیار کرین، جو اُن کی محکومی اور ذلت کی علامت ہو، گھوڑے پر نہ سوار ہون، راستے مین تادباً مسلمانون سے بچ کر نکلین، بڑے بڑے عہدے نہ پائین، اُن کے ساتھ مساویانہ برتاؤ نہ کیا جائے،

ہم بے شبہہ تسلیم کرتے ہین کہ فقہ کی پچھلی تصنیفات مین ذمیون کی نسبت یہ احکام موجود ہین، لیکن ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ یہ احکام خدا کے، رسول کے، صحابہ کے، ائمہ مجتہدین کے احکام نہین ہین، اسی کے ساتھ ہمارا یہ بھی دعویٰ ہی کہ یہ احکام کسی زمانے مین رواج

[1] عیون الحدایق صفحہ ۶۰،

نہین پائے، کسی کسی ظالم بادشاہ نے جوشِ تعصب مین اس قسم کی کارروائی کی تو وہ اسی عہد تک رہی، مورخین نے عام طور پر لکھا ہی کہ "سب سے پہلے جس نے ذمیون کا لباس بدلا وہ المتوکل باللہ عباسی تھا" اس سے یہ امر تو علانیہ ثابت ہے کہ متوکل باللہ سے پہلے یہ لباس نہ تھا، متوکل نے ذمیون پر اور بھی طرح طرح کی سختیان کین، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ وہی متوکل ہے، جس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے مزار مبارک کو کھدوا کر خاک کے برابر کر دیا، اور منادی کرادی کہ کوئی شخص زیارت کو نہ آنے پائے، جس شخص نے خود جگر گوشۂ رسول ؐ کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہو، اُس کے کسی فعل پر کیا استدلال ہو سکتا ہی،

یہ سچ ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے بھی ذمیون کے لئے ایک خاص لباس کی تعیین کی تھی، لیکن یہ وہی لباس تھا جو مدت سے اونکا قومی لباس چلا آتا تھا، اور اس وجہ سے یہ خیال نہین ہو سکتا کہ اس سے تحقیر اور ذلت مقصود تھی، اس بحث کو ہم نے مختصراً سیرۃ النعمان مین لکھا ہی، اور انشاءاللہ الفاروق مین اس بحث کا قطعی فیصلہ کر دینگے، یہان صرف یہ دیکھنا ہی، کہ حضرت عمر ؓ کا یہ حکم آیا کوئی مذہبی اور انتظامی حیثیت رکھتا تھا یا صرف اُن کا مذاقِ طبیعت تھا، جس کے معنی صرف یہ تھے، کہ تمام قومین اپنی قومی خصوصیتون پر قایم رہین،

اس امر کے فیصلہ کے لئے یہ دیکھنا چاہیئے کہ لباس کے بارے مین حضرت عمر ؓ کے احکام کس حد تک عمل مین آسکے،

حضرت عمر ؓ نے جہان غیر قومون کو عرب کے لباس کے اختیار کرنے سے روکا تھا، اہلِ عرب کو بھی عجم کی وضع سے پرہیز کرنے کی تاکید کی تھی، چنانچہ عتبہ بن فرقد کو جو فرمان لکھا تھا اسمین یہ الفاظ تھے، علیکم بلباس ابیکم اسمٰعیل وایاکم والتنعم وزی العجم والقوا الخفاف

والقوا السیر اویل یعنی تمکو اپنے باپ اسمٰعیل کا لباس پہننا چاہئے، خبردار عیش طلبی اور اہل عجم کی وضع نہ اختیار کرنا، موزہ اور پاجامہ پہنتا چھوڑ دو،

لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ بیت المقدس کے معاہدہ کے لئے شام تشریف لیگئے تو تمام افسران فوجی رومیون کے لباس مین تھے، اس پر ناراضی بھی ظاہر فرمائی، لیکن جب ان لوگون نے اس کا سبب بتایا تو چپ ہو گئے، اس سے بڑھکر یہ کہ جب مصر فتح ہوا تو اہل فوج کی خوراک ولباس کا انتظام اس طرح کیا گیا کہ عیسائی ہر سال غلہ اور کپڑون کی ایک تعداد مقررہ جزیہ کے ساتھ ادا کرتے رہین، ان کپڑون مین عمامہ اور جبہ کے ساتھ موزے اور پاجامے بھی شامل تھے، حالانکہ موزہ اور پاجامہ کے استعمال کو حضرت عمرؓ اپنے سابق فرمانون مین منع کر چکے تھے، حضرت عمرؓ کی ان دو مختلف کارروائیون کی تاویل اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے، کہ اول اول انکی وہ رائے تھی، لیکن جب اُنھون نے دیکھا کہ طبائع کے میلان عام کو وہ روک نہین سکتے، تو اُنھون نے اس خیال کو جانے دیا،

غیر قومون کو حضرت عمرؓ نے جو روک ٹوک کی تھی وہ بھی نہ چل سکی، عیسائیون اور یہودیون نے مسلمانون کی بہت سی خصوصیتین اختیار کر لین یہان تک کہ عمر بن عبد العزیزؒ نے جو حضرت عمرؓ کے قدم بہ قدم چلنا چاہتے تھے اپنے ایک عامل کو لکھا کہ وقد ذکر لی ان کثیرا ممن قبلک من النصاری قد راجعوا لبس العمایم وترکوا المناطق[۲] یعنی مجھکو معلوم ہوا ہے کہ اکثر عیسائی عمامہ باندھنے لگے ہین اور پیٹیان لگانی چھوڑ دی ہین"

ایک خاص قابلِ لحاظ یہ بات ہے کہ مسلمان جہان جہان گئے اور جہان جہان اُنکی حکومتین قایم ہوئین، اُنھون نے خود مفتوح قومون کا لباس اختیار کر لیا، اور یہ ظاہر

---

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۵، [۲] کتاب الخراج صفحہ ۷۳،

ہے کہ اگر اُن کا لباس ذلت اور تحقیر کی علامت ہوتا تو مسلمان ذلت اور تحقیر کو کیون گوارا کرتے
عباسیون کی سلطنت کا آغاز درحقیقت منصور کے عہد سے سمجھا جاتا ہی، اُس نے دربار کے لئے
جو ٹوپی اختیار کی وہ وہی مجوسیون کی ٹوپی تھی، جو خاص اُنکی قومی علامت تھی، معتصم باللہ
جس کے زمانے مین دولت عباسیہ پورے شباب پر پہونچ گئی تھی، اُس نے بالکل شاہان عجم
کی وضع اختیار کرلی تھی، مورخ مسعودی نے لکھا ہی، "وغلب علیہ التشبہ بملوک
الاعاجم فی الآلۃ ولبس القلانس والشاشیات فلبسھا الناس اقتداءً بفعلہ
وایتماماً بہ فسمیت المعتصمیات" یعنی وہ ٹوپی اوڑھنے، پگڑی باندھنے، اور ساز و سامان
رکھنے مین رئیسان عجم کی تقلید کا بہت شایق تھا، چنانچہ اُسکو دیکھکر سب نے یہ وضع اختیار کرلی
اور اس وضع کا نام معتصمی پڑگیا،

سندھ وغیرہ مین جب عربون کی حکومت قایم ہوئی اور اُس کے مختلف حصون مین خاص
عرب کی نسل کے سلاطین فرمان روا ہوئے، تو تمام مسلمانون نے ہندؤن کی وضع اختیار
کرلی، چنانچہ ابن حوقل بغدادی جس نے چوتھی صدی کے آغاز مین ان ممالک کا سفر کیا
تھا، کھنبات کی نسبت اپنے جغرافیہ مین لکھتا ہے، "وزی المسلمین والکفار بھا واحد
فی اللباس واسال الشعر، یعنی یہان مسلمان اور کافرون کی ایک وضع ہے، دونون ایک سا
لباس پہنتے ہین، اور بال بڑے بڑے رکھتے ہین،"

وہی مورخ سندھ اور منصورہ کی نسبت لکھتا ہے، "وزیھم زی اھل العراق الا ان
زی ملوکھم یقارب زی ملوک الھند، یعنی یہان کے مسلمانون کا لباس عراق کا سا ہے
لیکن یہان کے بادشاہون کی وضع ہندو راجاؤن کے قریب ہے،"

---

[1] مروج الذہب مسعودی ذکر خلافت قاہر باللہ،

مخالفون کی طرف سے بلکہ خود متعصب مسلمانون کی طرف سے بڑا استدلال یہ پیش کیا جاتا ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود یہ حکم دیا تھا کہ عیسائیون اور یہودیون کو سلام نہ کرو، چنانچہ عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ نادانستگی سے ایک عیسائی کو سلام کیا تو پھر اُس سے جاکر کہہ آئے کہ تو میرا اسلام پھیر دے، یہ اور اس قسم کی روایتین بہت زیادہ شہرت پکڑ گئی ہین، اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس راز سے بالکل پردہ اٹھادین،

حقیقت یہ ہے کہ مدینہ منورہ اور اُس کے اطراف مین جو یہود رہتے تھے، اُن مین اس قدر تعصب تھا کہ بات بات مین اسکا اثر پایا جاتا تھا، وہ مسلمانون کو سلام کرتے تھے تو السلام علیکم کے بجائے السّام علیکم کہتے تھے، جس کے معنی یہ ہین کہ "تم کو موت آئے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ جب یہود اس طرح سے سلام کرین تو تم صرف یہ کہدو کہ علیکم یعنی "تم پر"[۱] یہی روایت ہے جو مختلف پیرا وین مین ادا کی گئی ہے، اور جسکا حاصل صرف یہ ہے کہ جس طرح لوگ تم سے پیش آئین تم بھی اُن سے اسی طرح پیش آؤ، یہ شبہہ عبد اللہ بن عمرؓ نے سلام کہکر واپس لیا تھا، لیکن اولًا تو اس بات کا کوئی ثبوت نہین کہ وہ عیسائی ذمی یعنی اسلام کی رعیت تھا، اور ہماری بحث یہان صرف ذمیون کے ساتھ مخصوص ہی، دوسرے اصلی بات یہ ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ کی یہ ذاتی رائے تھی، اور دوسرے صحابہ جو علم و فضل تحقیق و اجتہاد مین اُن سے بہت بڑھکر تھے، اُن کی رائے اس کے بالکل خلاف تھی، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جنکو بحر العلم کا خطاب ملا تھا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی شخص یہودی ہو یا عیسائی، یا آتش پرست، سب کے سلام کا جواب اسی طرح دینا چاہیے، جس طرح وہ تمکو سلام کرتا ہے، کیونکہ خدا نے خود فرمایا ہی کہ اذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن

[۱] ادب المفرد امام بخاری صفحہ ۱۵۹،

منها او ردوها یعنی جب تم کو کوئی شخص سلام کرے تو تم اُس سے زیادہ عمدہ طور پر اُس کا جواب دو یا عمدہ طور سے نہین تو برابر طور سے سہی، عبد اللہ بن عباس رض کا یہ قول امام بخاری نے ادب المفرد مین نقل کیا ہی، ابو موسیٰ اشعری رض جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے اُنھون نے ایک عیسائی راہب کو خط لکھا تو سر نامہ پر سلام لکھا، اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا اُنھون نے جواب دیا کہ اُس نے مجھکو خط مین سلام لکھا تھا تو مین نے بھی لکھا امام بخاری نے ادب المفرد مین عبد اللہ بن عباس رض کا قول نقل کرکے لو قال لی فرعون بارک اللہ فیک قلت وفیک یعنی اگر فرعون بھی مجھکو یہ الفاظ کہے کہ خدا تجھ کو برکت دے تو مین اُس کے جواب مین کہونگا کہ خدا تجھکو برکت دے"

حاصل یہ کہ اسلام کا یہ اصول تھا اور اسی پر ہمیشہ عمل در آمد رہا، کہ جو قوم جسطرح اسلام کے ساتھ پیش آتی تھی، اسلام بھی اُس کے ساتھ اُسی طرح پیش آتا تھا جو عیسائی یا یہودی وغیرہ دوستانہ اور مہذبانہ برتاؤ کرتے تھے، اُنکے ساتھ اُسی طریقے سے برتاؤ کیا جاتا تھا، البتہ اسلام مین عیسائیون کی طرح یہ فیاضی نہین ہے کہ کوئی شخص کسی کے ایک گال پر طمانچہ مارے تو وہ دوسرا گال پھیر دے کہ لو یہ بھی حاضر ہے،

ذمیون کو معاشرت کے تمام امور مین جو مساویانہ درجہ حاصل تھا، اُس کا ثبوت اس سے بڑھکر کیا ہوگا کہ اسلامی تذکرون مین جہان کسی صاحبِ علم عیسائی یا یہودی کا ذکر آتا ہی تو اُس کا نام اُسی معززانہ اور مدح آمیز طریقہ سے لیا جاتا ہی جس طرح ایک مسلمان اہلِ کمال کا لیا جا سکتا تھا، یہان تک کہ اگر مذہب کی تصریح نہ ہو تو کسی طرح امتیاز نہین ہو سکتا کہ یہ کسی مسلمان کا تذکرہ ہے، یا کسی غیر مذہب کے آدمی کا، بختیشوع جبرئیل سلموبہ، حنین بن اسحاق، یوحنا بن ماسویہ، ابو اسحاق صابی کا تذکرہ اسلامی

تاریخون مین جس عظمت سے کیا گیا ہی، اُن کتابون کے پڑھنے سے اُس کا اندازہ ہو سکتا ہی مین اس موقع پر نمونے کے لئے صرف ابن التلمیذ کی نسبت جو بغداد کا ایک معزز عیسائی تھا مورخانِ اسلام کے چند فقرے نقل کرتا ہون، عماد کاتب نے جو سلطان صلاح الدین کا میر منشی تھا، اس کو سلطان الحکما کے لقب سے مخاطب کر کے یہ الفاظ لکھے ہین، وہو شیخ بہی المنظر حسن الرواء لطیف الروح بعید الهم، عالی الهمة، مصیب الفکر حازم الرای وکنت اعجب فی امره کیف حرم الاسلام مع کمال فهمه وغزاره علمه،

کیا کوئی قوم کسی دوسری قوم کا ذکر اس سے زیادہ مدح اور تعریف کے ساتھ کر سکتی ہے، آج کل کے مقدس علمار کے آگے اگر دنیاوی حیثیت مین بھی کسی انگریز کا ذکر مدح کیساتھ کیا جائے تو وہ اسکو اسلامی شان کے خلاف سمجھین گے، مگر اسکی صرف یہ وجہ ہی کہ انکو تاریخ پر نظر نہین اور انکو معلوم نہین کہ وہ جن بزرگون کے نام لیوا ہین، اُن کا طریق عمل کیا تھا،

خلفاے عباسیہ کے دربار مین غیر مذہب والون کو جو اعزاز اور رتبہ حاصل تھا اس سے کون انکار کر سکتا ہے، عباسیون کے دربار کا یہ خاص آئین تھا کہ کسی شخص کا نام دربار مین لقب یا کنیت کے ساتھ نہین لیا جاتا تھا، اس قاعدے سے کوئی ایسا ہی بڑی عزت اور مرتبے کا آدمی مستثنیٰ ہو سکتا تھا، یہان تک کہ اکثر بڑے بڑے علمار کو یہ عزت نصیب نہین ہوتی تھی، باوجود اس کے ہارون الرشید، جبریل بن بختیشوع کا نام دربار مین کنیت کیساتھ لیتا تھا، ہارون الرشید نے عام حکم دیدیا تھا کہ جس شخص کو مجھ سے کچھ کہنا ہو یا کوئی غرض پیش کرنی ہو تو جبریل بن بختیشوع کے ذریعے سے کرے، چنانچہ بڑے بڑے افسران فوج بھی

ہارون رشید سے جو کچھ عرض معروض کرتے تھے جبریل کے ذریعہ سے کرتے تھے متوکل باللہ نے باوجود اس کے کہ ذمیون کی نسبت سخت احکام جاری کئے تھے، تاہم اُس کے دربار مین ذمی اہلِ کمال کو یہ عزت حاصل تھی کہ بختیشوع دربار مین خود متوکل کا سالباس پہنکر آتا تھا، اور اکثر صحبتون مین متوکل کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھتا تھا، یہان تک کہ ایک دفعہ بختیشوع متوکل کی خدمت مین حاضر ہوا تو اتفاق سے وہ اس وقت دیوان خاص کی چوکھٹ پر بیٹھا ہوا تھا بختیشوع بھی وہین چوکھٹ پر اُس کے برابر بیٹھ گیا، سلمویہ بن بنان کو جو عیسائی مذہب رکھتا تھا معتصم باللہ کے دربار مین یہ عزت حاصل تھی کہ معتصم کے جس قدر فرمان صادر ہوتے تھے سلمویہ کے دستخط سے ہوتے تھے، علامہ بن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطبا مین سلمویہ کی نسبت معتصم کا یہ فقرہ نقل کیا ہے، اکبر عندی من قاضی القضاۃ یعنی سلمویہ میرے نزدیک قاضی القضاۃ سے بڑھ کر ہی، سلمویہ جب بیمار ہوا تو معتصم خود عیادت کو گیا اور افسوس کے ساتھ رویا، سلمویہ نے جب وفات کی تو اس رنج مین تمام دن کھانا نہین کھایا، اور حکم دیا کہ اس کا جنازہ ایوانِ شاہی مین لاکر رکھا جائے، اور عیسائی مذہب کے موافق شمع اور بخور جلا کر اسکے جنازے کی نماز پڑھی جائے،

خلیفہ المعتضد باللہ کے دربار مین جہان تمام وزرا امرا دست بستہ کھڑے رہتے تھے، صرف وزیر اعظم اور ثابت بن قرۃ کو بیٹھنے کی اجازت تھی حالانکہ ثابت بن قرۃ مذہبًا صابی تھا اور ذمی تھا، ایک دن معتضد ثابت بن قرۃ کے ہاتھ مین ہاتھ دے کر ٹہل رہا تھا دفعۃً معتضد نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، ثابت خوف سے کانپ اٹھا، معتضد نے کہا ڈرو نہین، میرا ہاتھ تمھارے ہاتھ کے اوپر تھا، لیکن چونکہ تم علم و فضل مین مجھ سے بڑھکر ہو اس لئے تمھارا ہاتھ اوپر ہونا چاہئے"

سلطان صلاح الدین فاتحِ بیت المقدس، نہایت پابندِ شریعت اور متقی و پرہیزگار تھا، اُس کے دربار مین کثرت سے عیسائی تھے، اور وہ اُنکی نہایت عزت و توقیر کرتا تھا، انھین مین سے ابن المطران ایک عیسائی تھا، صلاح الدین کی عادت تھی کہ وہ لڑائی کے معرکون مین ایک سرخ خیمہ نصب کراتا تھا، اور جب لڑائی سے فارغ ہوکر بیٹھتا تھا تو اسی خیمے مین بیٹھتا تھا، چونکہ یہ امتیاز کی علامت تھی اس لئے حکم تھا کہ اور کوئی شخص اس رنگ کا خیمہ نہ رکھے، ابن المطران چونکہ شان و شوکت اور تمام باتون مین خود سلطان صلاح الدین کی ہمسری کرنا چاہتا تھا، اس نے اپنا خیمہ بھی سرخ رنگ کا تیار کرایا، اور اسی مین بیٹھا کرتا تھا صلاح الدین نے دیکھا تو کہا کہ مجھ کو اس سے کوئی اعزاز مقصود نہین تھا صرف ضرورت کی وجہ سے ایسا کیا گیا تاکہ لوگ میرے خیمہ کو بآسانی پہچان لین، یہ کہکر اس کا خیمہ اکھڑوا دیا، ابن المطران اس پر سخت برہم ہوا اور دو دن تک دربار مین نہ آیا، آخر صلاح الدین نے بڑی استمالت سے اُس کو راضی کیا، اس قسم کی سیکڑون مثالین ہین، کوئی کہان تک گنوائے،

یورپ والو! اگر اسلامی حکومتون مین ذمیون کی اسی طرح ذلّت اور تحقیر کی جاتی تھی، تو کاش تم اپنی مفتوحہ قومون کے ساتھ اسی ذلت اور تحقیر کا برتاؤ کرتے،

اعزاز اور توقیر کی نسبت شاید کہا جائے کہ یہ پالیٹکس کی بنا پر تھا، اس لئے ہم یہ دکھانا چاہتے ہین کہ اسلام اور جانشینانِ اسلام ذمیون کی نسبت دلی ہمدردی، اور غمخواری کے کیا خیالات رکھتے تھے، ذمیون کی نسبت اگرچہ ہر قسم کے معاملات حضرت عمرؓ کے عہد مین منضبط ہوئے، اور زمانۂ مابعد مین بلحاظ اغلب انھین کا طرزِ عمل، سچے مسلمانون

کا طرزِ عمل رہا لیکن ابتدا خود جناب رسول اللہ کے زمانِ مبارک مین ہو چکی تھی، اور اس وجہ سے ہم کو اس باب مین خود شریعت کا طرزِ عمل معلوم ہو سکتا ہی، قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج مین یہ حدیث روایت کی ہی، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن ارقم کو جزیہ کے وصول کرنے پر مقرر کیا تو اُنکو بلا کر فرمایا، [1] الا من ظلم معاھدا اوکلفہ فوق طاقتہ، او انتقصہ واخذ منہ شیئا بغیر طیب نفسہ، فانا حجیجہ یوم القیامۃ، یعنی جان لو کہ جو شخص کسی معاہد (یعنی ذمی) پر ظلم کریگا، یا اُس سے اُسکی طاقت سے زیادہ کام لے گا یا اُس کو ذلیل کریگا یا اُس سے کوئی چیز اُسکی مرضی کے بغیر لے گا تو مین قیامت کے دن اُس کا دشمن ہونگا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کا یہ اثر تھا کہ صحابہ جہان کہین ذمیون پر کسی قسم کی سختی ہوتی دیکھتے تھے، فوراً مواخذہ کرتے تھے، سعید بن زیدؓ نے ایک دفعہ دیکھا کہ ذمیون کو مال گذاری وصول کرنے کے لئے دھوپ مین کھڑا کیا گیا ہی، اُسی وقت وہان کے حاکم سے جا کر کہا کہ مین نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہی کہ جو شخص لوگون کو عذاب دیتا ہے خدا اُسکو عذاب دیگا، ہشام بن حکیم کو بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا، اور اُنھون نے اسی وقت حاکمِ وقت یعنی عیاض بن غنم کے پاس جا کر ملامت کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی قول سند مین پیش کیا،

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے شخص کو ایک دروازے پر بھیک مانگتے دیکھا، اس سے پوچھا کہ تیرا کیا مذہب ہے، اُس نے کہا یہودی، فرمایا بھیک کیون مانگتا ہے، بولا کہ تنگی اور مفلسی کی وجہ سے اور جزیہ کے ادا کرنے کے لئے حضرت عمرؓ اسکو اپنے ساتھ اپنے

[1] کتاب مذکور صفحہ ۷۲، ۷۳، صفحہ ۷۱،

مکان پر بنوا گئے اور کچھ نقد اپنے پاس سے دیکر بیت المال کے افسر کے پاس کہلا بھیجا کہ انظر ہم هذا واضرباءه فو الله ما انصفناه ان اکلنا شبیبته ثم نخذ له عند الهرم انما الصدقات للفقراء والمساکین والفقراء هم المسلمون وهذا من المساکین من اهل الکتاب،

یعنی اس بوڑھے اور اس کے ساتھیون پر خیال کرو، خدا کی قسم یہ انصاف کی بات نہین کہ اس کی جوانی کی کمائی ہم نے کھائی، اور اب یہ بوڑھا ہو گیا ہے، تو اسکو ہم نکال دین، صدقے کی نسبت جو خدا نے کہا ہی کہ فقیرون اور مسکینون کو دینا چاہئے تو فقیرون سے مسلمان اور مسکینون سے اہلِ کتاب مراد ہین،

حضرت عمرؓ کی اُس ہمدردی اور رحم کا جو انکو ذمیون کے ساتھ تھا اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہوگا، کہ باوجود اس کے کہ وہ ایک ذمی کے ہاتھ سے مارے گئے تھے، تاہم ذمیون کا اُن کو یہ خیال تھا کہ وفات کے وقت تین نہایت ضروری وصیتین جو کین اُن مین ایک یہ تھی کہ ذمیون کے ساتھ جو اقرار ہین وہ پورے کئے جائین، ان کی طاقت سے زیادہ کام ان سے نہ لیا جائے، اور ان کے دشمنون کے مقابلے مین ان کی طرف سے لڑائی کیجائے[1]،

عراق مین حضرت عمرؓ نے جو خراج مقرر کیا تھا، اگرچہ نہایت خفیف تھا، تاہم ان کو ہمیشہ خیال رہا کہ تشخیص مال گذاری مین ذمیون پر سختی تو نہین کی گئی، چنانچہ جن لوگون نے زمین کی پیمایش کر کے جمع تشخیص کی تھی، اُن کو اکثر بلا کر اُس کی نسبت پوچھا کرتے تھے، خراج جب آتا تھا تو دس شخص بصرے سے اور دس کوفے سے طلب کئے جاتے تھے، حضرت عمرؓ ان کے اظہار لیتے تھے، اور جب وہ چار دفعہ شرعی قسم

---

[1] حضرت عمرؓ کے اس قول کو امام بخاری نے اپنی کتاب مین نقل کیا ہی،

کھا کر کہتے تھے کہ مالگزاری کے وصول کرنے مین ذمیون پر سختی نہین کی گئی ہی، تب انکو تسلی ہوتی تھی، مسلمانون کو ذمیون کے ساتھ جو ہمدردی تھی، اس کے لئے اس قسم کی سیکڑون جزوی مثالین ملتی ہین، لیکن ان سب کا استقصا نہین کیا جاسکتا، اس لئے ہم ایک ایسے واقعہ پر اکتفا کرتے ہین جس سے جماعت اسلامی کی عام رائے کا اندازہ ہو سکتا ہے،

جزیرۂ سائپرس جب سنہ ۲۹ھ مین فتح ہوا تو شرط یہ ٹھہری کہ وہان کے لوگ مسلمانون اور رومیون کے باہمی معرکون مین کسی کا ساتھ نہ دین گے، لیکن سنہ ۳۲ھ مین انھون نے مسلمانون کے برخلاف رومیون کو مدد دی، امیر معاویہؓ نے ان پر چڑھائی کی، اور شہر کو فتح کرکے پہلی شرط پر پھر صلح کرلی، لیکن وہ اپنی شرارت سے پھر باز نہ آئے، اس پر ولید بن یزید نے ایک گروہ کو جلاوطنی کی سزا دی، اگرچہ وہ اس سزا کے فی الحقیقت مستحق تھے، لیکن انکی سازش کا ثبوت قطعی نہ تھا، تمام مسلمان اور علما اور رفقا ولید کی اس حرکت پر سخت برہم ہوئے، کہ ذمیون کے ساتھ ایسا سلوک کرنا جائز نہین، چنانچہ ولید کے بعد جب اس کا بیٹا تخت خلافت پر بیٹھا تو اس نے ان سب کو واپس بلا لیا اور تمام مسلمانون نے ولید کی اس کارروائی کی تحسین کی، دولت عباسیہ کے زمانے مین وہان کی رعایا نے پھر بغاوت کا ارادہ کیا، اس وقت عبدالملک بن صالح گورنر تھا، اور بڑے بڑے نامور ائمہ اور فقہا مثلاً لیث بن سعد، امام مالک، سفیان بن عیینہ، موسیٰ بن اعین، اسمٰعیل بن عیاش، یحییٰ بن حمزہ، ابو اسحٰق فزاری، مخلد بن حسین وغیرہ موجود تھے، عبدالملک نے ان سب کے پاس استفتا بھیجا اور پوچھا کہ قاعدۂ شریعت کی رو سے ان سے کیا سلوک کرنا چاہئے، علامہ بلاذری نے فتوح البلدان مین ان ائمہ کے فتوے

الگ الگ اُن کے الفاظ مین نقل کئے ہین، اکثرون نے تو یہی راے دی کہ ان سے درگذر کرنا چاہیے، کیونکہ فقط ارادۂ بغاوت سے وہ ذمیت کے حقوق سے محروم نہین ہوگئے، لیکن جن بعض بزرگون نے سختی کی اُنھون نے بھی صرف یہ اجازت دی کہ اُن کو سال بھر کی مہلت دیجائے، اگر اس مدت مین وہ پورے مطیع ہوجائین تو بہتر ورنہ ان کو کہدیا جائے کہ رومیون کے ملک مین چلے جائین، یحییٰ بن حمزہ اور ابو اسحاق فزاری و مخلد بن الحسین نے یہ فتویٰ دیا کہ ان لوگون کے پاس جس قدر مال و اسباب اور زمین وغیرہ ہے ایک ایک چیز کی دوگنی قیمت بیت المال سے اداکیجائے اور ان کو کہدیا جائے کہ وہ اور کہین جاکر آباد ہوجائین، اسمٰعیل بن عیاش نے لکھا کہ "وہ بیچارے رومیون کے مظلوم ہین، اس لئے ہم کو ان کی مدد کرنی چاہیے" ان بزرگون کے فتوؤن اور رایون سے بہ آسانی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ذمیون کے ساتھ اسلام کا کیا برتاؤ تھا،

سب سے اخیر بحث ملکی حقوق کی ہے یعنی یہ کہ ذمیون کو انتظامِ سلطنت مین کہان تک دخل تھا، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ شروع سے اس بحث مین ہمارے مخاطب عیسائی ہین جن کا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام غیر مذہب والون کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کا حکم دیتا ہے، اس لئے ہم ملکی حقوق کی بحث مین یورپ کے نظامِ سلطنت سے موازنہ کرین گے، کیونکہ عیسائیون کے نزدیک عدل و انصاف تہذیب و شایستگی کا معیار یورپ اور یورپ کا اصول حکومت ہی،

سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ملکی حقوق کی نسبت یورپ کی مہذب سے مہذب حکومتون نے فاتح و مفتوح مین جو حد فاصل قائم کی ہے، وہ اسلامی حکومتون نے کبھی نہین کی، اسلام نے یا اسلامی حکومتون نے کبھی یہ قاعدہ نہین بنایا، کہ جو شخص ولایت زادہ ہو اسکو

فلان قسم کے حقوق نہین مل سکتے، یا فلان فلان عہدے فاتح قوم کے افراد کے ساتھ مخصوص ہین،

اسلام کے آغاز مین ملکی اور فوجی عہدے مختلف نہ تھے، جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا تھا وہی سپہ سالار بھی ہوتا تھا یہان تک کہ جو لوگ منصبِ قضا پر مامور ہوتے تھے، وہی ضرورت کے وقت فوج کے جنرل مقرر ہو کر بھیج دیئے جاتے تھے، تہذیب اور شایستگی کے تاریخ دان اس بات کو بخوبی جانتے ہین کہ سلطنت جب اول اول قایم ہوتی ہی تو اسکے مختلف صیغے مدت تک باہم مختلط رہتے ہین، جس قدر تمدن زیادہ ترقی کرتا جاتا ہی اسی قدر تقسیم عمل کا اصول زیادہ عمل مین آتا جاتا ہی، اور ہر ہر صیغہ جدا جدا صورت پکڑتا جاتا ہی اسی کلیہ کے موافق اسلام کے ابتدائی زمانے مین بھی اس قسم کا اختلاط والتباس رہا، اور اس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ مفتوح قومین، ملکی انتظامات مین کم شامل ہو سکین، کیونکہ اسوقت تک جس قدر ملکی عہدے تھے اُن مین فوجی مہمات بھی شامل تھین، اور اس وجہ سے غیر قومین خود اُن پرخطر خدمات کو گوارا نہین کرتی تھین،

اِس موقع پر یہ امر قابلِ استفسار ہے، کہ اگر غیر قومون نے خود فوجی خدمتون کو قبول کرنا چاہا تو اسلام نے ان کی خواہش کا کہان تک لحاظ رکھا، اور جواب یہ ہے کہ اسلام نے بے تکلف انکی درخواست منظور کی حضرت عمرؓ کے وقت مین بارہا یہ موقعے پیش آئے کہ عیسائیون اور آتش پرستون نے باوجود اپنے مذہب پر قایم رہنے کے فوجی خدمتون مین شامل ہونے کی درخواست کی، اور حضرت عمرؓ نے نہایت خوشی سے ان کی درخواست کو منظور کر کے انکو وہ تمام حقوق دیئے جو مسلمانون کو حاصل تھے، لیکن ناظرین کو یہ توقع نہین رکھنی چاہئے کہ ہم اس موقع پر اُن واقعات کی تفصیل بھی بیان کرینگے، ورنہ الفاروق کیلئے کیا رہجائیگا،

بہرحال اسلام کے ابتدائی زمانے مین وہ خدمتین اور عہدے جنمین فوجی حیثیت بھی شامل تھی ذمیون کو کم ملے لیکن جس صیغے مین اس حیثیت کا لگاؤ نہ تھا وہ ذمیون کے لئے کھلا رہا، بلکہ حق یہ ہے کہ خاص انھین کے قبضۂ اختیار مین رہا خراج اور مال گذاری کے محکمون اور دفتر پر عموماً عیسائی اور آتش پرست قابض تھے، یہان تک کہ اس دفتر کی زبان بھی لاطینی اور فارسی و قبطی رہی، شام مین ۸۱ھ تک دفتر خراج لاطینی زبان مین تھا، اور اس وقت انتسنساش نام ایک عیسائی اس محکمہ کا افسر تھا، عراق کا دفتر حجاج بن یوسف کے زمانے مین، فارسی سے عربی زبان مین منتقل ہوا، وہ بھی اسوجہ سے کہ دفتر خراج کے میرمنشی نے جو آتش پرست تھا، اور جسکا نام فرخ زاد تھا مغرورانہ یہ دعوی کیا تھا کہ عربی زبان اس قابل نہین کہ حساب کے تمام جزئیات کو ادا کر سکے،

رفتہ رفتہ جب تمدن نے زیادہ ترقی کی اور ملکی اور فوجی صیغے مین فی الجملہ امتیاز ہوا تو ذمیون کو ملکی صیغے مین بار ہونے لگا سب سے پہلے اس کی ابتدا امیر معاویہؓ کے عہد مین ہوئی یعنی ابن آثال ایک عیسائی حمص کا فنانشل کمشنر اور وہان کا حاکم مقرر ہوا[1] رفتہ رفتہ کوئی بڑے سے بڑا منصب اور عہدہ ایسا نہین رہا جو غیر مذہب والون کے دسترس سے باہر رہا ہو، مذہبی صیغہ کو چھوڑ کر دربار مین سب سے بڑے عہدے دو تھے، وزارت اور کتابت کتابت آج کل کی اصطلاح مین چیف سکرٹری کے عہدے کے برابر تھی یعنی ہر قسم کے فرامین سلطنت، اور سلطنتِ غیر سے مراسلت کا کام اسی سے متعلق ہوتا تھا، اور اسی وجہ سے وہ وزیر اعظم کے برابر یا اس سے دوسرے درجہ پر خیال کیا جاتا تھا، چنانچہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ مین جہان اس عہدے کا ذکر کیا لکھا ہی کہ ان صاحب ھذہ الخطۃ

[1] تاریخ یعقوبی ذکر حکومت معاویہؓ،

لابد ان یتخیر من ارفع طبقات الناس،

غرض یہ دونون منصب جو اعلیٰ ترین مناصب تھے ذمیون کو عطا کئے گئے، عبد الملک بن مروان جو سلطنت بنو اُمیہ کا دوسرا تاجدار تھا، اس کا کاتب ابن سرجون ایک عیسائی تھا دولتِ عباسیہ کے عہد مین ابو اسحاق صابی جو اس منصب پر ممتاز تھا بڑے رتبے کا شخص گذرا ہے، اور ابن خلکان وغیرہ نے اس کے فضل و کمال کی بڑی تعریف کی ہے، سلطنت دیلم کا سرتاج عضد الدولہ جو شہنشاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا، اس کا وزیر اعظم ایک عیسائی تھا جس کا نام نصر بن ہارون تھا، یہ تمام خلفا و سلاطین دنیاوی جاہ و جلال کے ساتھ مذہبی شان بھی رکھتے تھے، یورپ کو اس قسم کی بے تعصبی اور فیاضی تک پہونچنے کے لئے ابھی کئی سو برس درکار ہین،

ایک امر البتہ قابلِ لحاظ ہے، کہ اسلامی حکومتون مین سول اور ملٹری ڈپارٹمنٹ کسی زمانے مین صاف صاف الگ نہین ہوئے، اس واسطے جس حد تک ملکی صیغہ مین فوجی حیثیت کا لگاؤ رہتا تھا، ذمی اُس سے کم متمتع ہو سکتے تھے لیکن اس کے سوا اور ہر قسم کے مناصب اور عہدے تمام ذمیون کے لئے کھلے تھے، اور ہر زمانے مین سیکڑون اور ہزارون عیسائی یہودی ہندو، آتش پرست، سرکاری خدمتون پر مامور رہے، ہندوستان مین ایک خاص تغیر ہوا یعنی یہ کہ ہندوؤن نے کثرت سے فوجی خدمتین قبول کین، اور فوج مین بہت بڑا حصہ انکا تھا، اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہندؤن نے ہر قسم کے بڑے بڑے ملکی عہدے حاصل کئے، ناواقف ہندو خیال کرتے ہین کہ یہ فیاضی صرف اکبر کے ساتھ مخصوص تھی اور یہ اسکی مادری حیثیت کا اثر تھا، لیکن یہ انکی تاریخی جہالت کا نتیجہ ہے، جہانگیر، شاہجہان، یہان تک کہ عالمگیر جس کو نہایت متعصب خیال کیا جاتا ہے، سب نے ہندؤن

کو بڑے بڑے عہدے دیئے، شاہجہان کے دربار مین سب سے بڑا منصب نُہ ہزاری تھا یعنی وہ ارکانِ سلطنت جنکو نو ہزار سوارون کے رکھنے کی اجازت تھی، اس سے اتر کر ہفت ہزاری اور اس عہدے پر مہابتخان خانخانان ممتاز تھا، اُس کے نیچے پنجہزاری و چارہزاری وغیرہ تھے، چنانچہ اس درجہ کے مناصب پر مسلمانون اور ہندوُون کی تعداد قریب برابر تھی، ہم نہایت اختصار کے ساتھ یہان اس قسم کے ہندو عہدہ دارون کی فہرست لکھتے ہین جس کو ہم نے شاہجہان کی سرکاری تاریخ شاہجہان نامہ سے انتخاب کیا ہی،

رانا جگت سنگھ	پنجہزاری	راجہ بیٹھل داس	چارہزاری
گج سنگھ	"	بھارت بندیلہ	"
جے سنگھ	"	راؤ سور	"
راؤ رتن ہاڈہ	"	جگدیو رائے	"
جھجار سنگھ	"	ہمیر رائے	"
مالوجی دکنی	"		
اوداجی رام	"		
بہادر جی	"		

ان کے علاوہ گیارہ ہندو افسر دوہزاری، بارہ ڈیڑھ ہزاری، سولہ ایکہزاری، آٹھ نہ صدی، گیارہ ہشت صدی، آٹھ ہفت صدی تھے، اور ان سے نیچے کے عہدہ دار تو بیشمار تھے، ان تمام واقعات کے ثابت ہونیکے بعد دنیا خود اس کا فیصلہ کر سکتی ہی کہ اسلام اور مسلمانون نے غیر قومون کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟

الجزیہ

غیر مذہب والون نے ہمیشہ اس لفظ کو نہایت ناگواری سے سنا ہے، اُن کا خیال ہے کہ اسلام اس لفظ کا موجد ہے، اسلام ہی نے یہ اصول پیدا کیا جس سے اُس کا مقصد مسلمانون اور غیر مذہب والون مین نہایت متعصبانہ اور نامناسب تفرقہ قایم کرنا تھا، اُن کا خیال ہے کہ جزیہ ایک ایسا جبر تھا جس سے بچنے کے لیے اسلام کا قبول کر لینا بھی گوارا کیا جاتا تھا، اور اس وجہ سے وہ جبراً مسلمان کرنے کا ایک قوی ذریعہ تھا، لیکن یہ تمام غلط خیالات انھین غلط فہمیون سے پیدا ہوئے ہین، جو غیر قومون کو اسلام کی نسبت ہین، ہم اس موقع پر تین حیثیتون سے جزیہ پر بحث کرنی چاہتے ہین، جزیہ اصل مین کس زبان کا لفظ ہے اور کن معنون مین مستعمل ہوتا ہے، ایران اور عرب مین جزیہ کی بنیاد کب سے قایم ہوئی، اسلام نے اسکو کس مقصد سے اختیار کیا،

پہلی بحث

جزیہ گو اب مصطلح معنی مین خاص ہو گیا ہے، لیکن لغت کی رو سے وہ خراج اور جزیہ کے لیے یکسان موضوع ہے، قاموس مین ہے، الجزیۃ خراج الارض وما یوخذ من الذمی، جوہری وصاحب قاموس نے اس لفظ کے اصل و اشتقاق سے کچھ بحث نہین کی، صاحب کشاف نے اسکو "جزی" سے مشتق خیال کیا ہے، اصل یہ ہے کہ غیر زبانون کے

جو الفاظ عربی مین مستعمل ہو گئے ہین، ان کی نسبت ہمارے مصنفین اکثر غلطی کرتے ہین، تعجب یہ ہے کہ خاص اس قسم کے الفاظ نہایت استیعاب سے جمع کئے گئے ہین، اور یہ فنِ لغت کی ایک شاخ بن گئی ہے، تاہم جو کتابین اس موضوع پر لکھی گئی ہین، مثلاً شفاء العلیل وغیرہ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مصنفین غیر زبانون سے ماہر نہ تھے، منجنیق اور صوفی صاف یونانی الفاظ ہین جنکی اصل مکانک اور سوف ہے، لیکن ہمارے علمائے لغت منجنیق کی اصل "من چہ نیک" بتاتے ہین، اور صوفی کو صوف سے ماخوذ سمجھتے ہین، جو ایک قسم کا کپڑا ہوتا ہے، اس قسم کے اور سیکڑون الفاظ ہین،

غیر زبانون کے الفاظ اور مصطلحات کے متعلق نہایت صحیح اور مستند کتاب جو عربی زبان مین لکھی گئی وہ مفاتیح العلوم ہے، یہ کتاب صاحب کشف الظنون کا ماخذ ہے، اور علامہ مقریزی نے اس کی نسبت لکھا ہو کہ، کتاب جلیل القدر، اس مین جزیہ کی نسبت لکھا ہے، وجزاء رؤس اهل الذمۃ جمع جزیۃ وهو معرب گزیت وهو الخراج بالفارسیۃ[1] یعنی ذمیون سے جو جزیہ لیا جاتا ہے، یہ معرب لفظ ہے، جسکی اصل گزیہ ہے اور اس کے معنی فارسی مین خراج کے ہین،

فارسی لغت نویسون نے گزیت کی لغت مین تصریح کی ہے، کہ جزیہ اسی کا معرب ہے، برہان قاطع مین ہے گزیت بفتح اول وکسر ثانی زرے باشد کہ حکام ہر سالہ از رعایا گیرند وآنرا خراج ہم گویند وزرے را نیز گویند کہ از کفار ذمی ستانند، نظامی گوید،

گہش خاقان خراج چین فرستد ۔۔۔ گہش قیصر گزیت و دین فرستد

وآنچہ شہرت دارد بہ کسر اول وفتح ثالث است ومعرب آن جزیہ باشد، فرہنگ جہانگیری

[1] دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ یورپ صفحہ ۵۹،

کے مصنف نے دوسرے معنی کے سند مین حکیم سوزنی کا یہ شعر سنداً نقل کیا ہی،

کتاب خویش بخواہم در وعمل نکنم — کہ تا گزیت رسانند تا نخور اہلِ کتاب

اور یہ بھی لکھا ہی کہ جزیہ اسی کا معرب ہے،

ہم کو اسمین ذرا بھی شبہہ نہین کہ جزیہ اصل مین فارسی کا لفظ ہے، تصریحاتِ لغت کے علاوہ تاریخی قرینہ نہایت قوی موجود ہے، یہ مسلم ہے کہ اسلام سے پہلے عرب مین جزیہ کا لفظ مستعمل ہوچکا تھا، یہ بھی مسلم کہ فارسی مین گزیت کا لغت اسی معنی مین قدیم سے شایع ہے، تاریخی شہادتون سے (جیسا کہ ہم آیندہ بیان کرین گے) ثابت ہے کہ نوشیروان نے جزیہ کے قواعد مقرر کئے تھے، اور اس زمانہ مین نوشیروان کے عمال یمن اور مضافات یمن پر منصوب تھے، اس طرح گزیت کا لفظ قانونی طور پر عرب مین پھیلا اور معرب ہوکر جزیہ ہوگیا، یہ عام قاعدہ ہے کہ محکوم ملک مین جب فرمان روا زبان کے الفاظ دخل پانے لگتے ہین، تو سب سے پہلے وہ الفاظ آتے ہین جو سلطنت کے قانونی الفاظ ہوتے ہین، زبان عرب مین جس قدر فارسی الفاظ معرب ہوکر شایع ہوگئے ہین کسی اور زبان کے نہین ہوئے، اُس پر طرہ یہ کہ جزیہ کا لفظ معرب ہونے کے لئے گویا پہلے ہی آمادہ تھا، صرف ایک حرف کی تبدیل اور دو ایک تغیر سے وہ عربی قالب مین پورا اتر گیا،

دوسری بحث

جہان تک ہم کو معلوم ہے ایران و عرب مین خراج و جزیہ کے وہ قواعد جو بادنیٰ تغیر اسلام مین رائج ہین، نوشیروان کے عہد مین مرتب ہوئے، امام ابوجعفر طبری جو بہت بڑے محدث اور مورخ تھے، نوشیروان کے انتظامات ملکی کے بیان مین لکھتے ہین:

والنہ مرالناس الجزیۃ ماخلا اہل البیوتات والعظماء والمقاتلۃ والھرابذۃ والکتاب ومن کان فی خدمۃ الملک وصیروھا علی طبقات، اثنی عشر درھما وثمانیۃ وستۃ واربعۃ، ولم یلزموا الجزیۃ من کان اتی لہ من السن دون العشرین اوفوق الخمسین[1]۔

یعنی لوگون پر جزیہ مقرر کیا گیا، جسکی شرح ۱۲ درہم اور ۸ و ۶ و ۴ تھی لیکن خاندانی شرفا اور امرا اور اہل فوج اور پیشوایانِ مذہب اور اہلِ قلم اور عہدہ دارانِ دربار جزیہ سے مستثنیٰ تھے، اور وہ لوگ بھی جنکی عمر ۵۰ سے زیادہ یا ۲۰ سے کم ہوتی تھی،

امام موصوف اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد لکھتے ہین، وھی الوضایع اللتی اقتدی بھا عمر بن الخطاب حین افتتح بلاد الفارس، یعنی حضرت عمرؓ نے جب فارس کو فتح کیا تو انھین قاعدون کی تقلید کی" علامہ ابو حنیفہ دینوری نے بھی کتاب الاخبار الطوال مین بعینہ اس تفصیل کو نقل کیا ہے[2]،

جس غرض سے نوشیروان نے جزیہ کا قاعدہ جاری کیا، اُس کی وجہ علامہ طبری نے نوشیروان کے اقوال سے یہ نقل کی ہے، کہ "اہلِ فوج ملک کے محافظ ہین، اور ملک کیلئے اپنی جانین خطرے مین ڈالتے ہین، اس لئے لوگون کی آمدنی سے اُن کے لئے ایک رقم خاص مقرر کی گئی، کہ اُن کی محنتون کا معاوضہ ہو"،

خراج و جزیہ کے متعلق جو کچھ ان مورخون نے لکھا اُس کی تائید فردوسی کے اشعار سے بھی ہوتی ہے، اگرچہ بعض امور مین دونون کا بیان مختلف ہے، ہم اُن اشعار کو اس موقع پر نقل کرتے ہین ؎

---

[1] تاریخ کبیر طبری صفحہ ۹۶۲، [2] دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۷۳،

همہ پادشاہان شدند انجمن | زمین را بسنجید و بر زور سن
گزیتے نہادند بریک درم | گرایدون کہ دہقان نبودے دژم
گزیت رز بارور شش درم | بجز ماستان برہمین زور قم
کسے کش درم بود و دہقان نبود | نبودے غم و رنج کشت و درود
گذارندہ از دہ درم تا چہار | بہ سالے از و بستدے کاروار
دبیر و پرستندۂ شہریار | نہ بودے بہ دیوان کسے را شمار

دونون روایتون کے فرق کو ناظرین خود سمجھ سکتے ہین،

تیسری بحث

اسلام نے جو انتظام قایم کیا، اُسکی روسے ہر مسلمان فوجی خدمت کے لئے مجبور کیا جاسکتا تھا، یہ قاعدہ کچھ آسان قاعدہ نہ تھا اور لوگ اگر ذرا بھی اُس سے بچنے کا حیلہ پاجاتے تھے، تو اُس سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، چنانچہ ایک بار جب جزیرہ سسلی مین مکتب کے معلم اس جبر سے بری کردیئے گئے، تو سیکڑون آدمیون نے اور کام چھوڑکر یہی پیشہ اختیار کرلیا،[1]

اس لحاظ سے کل مسلمان فوجی خدمت رکھتے تھے، اور ضرور تھا کہ وہ جزیہ سے اسی طرح بری رہین جسطرح نوشیروان عادل نے عموماً اہلِ فوج کو اس (جزیہ) سے بری رکھا تھا، لیکن غیر مذہب والے جو اسلامی حکومت کے ماتحت تھے اور جنکی حفاظت مسلمانون کو کرنی پڑتی تھی، اُن کو فوجی خدمت پر مجبور کرنے کا اسلام

[1] دیکھو معجم البلدان یاقوت حموی، ذکر صقلیہ،

کو کوئی حق نہ تھا، نہ وہ لوگ ایسی پرخطر خدمات کے لئے راضی ہو سکتے تھے، اس لئے ضرور تھا کہ وہ اپنی محافظت کے لئے کوئی معاوضہ دین، اسی معاوضہ کا نام جزیہ تھا جو فارسی لغت سے معرب کیا گیا تھا، لیکن اگر کسی موقع پر غیر قومون نے فوج مین شریک ہونا یا شرکت کے لئے آمادہ ہونا گوارا کیا تو وہ جزیہ سے بری کر دیئے گئے، جیسا کہ ہم آیندہ تاریخی شہادت سے ثابت کرین گے،

جزیہ کا معاوضۂ حفاظت ہونا علمی و عملی طور سے ہمیشہ مسلم رہا اور سچ یہ ہے کہ اسی خیال نے اکثر اہلِ لغت کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا، کہ جزیہ فارسی زبان کا لفظ ہے، وہ سمجھے کہ یہ لفظ جزاء سے نکلا ہے جس کے معنی بدلے کے ہین، اور چونکہ یہ بھی ایک معاوضہ اور بدلہ ہی لہذا اس مناسبت سے اسکا نام جزیہ رکھا گیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و خلفاے راشدین کے جو معاہدے تاریخون مین منقول ہین اُن سے عموماً پایا جاتا ہی، کہ جزیہ ان لوگون کی محافظت کا معاوضہ تھا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والی ایلیۃ کو جو فرمان جزیہ کا تحریر فرمایا، اسمین یہ الفاظ مندرج فرمائے، یحفظو او یمنعوا یعنی ان لوگون کی حفاظت کیجائے، اور دشمنون سے بچائے جائین[1] حضرت عمرؓ نے وفات کے قریب جو نہایت ضروری وصیتین کین انمین ایک یہ بھی تھی کہ "غیر مذہب والے جو ہماری رعایا ہین وہ خدا اور رسول کی ذمہ داری مین ہین، اور مسلمانون کو انکی طرف سے ان کے دشمنون سے مقابلہ کرنا چاہیے" اس موقع پر ہم بعض معاہدات اصلی الفاظ مین نقل کرتے ہین، جن سے نہایت صاف اور مصرح طور پر ثابت ہوتا ہی، کہ جزیہ صرف حفاظت کا معاوضہ تھا، اور غیر مذہب والے جو مسلمانون

---

[1] دیکھو فتوح البلدان بلاذری، صفحہ ۵۹،

کی رعایا تھے، یہی سمجھ کر یہ معاوضہ ادا کرتے تھے،

هذا كتاب من خالد بن الوليد لصلوبا ابن نسطونا وقومه، انى عاهدتكم على الجزية والمنعة فلك الذمة والمنعة ما منعناكم فلنا الجزية والا فلا، كتب سنة اثنتى عشرة فى صفر[1]،

یہ خالد بن الولید کی تحریر ہے، صلوبا بن نسطونا اور اس کی قوم کے لئے مین نے تم سے معاہدہ کیا جزیہ اور محافظت پر، بس تمھاری ذمہ داری اور محافظت ہم پر ہے، جب تک ہم تمھاری محافظت کرین ہم کو جزیہ کا حق ہے، ورنہ نہین، ۱۲ھ صفر مین لکھا گیا،

عمالانِ اسلام نے عراق عرب کے اضلاع مین وہان کے باشندون کو جو عہد نامے لکھے اور جن پر بہت سے صحابہ کے دستخط تھے، اُن کے ملتقط الفاظ یہ ہین،

براءة لمن كان من كذا وكذا من الجزية التى صالحهم عليها الامير خالد بن الوليد وقد قبضت الذى صالحهم عليه خالد والمسلمون لكم يد على من بدل صلح خالد ما اقررتم بالجزية وكنتم امانكم امان وصلحكم صلح ونحن لكم على الوفاء[2]،

اُن لوگون کے لئے جنھون نے اس اس تعداد کا جزیہ دینا قبول کیا ہے، اور جن پر خالد بن ولید نے ان سے مصالحت کی ہو، یہ برارت نامہ ہے، خالد اور مسلمانون نے جس تعداد پر صلح کی وہ ہم کو وصول ہوئی جو شخص خالد کی صلح کو بدلنا چاہے اسکو تم لوگ مجبور کر سکتے ہو، بشرطیکہ جزیہ ادا کرتے رہو، تمھاری امان امان ہی، اور تمھاری صلح صلح (یعنی جس سے تم صلح کرو ہم بھی صلح کرین گے، اور جس کو تم امان دو گے ہم بھی امان دین گے)

---

[1] تاریخ کبیر ابو جعفر جریر طبری مطبوعہ یورپ جزو خامس صفحہ ۲۰۴۹ [2] تاریخ طبری صفحہ ۲۰۵۰،

اس کے مقابلے مین عراق کی رعایا نے یہ تحریر لکھی،

انا قد ادینا الجزیۃ التی عاھدنا علیھا خالد، علی ان یمنعونا و امیرھم البغی من المسلمین و غیرھم، (طبری صفحہ مذکور)

ہم نے وہ جزیہ ادا کر دیا جس پر خالد سے معاہدہ کیا تھا، اس شرط پر کہ مسلمان اور نیز اور تمام قومین اگر ہم کو گزند پہونچانا چاہین، تو جماعتِ اسلام اور ان کے افسر ہماری حفاظت کے ذمہ دار ہون،

ان تحریری معاہدون کے علاوہ جہان جہان صحابہؓ نے دعوتِ اسلام کی جزیہ کی نسبت یہی خیال ظاہر کیا، مثلاً ۱۴ھ مین یزدگرد کے پاس جب صحابہؓ گئے، تو نعمان بن مقرن نے جو سفارت کے سردار تھے گفتگو کے خاتمہ پر کہا، و ان اتقیتمونا بالجزاء قبلنا و منعنا کم یعنی اگر جزیہ ادا کرنے کے ذریعے سے جان بچاؤ گے تو ہم قبول کرین گے، اور تم کو تمھارے دشمنون سے بچائین گے، یا جب سپہ سالارِ فارس سے گفتگو ہوئی تو حذیفہ بن محصن نے کہا اد الجزاء و نمنعکم ان احتجتم الی ذلک یعنی یا جزیہ دو اور اس صورت مین جب تم کو ضرورت ہوگی تو ہم تمھاری حفاظت کرین گے" یہ معاہدے اور تقریرین صرف زبانی باتین نہ تھین بلکہ ہمیشہ اس پر عمل کیا گیا،

ابو عبیدہؓ جراح نے شام مین جب متواتر فتوحات حاصل کین تو ہرقل نے ایک عظیم الشان فوج مسلمانون پر حملہ کرنے کے لئے طیار کی، مسلمانون کو اس کے مقابلے مین بڑی مستعدی سے بڑھنا پڑا، اور اُن کی تمام قوت و توجہ فوجون کی ترتیب مین مصروف ہوئی، اُس وقت حضرت ابو عبیدہؓ امین افسرِ فوج نے اپنے تمام عاملون کو جو شام کے مفتوحہ شہرون پر مامور تھے، لکھ بھیجا، کہ جس قدر جزیہ و خراج جہان جہان وصول کیا گیا ہے، سب اُن لوگون کو واپس دے دو، جن سے وصول ہوا تھا، اور اُن سے کہہ دو

کہ ہم نے تم سے جو کچھ لیا تھا، اس شرط پر لیا تھا کہ تمھارے دشمنون سے تمھاری حفاظت کرسکین، لیکن اب اس واقعہ کے پیش آجانے کی وجہ سے ہم تمھاری حفاظت کا ذمہ نہین اٹھا سکتے،" ابو عبیدہ رض کے خاص الفاظ جنمین عیسائیون سے خطاب ہے، یہ ہین،

انما رددنا علیکم اموالکم لانہ قد بلغنا ما جمع لنا من الجموع وانکم قد اشترطتم علینا ان نمنعکم وانا لا نقدر علی ذلک وقد رددنا علیکم ما اخذنا منکم

عیسائیون نے مسلمانون کو دل سے دعا دی اور کہا کہ خدا پھر تم کو ہمارے شہرون کی حکومت دے، رومی ہوتے تو اس موقع پر واپس دینا تو درکنار جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ بھی لے لیتے، چنانچہ سب سے پہلے اس حکم کی تعمیل حمص مین ہوئی جہان حضرت ابو عبیدہ رض خود مقیم تھے، انھون نے حبیب بن مسلمہ کو بلا کر کہا کہ جو کچھ ذمیون سے وصول ہوا ہے، سب اُن کو واپس کردو، اس کے بعد ابو عبیدہ دمشق مین آئے، اور سوید بن کلثوم کو اس کام پر مقرر کیا کہ ذمیون سے جس قدر رقم وصول ہوئی ہے، سب اُن کو واپس کردیجائے[1]،

ان سب باتون سے زیادہ یہ امر اس دعوی کے لئے دلیل مبین ہے، کہ اگر کسی غیر قوم نے فوجی خدمت پر رضامندی ظاہر کی تو اُسی طرح جزیہ سے بری رہے جس طرح خود مسلمان،

حضرت عثمان رض کے زمانے مین جب حبیب بن مسلمہ نے قوم جراجمہ[2] پر فتح پائی تو ان

---

[1] دیکھو کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۸۰ و فتوح البلدان صفحہ ۱۳۷ و فتوح الشام ازدی صفحہ ۱۳۸
[2] ایک عیسائی قوم تھی اور شہر جراجمہ اور اس کے مضافات مین آباد تھی، معجم البلدان مین اس مقام کا ذکر تفصیلاً لکھا ہے،

لوگون نے فوجی خدمتون مین بوقت ضرورت شریک ہونا خود پسند کیا، اور اس وجہ سے وہ تمام قوم جزیہ سے بری رہی، نہ صرف جراجمہ بلکہ بہت سے نبطیون اور اُن کے متصل کی آبادیون نے یہ امر اختیار کیا اور جزیہ سے بری رہین، خلیفہ واثق باللہ عباسی کے زمانے مین وہان کے عامل نے غلطی سے اُن لوگون پر جزیہ لگایا، تو اُنھون نے خلیفہ کو اطلاع دی اور دربار خلافت سے اُنکی برات کا حکم صادر ہوا[1]، جزیہ کا معاوضہ حفاظت ہونا اس قدر صاف صاف ظاہر کر دیا گیا تھا کہ معاہدون مین یہان تک تصریح کر دیجاتی تھی کہ ذمی اگر صرف ایک سال فوجی خدمت مین شریک ہون گے، تو اُس سال کا جزیہ چھوڑ دیا جائیگا، چنانچہ خود حضرت عمرؓ کے زمانے مین کثرت سے یہ معاملہ پیش آیا، عتبہ بن فرقد نے جب آذربایجان فتح کیا تو معاہدے مین یہ الفاظ لکھے علی ان یودوا الجزیۃ علی قدر طاقتھم ومن حشر منھم فی سنۃ وضع عنہ جزاء تلک السنۃ، یعنی صلح اس شرط پر ہوئی کہ جزیہ ادا کرین، اور جو شخص کسی سال لڑائی مین بلایا جائیگا تو اس سال کا جزیہ معاف کر دیا جائیگا، اسی طرح حضرت عمرؓ کے زمانے مین جب ارمینیہ کے بعض حصے فتح ہوئے، تو سپہ سالار نے معاہدے مین یہ الفاظ لکھے، ان ینفروا لکل غارۃ وینفذوا لکل امر ناب اولم ینبہ الا لوالی صلاحا علی ان توضع الجزاء عمن اجاب الی ذلک ومن استغنی عنہ منھم وقعد فعلیہ مثل ما علی اھل آذربایجان من الجزاء، یعنی صلح اس شرط پر ہوئی کہ یہ لوگ جب لڑائی پیش آئے یا کوئی ضرورت پیش ہو تو مسلمانون کے ساتھ شریک ہون، اس صورت مین ان پر جزیہ نہین لگایا جائیگا، لیکن جس شخص کی ضرورت ہو اور وہ بیٹھ رہے تو اس کو آذربائیجان والون کی طرح

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۵۹ و ۱۶۱،

جزیہ ادا کرنا ہوگا، اسی معاہدے مین یہ لفظ بھی ہے، اور وہ صاف صاف ہمارے دعوی کی توضیح ہے، والحشی عوض من جزائیھم، یعنی لڑائی مین ذمیون کا شریک ہونا، جزیہ کا قایم مقام ہی، خود حضرت عمرؓ نے متعدد دفعہ یہ احکام بھیجے تھے، کہ اگر کسی ذمی سے اتفاقیہ کسی موقع پر مدد لو تو اُس سال کا جزیہ چھوڑ دو، حضرت عمرؓ کے زمانے مین جرجان وغیرہ ممالک مین جو معاہدہ ہوا، اسمین یہ الفاظ تھے، ومن استعانا بہ منکم فلہ جزائہ فی معونتہ عوضا عن جزائہ، یعنی ہم اگر کسی ذمی سے اعانت لین گے تو اُس اعانت کے بدلے مین جزیہ چھوڑ دیا جائیگا،

معاہدات مین یہ تصریح کہ جزیہ کے عوض مین ہم تمھاری اندرونی و بیرونی حفاظت کے ذمہ دار ہین، جب حفاظت پر قدرت نہ ہو تو جزیہ کا واپس کر دینا، جو قومین فوجی خدمت پر آمادہ ہون اُن کو جزیہ سے بری رکھنا، کیا ان واقعات کے ثابت ہونے کے بعد بھی شبہہ رہ سکتا ہی، کہ جزیہ کا مقصد وہی تھا، جو ہم نے تیسری بحث کے آغاز مین بتایا ہی، جزیہ کے مصارف یہ تھے، لشکر کی آراستگی، سرحد کی حفاظت، قلعون کی تعمیر، ان سے بچا تو سڑکون اور پلون کی تیاری، سررشتۂ تعلیم، بے شبہہ اس طرح اس خاص رقم سے مسلمانون کو بھی فائدہ پہونچتا تھا، اور پہونچنا چاہئے تھا، مسلمان لڑائیون مین شریک ہوتے، جانین لڑاتے، ملک کو تمام خطرون سے بچاتے تھے، پس جس طرح اُن کے جسم و جان سے ذمی رعایا مستفید ہوتی تھی، اگر ذمیون کے مال سے مسلمانون کو بھی فائدہ پہونچتا تھا تو کیا بے جا تھا، اس کے علاوہ صدقہ کی رقم جو خاص مسلمانون سے وصول کیجاتی تھی اُس مین ذمی رعایا برابر کی شریک تھی، حضرت عمر فاروقؓ نے بیت المال

---

[1] تاریخ کبیر طبری،

کے داروغہ کو کہلا بھیجا تھا کہ خدا کے اس قول مین انما الصدقات للفقراء والمساکین (صدقات فقیرون اور مسکینون کے لئے ہین) مسکینون سے عیسائی اور یہودی مراد ہین؎

جزیہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس روپئے سالانہ تھی، کسی کے پاس لاکھون روپیہ ہون تو اس سے زیادہ دینا نہین پڑتا تھا، عام شرح چھ روپئے اور تین روپیہ سالانہ تھی بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر والے اور عورتین، مفلوج، معطل العضو، نابینا، مجنون، مفلس یعنی جس کے پاس دو سو درہم سے کم ہو، یہ لوگ عموماً جزیہ سے معاف تھے، اب ہم پوچھتے ہین کہ ایسا ہلکا ٹیکس جسکی تعداد اسقدر قلیل تھی جسکے ادا کرنے سے فوجی پرخطر خدمت سے نجات مل جاتی تھی جسکی بنیاد نوشیروان عادل نے ڈالی تھی، کیا ایسی ناگوار چیز ہو سکتی ہی جیسی کہ اہل یورپ نے خیال کی ہی، کیا دنیا مین ایک شخص نے بھی اس سے بچنے کے لئے اپنا مذہب چھوڑا ہوگا؟ کیا کسی نے اپنے مذہب کو ایسے ہلکے ٹکس سے بھی کم قیمت سمجھا ہوگا؟ اگر کسی نے ایسا سمجھا تو ہم کو اس کے مذہب کے ضایع ہونے کا رنج بھی نہ کرنا چاہئے، جو لوگ جزیہ ادا کرتے تھے، اُن کو اسلام نے جسقدر حقوق دیئے کون حکومت اس سے زیادہ دیسکتی ہی، لیکن چونکہ ہمارے مضمون کے عنوان سے یہ بحث کسی قدر دور پڑجاتی ہی، اس لئے اس موقع پر ہم یہ بحث چھیڑنی نہین چاہتے،

؎ کتاب الخراج امام ابو یوسف رح

اختلاف
اور
مسامحت

آج کل قوم کے تنزل اور ادبار کے مسئلہ پر جب بحث کیجاتی ہے، تو تنزل کا سب سے بڑا سبب جو قرار دیا جاتا ہو وہ آپس کا اختلاف ہی، ہر شخص کو نظر آتا ہے کہ مسلمانون مین اس سرے سے اُس سرے تک یہ عام مرض پھیلا ہوا ہی، شیعہ، سنی مقلد، غیر مقلد، وہابی، بدعتی معتزلہ حال (نیچری)، بیسیون فرقے ہین، پھر ان مین الگ الگ جتھے جنمین سے ہر ایک دوسرے کو گمراہ اور بد دین کہتا ہے، ارباب بریلی، دیوبند، ندوہ، سب حنفی ہین، لیکن بریلی والون کے نزدیک دیوبند اور ندوہ دونون کافر، اس تفرق، اس اختلاف، اس بو قلمونی کے ساتھ کوئی قوم کیونکر زندہ رہ سکتی ہو؟ یہ حالت پیش آئے تو ایک کوہ گران کی بھی دھجیان اڑجائین، چونکہ اس خیال کا اثر ایک بہت بڑے قومی اور تاریخی مسئلہ پر پڑتا ہی اس لئے ہم اس پر تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتے ہین،

اس مسئلہ کے طے کرنے کے لئے امور ذیل کا فیصلہ کرنا چاہئے،

(۱) کیا زمانہ سلف مین اختلاف نہ تھا؟

(۲) اختلاف کے ساتھ اتحاد ممکن ہو؟ یا نہین؟

پہلے امر کے لئے ہم کو اُس زمانہ پر نظر ڈالنی چاہئے، جب آفتاب اسلام کی دوپہر تھی

جب ایک طرف تیغ وسنان نے اسپین اور سندھ کے ڈانڈے ملا دیئے تھے، اور دوسری طرف صریر قلم نے مصر ویونان کے خفتہ علوم وفنون کو جگا دیا تھا، اس وقت قدری، جبری، معتزلی، جہمی وغیرہ وغیرہ اس قدر بے شمار فرقے تھے کہ بہ مشکل ان کو ۷۳ کے عدد مین محصور کیا گیا، ان فرقون مین جو اختلاف تھا، اس کی یہ کیفیت ہے کہ ایک دوسرے کو کافر بلکہ کافر سے بدتر کہتا تھا، اور گمراہ ومرتد وزندیق کہنا تو معمولی بات تھی،

معتزلہ قرآن مجید کو مخلوق اور حادث کہتے تھے، اس مسئلہ کی نسبت محدثین اہل سنت کے یہ اقوال ہین جو امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات[1] مین نقل کئے ہین،

وکیع بن الجراح،

من زعم ان القرآن محدث فقد کفر — جس کا یہ خیال ہو کہ قرآن مخلوق ہو وہ کافر ہو،

یزید بن ہارون،

من زعم ان کلام اللہ مخلوق فہو واللّٰہ الذی لا الٰہ الا ہو زندیق، — جو یہ سمجھتا ہو کہ کلامِ الٰہی مخلوق ہو، خدائے یکتا کی قسم وہ زندیق ہو،

امام بخاری،

نظرت فی کلام الیہود والنصاریٰ والمجوس فما رأیت قوما اضل فی کفرہم من الجہمیۃ — مین نے یہودیون، عیسائیون، مجوسیون، سب کا کلام دیکھا ہو، کوئی کفر مین اس قدر گمراہ نہین جس قدر جہمیہ،

اشعری، ماتریدی، حنبلی، محدثین، سب اہلِ سنت وجماعت ہین، اور سب ایک دوسرے کو برسرِ حق سمجھتے ہین، تاہم جب ان مین سے ایک اپنے عقائد کا ذکر، دوسرے کے مقابلہ مین کرتا ہے، تو اسکا نام اس طریقہ سے لیتا ہو، تمہید[2] ابو شکور سالمی حنفیون کی علم عقائد کی مشہور

---

[1] کتاب مذکور مطبوعہ الہ آباد ص ۱۰۹تا ۲۱۰، [2] یہ کتاب حنفیون کی علم کلام کی مشہور اور مسلم کتاب ہو،

و مستند کتاب ہی، اس مین لکھا ہی:-

قال بعضهم بانا نعرف الله تعالیٰ بالرسول وهو قول الاشعری وقال اهل السنة والجماعة انا نعرف الرسول بالله تعالیٰ (تمہید مطبوعہ دہلی صفحہ ۰)	بعض کہتے ہین کہ ہم خدا کو رسول کے ذریعہ سے جانتے ہین اور یہی اشعری کا قول ہی، اور اہلِ سنت والجماعہ کا یہ قول ہی کہ ہم رسول کو خدا کے ذریعہ سے جانتے ہین،

امام بزدوی، نے علم کلام مین جو کتاب لکھی ہی اور جسکا قلمی نسخہ ہماری پیشِ نظر ہی، اس مین بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہی،

علامہ ذہبی مشہور محدث ہین اور فن حدیث مین ان کے بعد کوئی ان کا ہمسر نہین پیدا ہوا، انکی نسبت علامہ ابن السبکی طبقات مین لکھتے ہین،:-

هذا شیخنا الذهبی له علم و دیانة وعنده علی اهل السنة تحمل مفرط فلا یجوز ان یعتمد علیه وهو شیخنا و معلمنا غیران الحق احق بالاتباع[1]	یہ ہمارے استاد ذہبی عالم ہین متدین ہین باینہمہ اہل سنت سے نہایت تعصب برتتے ہین، اس لئے ان پر اعتماد نہین ہو سکتا، اور وہ ہمارے شیخ اور معلم ہین لیکن حق بات پیروی کئے جانے کی زیادہ مستحق ہے

علامہ ابن عبدالبر جو مشہور محدث گذرے ہین اور جنکی شرح موطاے امام مالک پر، شروحِ موطا مین سب سے بہتر ہے انھون نے اپنی کتاب جامع بیان العلم مین جو ۱۳۲۰ھ مین قاہرہ مین چھاپی گئی ہے، ایک خاص باب باندھا ہی، اس کا اقتباس ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین:-

فعن مغیرة عن حماد انه ذکر اهل الجماعة	مغیرہ سے مروی ہی اور مغیرہ حماد سے روایت کرتے

[1] الرفع والتکمیل مصنفہ مولانا عبدالحی لکھنوی صفحہ ۳۰۔

فقال سالتهم فلم يكن عندهم شئ والله
لصبيانكم اعلم منهم بل صبيان صبيانكم

وعن الزهري قال ما رايت قوما انقض
لعرى الاسلام من اهل مكة + + +
وهذا ابن الشهاب (اي الزهري) قد
اطلق على اهل مكة في زمانه انهم ينقضون
عرى الاسلام ما استثنى منهم احدا
فيهم من اجلة العلماء من لا خفاء
بجلالته في الدين واخذ ذلك والله
اعلم لما روي عنهم في الصرف ومتعة
النساء وروى علي بن مسهر عن هشام
بن عروة عن ابيه قال قالت عائشة ما
علم انس بن مالك وابو سعيد الخدري
بحديث رسول الله صلى الله عليه وسلم
وانما كانا غلامين صغيرين + + وعن
ابن وهب قال مالك وذكر عنده اهل
العراق فقال انزلوهم منزلة اهل الكتاب

ہین کہ انھون نے اہل حجاز کا تذکرہ کیا تو کہا کہ
مین نے ان لوگون سے سوالات کئے تو ان کے پاس
کچھ نہ تھا خدا کی قسم تمھارے بچے ان سے زیادہ علم
رکھتے ہین، بلکہ تمھارے بچون کے بچے بھی،

زہری سے مروی ہو کہ مین نے کسی قوم کو اہل مکہ
سے زیادہ شیرازۂ اسلام کو منتشر کرنے والا نہین دیکھا
+ + + ابن شہاب زہری نے اپنے زمانہ کے عام
اہل مکہ کے متعلق کہا کہ وہ اسلام کے شیرازہ کو منتشر
کرتے ہین، زہری نے ان مین کسی کو مستثنیٰ نہ کیا،
حالانکہ ان مین بڑے بڑے علماء موجود تھے جن کی
مذہبی عظمت وجلالت مخفی نہین، مین گمان کرتا
ہون کہ زہری نے یہ اس لئے کہا کہ اہل مکہ سے
مسئلہ صرف اور متعہ مروی ہے، علی بن مسہر نے
ہشام بن عروہ سے روایت کی اور ہشام اپنے باپ
سے راوی ہین کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ انس
بن مالک اور ابو سعید خدری نے حدیث نبوی
صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہین جانا، وہ دونون چھوٹے
بچے تھے اور ابن وہب سے مروی ہو کہ امام مالک
کے سامنے اہل عراق کا تذکرہ ہوا تو انھون نے فرمایا کہ

لا تصدقوهم ولا تکذبوھم، | کہ اہل عراق کو اہل کتاب کی طرح سمجھو نہ انکی تصدیق کرو نہ تکذیب،

اختلاف کے ساتھ اتحاد، | اوپر کی روایتون سے تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ عین ترقی اسلام کے زمانہ مین اختلاف عقائد کی کیا حالت تھی، لیکن اس وقت لوگ اس نکتہ کو سمجھ سکتے تھے اور سمجھتے تھے، کہ اختلاف کے ساتھ بھی مشترکہ اغراض مین اتحاد ممکن ہی،

اس نکتہ کی تلقین خود قرآن مجید نے کی تھی،

وان جاھداك علی ان تشرك بی ما لیس لك بہ علم فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفا، | اگر وہ دونون (مان باپ) یہ کوشش کرین کہ تو ہمارا شریک اس چیز کو بنائے، جس کا تجھکو علم نہین تو تو ان کا کہنا نہ مان لیکن دنیا مین ان سے اچھی طرح پیش آ،

اس آیت کا یہ مفہوم ہے کہ مثلاً ایک شخص مسلمان ہے، اور اس کے مان باپ مشرک اور کافر ہین، وہ چاہتے ہین کہ اپنے بیٹے کو بھی مشرک اور کافر بنا لین، اس حالت مین خدا حکم دیتا ہے، کہ کفر اور شرک مین انکا کہنا نہین تسلیم کرنا چاہئے، لیکن اس سے انکے حقوق پدری زائل نہین ہو جاتے، اس لئے دنیاوی معاملات مین ان کا ادب و لحاظ اسی طرح ملحوظ رکھنا چاہئے جو عموماً والدین کا حق ہی،

اس آیت نے بتا دیا کہ اختلاف اور اتفاق کے حدود الگ الگ ہین، یہ ممکن ہی کہ مذہب کے معاملہ مین اختلاف ہو اور دوسرے معاملات مین اتحادی اصول پر عمل کیا جائے،

قرون اولی مین اس اصول پر عمل رہا، مثالین ہم ذیل مین لکھتے ہین جن سے یہ مسئلہ اچھی طرح ذہن نشین ہو سکے گا،

(۱) اوپر گذر چکا کہ محدثین، قدریہ، جبریہ، معتزلہ، شیعہ وغیرہ کو اہل بدعت اور اہل اہوا کہتے تھے، ان کو گمراہ اور ..... سمجھتے تھے، باانہمہ دین کا نہایت اہم کام یعنی حدیث کا روایت کرنا، اُن سے جائز سمجھتے تھے، فن حدیث کا یہ ایک مسئلہ ہی کہ فرقہاے باطلہ سے حدیث روایت کرنا جائز ہی یا نہین یعنی مثلاً اگر ایک حدیث آنحضرت صلعم سے منقول ہو جس کے سلسلۂ روایت مین معتزلی، یا شیعہ وغیرہ ہون تو یہ حدیث معتبر ہوگی یا نہین اس مسئلہ کے متعلق اکثر ائمۂ حدیث کا یہی فتوی ہے کہ ان مین سے خطابیہ کے سوا جنکے مذہب مین جھوٹ بولنا جائز ہی، باقی اور فرقون سے روایت کرنا جائز ہے فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث مین ابن حبان کا قول نقل کیا ہی،

لیس بین اھل الحدیث من ائمتنا خلاف فی ان الصدوق المتقن اذا کانت فیہ بدعۃ ولم یکن یدعوا الیھا ان الاحتجاج باخبارہ جائز[1]	ہمارے ائمہ مین سے محدثین کے نزدیک اس امر مین کوئی اختلاف نہین ہی کہ اگر راست گو صاحب حافظہ بدعتی ہو، لیکن اپنی بدعت کی طرف لوگون کو بلاتا نہین تو اسکی روایات سے دلیل لانا جائز ہی،

اسی کتاب مین حاکم نیسابوری کی تاریخ نیشاپور سے نقل کیا ہی،

ان کتاب مسلم ملآن من الشیعۃ[2]	امام مسلم کی کتاب شیعی رواۃ سے بھری ہوئی ہی،

علامہ ابن الصلاح کا قول ہی:-

فان کتبھم طافحۃ بالروایۃ عن المبتدعۃ غیر الدعاۃ[3]	محدثین کی تصنیفات غیر داعی بدعتیون کی روایت سے پر ہین،

ابراہیم بن یحییٰ امام شافعی کے استاد تھے، ان کا مذہب قدری تھا، اس لئے جب

---

[1] کتاب مذکور طبع لکھنؤ صفحہ ۱۴۱ [2] کتاب مذکور صفحہ ۱۴۲ [3] ایضاً

امام شافعی اُن سے روایت کرتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ حدیث مجھ سے ایسے شخص نے روایت کی جس کا دین مشکوک ہے لیکن روایت صحیح کرتا ہو، خطیب بغدادی اسی قول کو نقل کر کے لکھتے ہین:-

ان ھذا مذھب بن ابی لیلی وسفیان الثوری وغیرہ من ابی حنیفۃ بل حکاہ الحاکم فی المدخل عن اکثر ائمۃ الحدیث	یہ ابن ابی لیلی اور سفیان ثوری کا مذہب ہے اور اسی کے مثل ابو حنیفہ سے مروی ہو، بلکہ یہی مذہب حاکم نے مدخل مین اکثر ائمہ حدیث کا نقل کیا ہو،

امام شافعی کتاب الام مین لکھتے ہین:-

فلم نعلم من سلف کالائمۃ من یقتدی بہ ولا من بعدھم من التابعین رد شھادۃ احد بتاویل وان خطاءہ وضللہ ورأہ استحل ما حرم اللہ علیہ (فتح المغیث صفحہ ۱۴۳)	ہم نہ گذشتہ ائمہ مین سے جنکی اقتدا کیجاتی ہے، اور نہ ان کے بعد کے علمائے تابعین مین سے کسی کو جانتے ہین، جس نے کسی تاویل سے کسی کی شہادت رد کردی ہو گو وہ اسکو گنہگار یا گمراہ کیون نہ قرار دیتا ہو یا اُس کے متعلق یہ کیون نہ سمجھتا ہو کہ اس نے خدا کی حرام کی ہوئی چیز حلال کردی،

علامہ ذہبی میزان الاعتدال ابان بن تغلب کے ذکر مین لکھتے ہین:-

ان البدعۃ علی ضربین فبدعۃ صغری کغلو التشیع او کالتشیع بلا غلو ولا تحرق فھذا اکثر فی التابعین وتابعیھم مع الدین والورع والصدق فلو رد حدیث	بدعت کی دو قسمین ہین بدعت صغیرہ جیسے شیعیت مین شدید ہونا یا شیعیت بغیر شدت ...... یہ شیعیت تابعین وتبع تابعین مین بہت ہو، باوجود اس کے ان مین مذہب، تقویٰ اور صدق ہو، اگر ان لوگون

ے الغیث الحدیث صفحہ ۱۴۱،

ہولاء لذہب جملۃ آثار النبویۃ وھٰذہ مفسدۃ بینۃ + + + فالشیعی الغالی فی زمان السلف وعرفھم ہو من تکلم فی عثمان والزبیر وطلحۃ ومعاویۃ و طائفۃ ممن حارب علیارضی اللہ عنہم وتعرض بسبھم والغالی فی زماننا وعرفنا ہو الذی یکفر ہولاء ویتبرأ من الشیخین ایضاً فھذا ضال مغرور	کی حدیثین رد کردیجائین، توآثار نبوی کاایک حصہ جاتارہی اوریہ خرابی ظاہر ہی + + + شدید شیعی سلف کے زمانہ مین اور اصطلاح مین وہ شخص ہی جسکو حضرت عثمان، زبیر، طلحہ، معاویہ مین اور اس گروہ مین جس نے حضرت علی سے جنگ کی کلام ہو، اوران کو برا کہتاہو، اورہمارے زمانہ مین اورہماری اصطلاح مین شدید شیعی وہ ہی جوان لوگون کی تکفیر کرتاہی، اورنیز شیخین سے بیزاری ظاہر کرتاہو، یہ شخص گمراہ اورفریب خوردہ ہے،

اس قسم کے سیکڑون اقوال ہین جنکا شمار نہین ہوسکتا، یہ مسئلہ اس اصول کی بناپر ہی، کہ مذہبی اعتقاد اورراست گوئی الگ الگ باتین ہین، ممکن ہی کہ ایک شخص کے عقائد اچھے ہون لیکن کاذب الروایت ہو، اسی طرح یہ ممکن ہی کہ ایک شخص کے عقائد خراب ہون لیکن دروغ گو نہ ہو، محدثین کی یہ انتہا کی نکتہ سنجی، حقیقت شناسی، اوربے تعصبی ہی کہ وہ عقیدہ کے لحاظ سے ایک شخص کو بدعقیدہ، بدعتی، گمراہ سمجھتے ہین، لیکن اگران کے تجربہ نے ثابت کردیاہی کہ وہ شخص جھوٹ نہین بولتا، تواس سے بے تکلف حدیث سیکھتے ہین، روایت کرتے ہین، اس کی شاگردی کا اعتراف کرتے ہین،

قتادہ ایک مشہور محدث گذرے ہین، ان کی نسبت علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال مین لکھاہی:۔

ماکان قتادۃ یرضی حتی یصیح بہ صیاحاً	قتادہ کو قدر کو زورشور کے ساتھ چلاکے کہے بغیر

يعني القدر، قال ابن عروبة والدستوائي قال قتادة كل شيء بقدر الا المعاصي، قلت ومع هذا الاعتقاد الردي ما تأخر احد عن الاحتجاج بحديثه الله يسامحه (تذکرۃ الحفاظ مطبوعہ حیدر آباد جلد اول صفحہ ۱۱۱)

چین نہین آتا تھا ابن ابی عروبہ اور دستوائی کہتے ہین کہ قتادہ کا قول تھا ہر چیز کی تقدیر ہو چکی ہی لیکن گناہ، مین کہتا ہون کہ اس اعتقاد فاسد کے باوجود کوئی انکی حدیث کیساتھ حجت لانے سے باز نہ رہا خدا انکو معاف کرے

(۲) اسی اصول کا یہ نتیجہ تھا کہ نصاب تعلیم مین، مخالف فرقہ کے لوگون کی مذہبی کتابین بھی داخل تھین، ہر شخص جانتا ہی کہ زمخشری معتزلی تھا، اور اس نے قرآن شریف کی جو تفسیر کشاف کے نام سے لکھی، اس مین اپنے عقائد کہین صریحاً اور کہین اشارۃً داخل کئے تاہم یہ کتاب ابتدا سے آج تک ہمارے علما کے درس اور مطالعہ مین رہی، علماء کو یقین تھا کہ ادب، عربیت، معانی و بلاغت کے لحاظ سے یہ کتاب لاجواب ہی، اس لئے اسکی عام خوبی سے انکار نہین کر سکتے تھے، البتہ جہان جہان زمخشری نے اپنے عقائد کا اظہار کیا ہی، وہان تنبیہ کر دیتے تھے کہ یہ معتزلہ کے عقائد ہین،

(۳) عقلی اور ادبی علوم مین، اختلاف عقائد کا مطلق اثر نہ تھا، علوم عقلیہ مین جو لوگ امام فن مانے جاتے ہین قریباً کل، آجکل کے نقطۂ نظر سے خارج المذہب اور کم از کم فاسد العقیدہ تھے، فارابی اور بوعلی سینا افلاک کو قدیم مانتے تھے، محقق طوسی غالی شیعہ تھے، چنانچہ تجرید مین خلفاے راشدین رضؓ کے مطاعن نہایت تفصیل سے لکھے ہین، فن بلاغت کے تمام ارکان یعنی جاحظ، عبد القادر جرجانی، سکاکی، معتزلی تھے، نحو کا سب سے اعلیٰ درجہ کا مصنف رضی شیعہ ہی، فنون ریاضیہ یعنی اقلیدس اور حساب کا تمام تر مدار محقق طوسی کی تصنیفات پر ہی، با این ہمہ تمام علماے اہل سنت وجماعت انھین کتابون کو پڑھتے پڑھاتے اور انھین کو اپنا ماخذ اور مرجع قرار دیتے آئے، اور ان کے مصنفون کے نام کے بجاے، ان کو

شیخ محقق معلم ثانی، امام کے لقب سے یاد کرتے ہین، مأتہ عامل کا مشہور شعر ہی،

عامل اندر نحو صد باشد چنین فرمودہ اند[1] — شیخ عبد القاہر جرجانی پیر ہدیٰ

(۴) سب سے بڑھکر یہ کہ اہل سنت وجماعت مخالفین مذہب کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے تھے اور پڑھتے تھے گو بعض لوگون نے اس کی مخالفت بھی کی، لیکن عام فتویٰ یہی رہا کہ سب کے پیچھے نماز جائز ہے،

امام نووی جو مشہور محدث تھے؛ انھون نے لکھا ہی:-

ولم یزل السلف والخلف علی الصلوٰۃ خلف المعتزلۃ وغیرھم

اور سلف وخلف کا اس پر برابر اتفاق رہا کہ معتزلہ وغیرہ کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہی،

عبد العلی بحر العلوم ارکان اربعہ مین لکھتے ہین :-

واما انہ لا یجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعۃ لاھل الکبائر ومنکر الرؤیۃ وعذاب القبر ومنکر کرام الکاتبین لانہ کافر لتواتر ھذہ الامور من الشارع ولا یصلی خلف منکر المسح علی الخفین والمشبھۃ وامثالھا من تشویشات المتاخرین مخالفۃ لما علیہ القدماء من الائمۃ المجتہدین فلا یلتفت الیھا فضلا عن ان یفتی بھا (کتاب مذکور مطبوعہ مطبع سعیدی کلکتہ ۱۹۵، ۱۹۶)

باقی یہ امر کہ جو شخص شفاعت کبائر اور رؤیت اور عذاب قبر اور کراماً کاتبین کا منکر ہو، اس کے پیچھے سوجہ سے نماز ناجائز ہی کہ یہ امور شارع سے بتواتر ثابت ہین؛ اس لئے اس کا منکر کافر ہی، اور یہ امر کہ مسح خفین کا جو منکر ہو اس کے پیچھے اور مشبہ کے پیچھے نماز ناجائز ہی تو یہ اور اس قسم کی باتین، متاخرین کی تشویشات مین سے ہین اور ائمہ مجتہدین کے خلاف ہین، انکی طرف التفات بھی نہین کیا جا سکتا چہ جائیکہ ان پر فتویٰ دیا جائے،

[1] فتح المغیث صفحہ ۱۴۳،

الفاروق

یعنی حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، صحابہؓ کے فتوحات، طریقۂ حکومت عراق وشام، مصر اور ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد و عدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر، مولٰنا شبلیؒ کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہی، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسون اڈیشن فروخت ہو رہے ہین، مگر اہلِ نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کان پور کی نقل ہی، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے، قیمت: للعہ ر

الجہاد فی الاسلام

اس کتاب مین اسلامی جہاد کی حقیقت بتائی گئی ہے، اسلام کے قوانین صلح و جنگ کی تفصیل کرکے دوسرے مذاہب کے قوانینِ جنگ سے ان کا مقابلہ کیا گیا ہے، اور موجودہ یورپین قوانین جنگ پر تبصرہ کرکے ان پر اسلامی قانون کا تفوق ثابت کیا گیا ہے، اور مخالفین کے تمام شکوک و شبہات زائل کئے گئے ہین، ضخامت ۴۹۲ صفحے، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ، قیمت: للعہ ر

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

THE JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY.

DATE LOANED

Class No. ۸۹۱٫۴۳۹ Book No. ۱۰۴۱ ش

Vol. ______ Copy ______

Accession No. ۱۹۰۷۵

Title مقالات شبلی -

Author شبلی نعمانی -

Accession No. ١٩٠٧٥

Call No. ٨٩١٫٤٣٩ ١.٢٦١ شق

Borrower's No.	Issue Date	Borrower's No.	Issue Date

The Jammu & Kashmir University Library, Srinagar.

1. Overdue charge of *one anna* per-day will be charged for each volume kept after the due date.

2. Borrowers will be held responsible for any damage done to the book while in their possession.